خواتین کے لیے صاف ستھرا تفریحی ادب

ماہنامہ

آنچل

کراچی

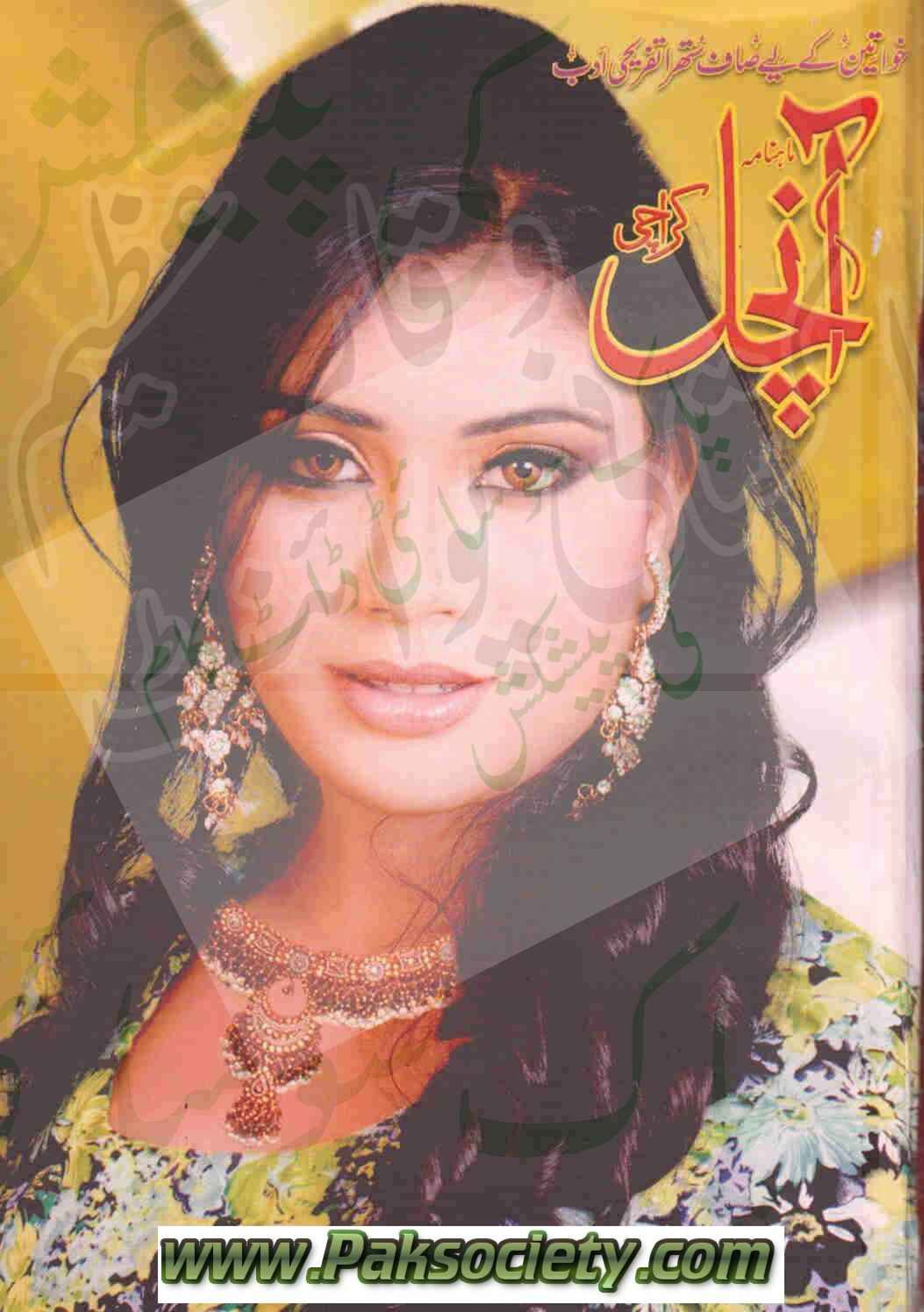

ابتدائیہ

سرگوشیاں — مدیرہ — 10
حمد ونعت — حکیم خان حکیم — 11
در جواب آں — مدیرہ — 12

دانش کدہ

شیطان کی حقیقت قرآن کی روشنی میں — مشتاق احمد قریشی — 17

یاد کا غذ پہ سمٹ جائے

فرحت آرا کے نام — ملیحہ احمد — 21

سروے

آنچل کے ہمراہ — ادارہ — 37

سلسلہ وار ناول

بھیگی پلکوں پر — اقرا صغیر احمد — 76
اور کچھ خواب — عشنا کوثر سردار — 120
پتھروں کی پلکوں پر — نازیہ کنول نازی — 160

مکمل ناول

زرد موسم کے دکھ — سمیرا شریف طور — 42

ناولٹ

ایک اور عنایت — سلمیٰ فہیم گل — 98
انتظار کا موسم — نسیم ارشد — 182

افسانہ

ایک لمحہ آگہی کا — صبا جاوید — 144
نوائے سحر — جویریہ سلیم — 152
صبا ٹھہر جائے — اریشہ غزل — 204

پبلشر مشتاق احمد قریشی پرنٹر جمیل حسن مطبوعہ ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی
دفتر کا پتا: 7 فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ کراچی

سرورق: ناز چوہدری...... آرائش: ماہ روز بیوٹی پارلر...... عکاسی: امجد صدیقی

مستقل سلسلے

قرآنی مسائل کا حل — حافظ شبیر احمد — 213
آپ کی شخصیت — اے ایس صدیقی — 217
آپ کی صحت — ہومیو ڈاکٹر ہاشم مرزا — 219
ڈش مقابلہ — طلعت آغاز — 223
بیوٹی گائیڈ — روبینہ احمد — 226
غزلیں نظمیں — ایمان وقار — 228
بیاض دل — میمونہ تاج — 232
یادگار لمحے — جویریہ طاہر — 234
آئینہ — شہلا عامر — 238
دوست کا پیغام آئے — ہما احمد — 245
آپ کی پسند — زہرہ جبیں — 250
ہم سے پوچھئے — شمائلہ کاشف — 252
کام کی باتیں — حنا احمد — 255
تندرستی نعمت — لبابہ احمد — 257

خط وکتابت کا پتا: ماہنامہ آنچل پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون نمبرز 021-35620771/2
فیکس 021-35620773 برائے مطبوعات نئے افق پبلی کیشنز ای میل Info@aanchal.com.ph

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حدیث نبوی ﷺ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم اس وقت تک جنت میں نہیں جاسکتے، جب تک مومن نہ ہو اور اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتے جب تک آپس میں ایک دوسرے سے محبت نہ ہو اور کیا میں تمہیں ایک ایسا طریقہ نہ بتاؤں کہ اس پر عمل کرنے سے تم میں باہمی محبت پیدا ہو؟ (وہ طریقہ یہ ہے کہ) تم ایک دوسرے کو سلام واضح طریقے سے کیا کرو۔“ (مسلم، ترغیب)

سرگوشیاں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

دسمبر ۲۰۱۱ء کا آنچل حاضر مطالعہ ہے۔

ذرا سی دیر دسمبر کی دھوپ میں بیٹھیں
یہ فرصتیں ہمیں شاید نہ اگلے سال ملیں

ماہِ دسمبر ایک بار پھر اپنی حشر سامانیوں کے ساتھ آن موجود ہے۔ اس ماہ سے جڑی وہ یادیں اور واقعات ایک بار پھر نظر کے سامنے سے گزر رہے ہیں جیسے کہ یہ سب ابھی ابھی رونما ہوئے ہوں۔ فریضۂ حج اور سنتِ ابراہیمی سے بہ حسن وخوبی نمٹ جانے کے بعد اب نئے ہجری اور عیسوی سال کی آمد آمد ہے۔ ہم امتِ مسلمہ اپنی اقدار کو تہہ کرکے کہیں اونچے طاقوں میں رکھ کر بھول گئے ہیں اور غیر مسلموں کے وہ تمام طور طریقے اپنانے میں فخر محسوس کررہے ہیں جو ہمارے لیے ممنوع ہیں۔ تبھی تو ہمارا ربّ ہم سے ناراض وخفا ہے جو اپنے غضب سے ڈرانے کے لیے چھوٹی چھوٹی آزمائشوں میں ہماری قوم کو مبتلا کررہا ہے مگر ہم ہیں کہ نہ کچھ سمجھ رہے ہیں اور نہ اپنی ڈگر سے ہٹنے کو تیار ہیں۔ اس وقت صورتِ حال اور جید علماء کرام کے مطابق پوری قوم کو اجتماعی توبہ واستغفار کی ضرورت ہے مگر ہم ہیں کہ ہمارے کان پر جوں تک نہیں رینگ رہی ہے۔ خدارا سوچیں، جاگیں اور اپنے ربّ کو راضی کریں۔

سال کا اختتام ہے۔ ہم ان تمام قلم کار بہنوں اور تمام آنچل فیملی اور قارئینِ کرام کے تہہ دل سے مشکور ہیں جن کی آراء اور قلمی تعاون سے ہم نے آنچل کو اسی کے بام وعروج پر قائم رکھا ہوا ہے۔ جس پر فرحت آرا چھوڑ کر گئی تھیں اور یہ سب آپ سب کے تعاون اور مشاورت کے بغیر ناممکن تھا۔ اسی طرح ہم آئندہ بھی تمام قلم کار بہنوں اور قارئینِ کرام سے بھرپور تعاون ومشاورت کی امید رکھتے ہیں۔

اس ماہ کے ستارے

☆ایک اور عنایت	سلمٰی فہیم گل اپنی ایک نئی عنایت کے ساتھ حاضر ہیں۔
☆ایک لمحہ آگہی کا	صبا جاوید لمحہ آگہی سے روشناس کرارہی ہیں۔
☆نوائے سحر	جویریہ سلیم اپنی پہلی کاوش کے ہمراہ شرکت کررہی ہیں۔
☆انتظار کا موسم	نسیم ارشد پہلی بار انتظار کا موسم لے کر حاضر ہوئی ہیں۔
☆صبا ٹھہر جائے	اریشہ غزل طویل عرصے کے بعد ایک بار پھر شریکِ محفل ہیں۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعا گو
قیصر آرا

حمد

وہ جس کو نورِ نظر سے نواز دیتا ہے
اُسی کو کسبِ ہنر سے نواز دیتا ہے

کبھی وہ شب کی سیاہی میں قید رکھتا ہے
کبھی وہ رنگِ سحر سے نواز دیتا ہے

کسی کا وقت گزرتا ہے آزمائش میں
کسی کو لعل و گہر سے نواز دیتا ہے

جو چُور ہو کے بھی کرتا نہیں تھکن محسوس
اُسے وہ اذنِ سفر سے نواز دیتا ہے

طلب میں اُس کی جو کرتا ہے روز وشب محنت
اُسے ضرور ثمر سے نواز دیتا ہے

اُسی کے ہاتھ ہے سب کچھ جسے وہ چاہے حکیمؔ
کمالِ علم و ہنر سے نواز دیتا ہے

نعت

اداس چہرے پہ اپنے نکھار آجائے
نظر جب آئے وہ چہرہ قرار آجائے

نگاہ اُٹھائیں محبت سے جس طرف آقا ﷺ
خزاں رسیدہ چمن میں بہار آجائے

تمام عمر اسیری میں کاٹ دے اُن ﷺ کی
درِ رسول ﷺ پہ جو ایک بار آجائے

نواز دیں اُسے دنیا کی وہ شہنشاہی
پناہ میں کوئی گر خاکسار آجائے

ذرا سی دیر میں اُس کے گناہ دھل جائیں
زہے نصیب! کوئی اشک بار آجائے

ادب سے اپنی نگاہیں حکیمؔ جھک جائیں
جب اپنے سامنے اُن ﷺ کا دیار آجائے

(حکیم خان حکیمؔ)

[illegible]

مدیرہ

انعم خان...... ہری پور ہزارہ

جھنڈا بردار بھتیجی! جیتی رہو، خوش رہو۔ اتنی مایوسی اچھی نہیں ہوتی۔ فرحت آپا سے آپ کی محبت و یگانگت سے ہم واقف ہیں۔ مگر آنچل ان کا لگایا ہوا وہ شجر ہے جس کی ہم سب نے مل کر آبیاری کرنی ہے۔ لہٰذا لکھنا چھوڑنے کا آپ سوچیے بھی نہیں...... آپ بہتر لکھتی ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ آنچل کی مصنفات میں بہترین اضافہ ثابت ہوں گی۔ ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ ''کنواری بے چاری'' شائع ہوجائے گی۔ مگر کچھ انتظار کے بعد امید ہے اب آپ کی ناراضگی دور ہوجائے گی۔

راحت وفا...... ملتان

عزیزی راحت! خوش رہو۔ آنچل سے آپ کی دیرینہ رفاقت سے ہم خوب واقف ہیں۔ آنچل کے صفحات آپ جیسی مصنفات کے سبب ہی چمکتے دمکتے ہیں۔ دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔ امید ہے خلوص ومحبت کا یہ سفر یوں ہی جاری رہے گا۔

حمیرا نگاہ...... منڈی بہائو الدین

حمیرا ڈیئر! سلامت رہو۔ فرحت آپا کے لیے آپ کے جذبات قابل قدر ہیں۔ ان کی خاطر متواتر دعاؤں کے سلسلے پر اللہ آپ کو جزائے خیر دے آمین۔ آپ کا تازہ ترین ناول مل گیا ہے مزید کے لیے پوچھنے کی کیوں ضرورت پیش آئی؟ آپ اچھا لکھتی ہیں اور اچھی تحریروں کے ہم خود دل سے منتظر رہتے ہیں۔ گزشتہ ناول موضوعاتی ہے۔ لہٰذا مارچ میں امید رکھ سکتی ہیں۔ یہ جان کر از حد خوشی ہوئی کہ آپ پیا کے دیس سدھار چکی ہیں۔ بے حد مبارک باد۔ اللہ تعالیٰ آپ کو زندگی کے اس نئے سفر میں کامیابی و کامرانی عطا فرمائے آمین ثم آمین۔

عالیہ حرا......کراچی

عالیہ! سدا خوش رہو۔ آپ کے فرائض منصبی اور گھریلو مصروفیات کی بابت ہمیں خوب اندازہ ہے۔ رہی لوڈشیڈنگ تو اس سے تو ہر خاص وعام عاجز ہے۔ پھر آپ سے کیا شکوہ۔ ان تمام مصروفیات میں آپ آنچل کے لیے وقت نکالتی ہیں تو یہ آپ کی اس سے محبت کا ثبوت ہے۔ تازہ ترین ناول مل گیا ہے۔ ابھی پڑھا نہیں گیا۔ آپ جیسی دل کش مصنفات آنچل کا حسن ہیں۔ اللہ آپ کا حامی وناصر ہو۔ آمین

سلمیٰ اکبر شیرازی...... اوچ شریف

سلمیٰ! جیتی رہو۔ فرحت آپا کے لیے ہمارا اور آپ کا دکھ یکساں ہے۔ مگر ربّ کی مشیت پر سوائے صبر کے کوئی چارہ نہیں۔ البتہ ہم آپ کی امیدوں پر پورا اترنے کی کوشش ضرور کریں گے۔ آپ سب بہنیں ہماری اپنی ہو، ہم سے جو رشتہ بنائیں، ہمیں دل وجان سے منظور ہے۔ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ ایم اے اردو کا ارادہ رکھتی ہیں۔ ہم آپ کی کامیابی کے لیے صدق دل سے دعا گو ہیں۔ اللہ آپ کو زندگی کے ہر میدان میں، ہر امتحان مین کامیابی وسرفرازی عطا فرمائے۔ آمین

ام ثمامہ...... سندھ

ام ثمامہ! سلامت رہو۔ آپ کے دونوں افسانے مل گئے ہیں۔ ان شاء اللہ باری آنے پر ضرور شامل اشاعت ہوں گے۔ سیلاب کی تباہ کاریوں کے بعد آپ کو درپیش مسائل کا ہمیں خوب اندازہ ہے۔ دعا ہے ربّ کریم سے کہ آپ سب شہریوں پر رحمت خاص نازل فرمائے۔ زندگی تو خیر اپنی ڈگر پر لوٹ ہی آئے گی مگر جو جانی نقصان ہوا۔ اس کا ازالہ ناممکن ہے۔ ہم صدق دل سے آپ سب کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ صبر کا دامن تھامے رکھیں اور یہ یاد رکھیں کہ اللہ پاک اپنے نیک بندوں کو ہی آزمائش کے لیے منتخب کرتا ہے۔ آپ کی خالہ کے لیے خصوصی دعائے مغفرت کی تمام قارئین سے التماس ہے۔ گرامر کی غلطیوں کی بابت بے فکر رہیں۔ اس ضمن میں کاٹ چھانٹ اور درستگی ہمارا ذمہ ہے۔

تحسین انجم انصاری...... اسلام آباد

تحسین! سدا سلامت رہو۔ فرحت آپا کے لیے آپ کے جذبات قابلِ قدر ہیں اور یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اپنی دعاؤں میں ان کا خاص الخاص حصہ رکھنا۔ آپ کا افسانہ ''نئی کونپلیں'' نظر سے گزرا تھا جو فرحت آپا کے لیے آپ کی محبت کا مظہر ہے۔ فرحت آپا کی خواہش ''الفت دیوتا'' کے نام سے ناول لکھ کر آپ نے پوری کی ہے۔ تو ہم بھی آپ کی اس خواہش کو سر آنکھوں پر رکھتے ہیں مگر اس کے لیے آپ کو انتظار کرنا پڑے گا۔ آپ جیسی کہنہ مشق مصنفات کا قلمی تعاون اور آنچل سے دلی لگاؤ ہمارے سفر کو سہل اور رواں رکھنے میں معاون و مددگار ثابت ہوتا ہے۔ اللہ آپ کو زندگی کے ہر قدم پر کامیابی وکامرانی عطا فرمائے۔ آمین

مہوش ملک...... فیصل آباد

مہوش! جیتی رہو، آپ کی قلمی کاوش ''روشنی'' موصول ہوکر انتخاب کی سند پا چکی ہے۔ عنقریب شامل اشاعت ہوگی اگرچہ آپ نے موضوع بہت حساس چنا ہے، نو آموز مصنفات کو مذہبی موضوعات پر قلم اٹھانے سے گریز ہی کرنا چاہیے۔ امید ہے تحریر کی کاٹ چھانٹ آپ کو بہت کچھ سیکھنے میں مدد دے گی۔ اپنا مطالعہ وسیع رکھیں۔ ہمیں امید ہے کہ آپ کا نام مستقبل کی بہترین لکھاریوں میں شامل ہوگا۔

شمع حفیظ...... کراچی

شمع ڈیئر! آنچل میں خوش آمدید اور آنچل مصنفات کی صف میں شامل ہونے پر مبارک باد۔ یقیناً آپ کا نام کسی لکھنے اور پڑھنے والے کے لیے نیا نہیں ہے۔ آپ ایک کہنہ مشق لکھاری ہیں۔ ان شاء اللہ جلد آپ کی تحریر شامل اشاعت کی جائے گی۔ آپ کی طبیعت کے بارے میں دلی دعا ہے

کہ اللہ پاک آپ کو صحت کاملہ عطا فرمائے آمین۔ تعریف کے لیے بے حد شکریہ۔ آپ کا سلام ان سطور کے ذریعے تمام مصنفات و قارئین بہنوں تک پہنچایا جا رہا ہے۔ امید ہے آنچل کے لیے آپ ایک خوش گوار اضافہ ثابت ہوں گی۔ دعاؤں کے لیے اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

فصیحہ آصف خان...... ملتان

عزیزی فصیحہ! خوش رہو’ آباد رہو۔ آپ کی طویل غیر حاضری کے بعد آمد پر دل شاد ہوا اور دعاؤں کے لیے اللہ پاک آپ کو جزائے خیر دے آمین۔ آنچل کی پسندیدگی پر تہہ دل سے مشکور ہیں۔ آپ جیسے مخلص چاہنے والوں کے طفیل ہی آنچل کا معیار قائم و دائم ہے۔ ناولٹ کا انتظار رہے گا۔ اللہ آپ کی تمام جائز دلی مرادیں پوری کرے۔ آمین

مصباح کنول...... مقام نامعلوم

مصباح ڈیئر! خوش رہو’ سب سے پہلے تو ایک بات اچھی طرح جان لیں کہ تمام مصنفات و قارئین ہمیں دل سے عزیز ہیں۔ آنچل کے لیے موصول ہونے والی ہر تحریر کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد ہی اسے منتخب یا رد کیا جاتا ہے۔ بات اگر معیار کی نہ ہو تو یقین رکھیں کہ ہم کبھی بھی کسی لکھاری کو رد نہ کریں کیونکہ کسی بھی قاری یا مصنفہ کی دل شکنی کے ہم قائل نہیں ہیں۔ اسی لیے کالم کے آخر میں نا قابلِ اشاعت کی فہرست میں مصنفہ کا نام عیاں نہیں کیا جاتا ہے۔ آپ نے از خود اصلاح کی خاطر اپنی تحریر رد ہونے کی صورت میں غلطیوں کی نشاندہی کے لیے کہا ہے۔ تو جواب دیا جا رہا ہے۔ نو آموز مصنفات کو ہم اسی لیے پہلے افسانہ پر طبع آزمائی کے لیے کہتے ہیں۔ ناولٹ یا ناول رد ہونے کی صورت میں ان کی زیادہ محنت کا نقصان نہ ہو۔ آپ کو بہت زیادہ محنت وسیع مطالعہ و مشاہدہ کی ضرورت ہے۔ زیر نظر تحریر میں کچا پن ہے۔ موضوع بہت پرانا ہے۔ کزنز کا انبار ان کے درمیان محبت و رنجش پر کئی بار لکھا جا چکا ہے۔ ناولٹ میں کردار سازی کے ساتھ کہانی تشکیل دینی پڑتی ہے اور کرداروں کا پس منظر اس کہانی میں بیان کرنا پڑتا ہے۔ جب کہ آپ کی تحریر میں پس منظر نہیں ہے۔ یہ ناول نگاری کی اسلوب کے خلاف بات ہے۔ لفظ پختہ اور مکالمے مضبوط ہونے چاہئیں۔ جن سے صورت حال واضح ہو...... ناپسندیدہ رشتے پر لڑکی کا گھر چھوڑنا قطعی نا مناسب فعل ہے۔ اسے پرنٹ نہیں کیا جا سکتا۔ کہانی میں مرکزی کردار عموماً مثبت ہوا کرتا ہے۔ منفی ہو تو وہ مثبت کی جانب سفر ضرور کرتا ہے۔ تحریر میں کمی بیشی یا اغلاط کے سبب مناسب رد و بدل ضرور کیا جاتا ہے۔ مگر سرے سے ساری تحریر کو تبدیل کر دینا ہمارے لیے ممکن نہیں ہے۔ امید ہے آپ کی تسلی ہو گئی ہو گی۔

شمع مسکان...... جام پور

شمع! سدا خوش رہو۔ آپ کی تحریر ”قربانی“ موصول ہو گئی ہے۔ موضوعاتی کہانیاں ایک ماہ قبل تیار کر لی جاتی ہیں۔ لہٰذا آپ کا خیال درست ہے کہ تاخیر ہو گئی ہے۔ گزشتہ افسانے کے بارے میں ”در جواب آں“ میں بتایا جا چکا ہے۔ شاید آپ کی نظر سے نہیں گزرا۔ دیگر نگارشات یقیناً باری آنے پر شائع ہوں گی۔ اس لیے صبر کا دامن تھامے رکھیں۔ اگر آپ پہلے مختصر افسانہ پر طبع آزمائی کریں تو بہتر ہے کیونکہ ہمارے خیال میں آپ کو لکھنے کے لیے انتہائی مشق اور وسیع مطالعہ کی ضرورت ہے۔ دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

عابدہ نسیم...... چیچہ وطنی

عابدہ! سلامت رہو’ آنچل کی پسندیدگی کا بے حد شکریہ اور دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔ ناراضگی کی دھمکی ٹھیک نہیں۔ آپ سب بہنیں ہمیں دل سے عزیز ہیں۔ ہماری مجبوری ہے کہ آپ سب کا خیال رکھنا ہے اور ہر معیاری چیز کو جگہ دینی ہے۔ لہٰذا آپ بھی معیار کا خاص خیال رکھیں اور باری کا انتظار بھی کیا کریں۔ افسانہ ضرور بھیجیں۔ اس کے لیے اجازت کی ضرورت نہیں۔ آنچل آپ کا اپنا رسالہ ہے۔

سعدیہ نواز سلوی...... مقام نا معلوم

سعدیہ! جیتی رہو’ پہلی بار شرکت پر خوش آمدید’ آنچل کی پسندیدگی کا بے حد شکریہ۔ تحاریر کے لیے شرائط آپ کو ان صفحات کے آخر میں مل جائیں گی۔ تحریر کی کاٹ چھانٹ اور درستگی کے لیے سطر چھوڑنا لازمی ہوتا ہے۔ ورنہ مسودہ قابل قبول نہیں ہوتا اور مصنفین کی محنت ضائع ہو جاتی ہے۔ افسانہ مل گیا ہے۔ ابھی پڑھا نہیں گیا۔ مصنفات کی صف میں شامل ہونے کے لیے مطالعہ وسیع رکھیں اور پہلے افسانہ پر طبع آزمائی کریں۔ ماہنامہ آنچل میں شائع ہونے والی تحاریر کا مناسب اعزازیہ دیا جاتا ہے۔ آپ بے فکر رہیں۔ لکھنے کے لیے اجازت کی ضرورت نہیں آنچل آپ سب کا اپنا رسالہ ہے۔

مشترکہ جوابات

زہرہ عبدالخالق’ خوش آمدید۔ افسانہ مل گیا ہے۔ ابھی پڑھا نہیں گیا۔ عائشہ نور محمد تک آپ کی تعریف ان سطور کے ذریعے پہنچائی جا رہی ہے۔ **شہر بانو**’ سرگودھا۔ افسانہ معیاری رہا تو ضرور شائع ہو گا۔ ابھی پڑھا نہیں گیا۔ یہی جواب **حفصہ راجا**’ گجرات کے لیے بھی ہے۔ **رضوانہ محمد علی**’ ننکانہ صاحب۔ تعارف باری آنے پر شائع ہو جائے گا۔ **پاکیزہ سحر**’ سکھر۔ آپ کا انداز تحریر بہتر ہے مگر زیادتی ہر چیز کی بری ہوتی ہے۔ فلسفہ کمال کا ہوتا مگر اس کے ساتھ موضوع کو بھرپور توجہ کے ساتھ اٹھانا بھی پڑتا ہے۔ افسانے میں موضوع نہ ہو تو افسانہ نہیں ہوتا۔ بس لفاظی بن کے رہ جاتا ہے۔ آپ کی دیگر تحاریر کی طرح ”نجانے کیوں“ میں بھی یہی خامی ہے۔ نعت بھیج سکتی ہیں۔ **میرب**’ چوٹالہ۔ آنچل کی مستقل قاری ہونے کے باوجود آپ نے نگارشات کے لیے سرخ قلم استعمال کیا......؟ اب ہم آپ کو کیا کہیں۔ **سویرا فلک**’ کراچی۔ آنچل میں خوش آمدید۔ دیگر پرچوں میں آپ کی تحریریں بار ہا نظر سے گزری ہیں’ امید

ہے آپ آنچل کے لیے بہترین اضافہ ثابت ہوں گی۔ افسانہ ابھی پڑھا نہیں گیا ہے۔ **طیبہ نذیر، گجرات۔** تعارف باری آنے پر شائع ہو جائے گا۔ دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔ **نماریہ مظہر، وہاڑی۔** تحریر موصول ہوگئی ہے۔ ابھی پڑھی نہیں گئی۔ پڑھنے کے بعد اسی کالم میں جواب دے دیا جائے گا۔ جوابی لفافے کے ذریعے جواب دینا ہمارے لیے ممکن نہیں ہے۔ تحاریر کی بابت یہی جواب ہے۔ **ربیعہ منور، گجرات** اور **سیدہ کنزیٰ زین، منڈی بہاؤالدین۔** کے لیے بھی یہی جواب ہے۔ **نجم انجم اعوان، کراچی۔** تحاریر ضرور روانہ کریں۔ دیگر نگارشات کے سلسلوں میں ایک انبار ہوتا ہے۔ جس کے لیے باری کا انتظار لازمی ہے۔ لہٰذا آپ کا تعارف بھی باری آنے پر شائع ہوگا۔ افسانہ ضرور بھیجیے۔ **کومل رباب، لاہور۔** آپ کے خط میں کوئی جواب طلب بات نہیں ہے۔ تب بھی آپ کی خوشی کے لیے جواب دیا جا رہا ہے۔ اب خوش؟ **ساجدہ زید، ویرو والہ چیمہ۔** اتنی ناراضگی اچھی نہیں، معیاری چیزیں بھیجیں تو ضرور شامل اشاعت ہوں گی۔ تعارف شائع ہو جائے گا۔ **گلناز مان گل، مان۔** والدہ محترمہ کی صحت کے لیے آپ کی دعائیں ان سطور کے ذریعے نازیہ کنول نازی تک پہنچائی جا رہی ہیں۔ جزاک اللہ۔ **عائشہ نور محمد، کراچی۔** آپ آنچل کی مصنفات میں بہترین اضافہ ہیں۔ تازہ ترین تحریر موصول ہوگئی ہے۔ کاٹ چھانٹ یا عنوان کی درستگی و تبدیلی ہمارا ذمہ ہے بے فکر رہیے۔ **فرخندہ فیض، کنگ چنن۔** تحریر موصول ہوگئی ہے۔ ابھی پڑھی نہیں گئی۔ یہی جواب **راشدہ حمیرہ مغل، مقام نامعلوم** کے لیے ہے۔

ناقابل اشاعت

پہلی نظر کا پیار، کوئی لمحہ گلاب ہو، محبتیں ہر سو، میری تحریر کے آنسو، تم سے ہے میری عید، تیری یاد کی تشنگی، چند ملاقاتیں، ہائے مائے میرا نصیب، جھوٹی محبتیں، وہ ہنستا ہوا ایک پل، بے وقوف لڑکی، کیوں چھوڑ گئے راستے، احساس، جب پہنچے منزل پہ۔

❁

مصنفین سے گزارش

☆ مسودہ صاف خوش خط لکھیں۔ حاشیہ لگائیں صفحہ کی ایک جانب اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں اور صفحہ نمبر ضرور لکھیں اور اس کی فوٹو کاپی کرا کر اپنے پاس رکھیں۔

☆ قسط وار ناول لکھنے کے لیے ادارہ سے اجازت حاصل کرنا لازمی ہے۔

☆ نئی لکھاری بہنیں کوشش کریں پہلے افسانہ لکھیں پھر ناول یا ناولٹ پر طبع آزمائی کریں۔

☆ فوٹو اسٹیٹ کہانی قابل قبول نہیں ہوگی۔

☆ مسودے کے آخری صفحہ پر اپنا مکمل نام پتا خوشخط تحریر کریں۔

☆ اپنی کہانیاں دفتر کے پتا پر رجسٹرڈ ڈاک کے ذریعے ارسال کیجیے۔

شیطان کی حقیقت قرآن کی روشنی میں

مولف: مشتاق احمد قریشی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ترجمہ:۔ اور جب فیصلہ چکا دیا جائے گا تو شیطان کہے گا ''حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ نے جو وعدے تم سے کیے تھے وہ سب سچے تھے اور میں نے جتنے وعدے کیے ان میں سے کوئی بھی پورا نہ کیا۔ میرا تم پر کوئی زور تھا ہی نہیں میں نے اس کے سوا کچھ نہیں کیا کہ اپنے راستے کی طرف تمہیں دعوت دی اور تم نے میری دعوت پر لبیک کہا۔ اب مجھے الزام نہ دو خود اپنے آپ کو ملامت کرو، یہاں نہ میں تمہاری فریاد رسی کر سکتا ہوں اور نہ تم میری فریاد رسی کر سکتے ہو۔ اس سے پہلے جو تم نے مجھے اللہ کا شریک بنا رکھا تھا اس سے میں بری الذمہ ہوں ایسے ظالموں کے لئے دردناک عذاب کی سزا یقینی ہے۔ (ابراہیم ۔۲۲)

آیت مبارکہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے روز محشر کا نقشہ کھینچا ہے جب سب کی سب مخلوقات کو زندہ کر کے اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیش کیا جائے گا اور ہر ایک کا حساب ہو رہا ہوگا۔ جب راہ حق پر چلنے والے اہل ایمان کو جنت کی طرف بھیج دیا جائے گا تو اہل دوزخ کا حساب کتاب شروع ہوگا تب اللہ تبارک وتعالیٰ اہل دوزخ جنہوں نے اپنی دنیا کی زندگی اپنے حساب سے عیش و آرام میں شیطان کے بہکائے میں آ کر اس کی پیروی کرتے گزاری ہوگی دریافت کرے گا کہ تم نے راہ حق کیوں نہیں اپنائی جبکہ تمہیں ہر قسم کی ہدایت و رہنمائی پہنچا دی گئی تھی جیسا کہ اس سورۃ کی آیت ۲۱ میں ارشاد باری ہے وہ جواب دیں گے اگر اللہ نے ہمیں نجات کی کوئی راہ دکھائی ہوتی تو ہم ضرور تمہیں دکھاتے اب تو سب یکساں ہے چاہے بے قراری کریں یا صبر دونوں ہی برابر ہیں ہمارے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔'' اہل جہنم آپس میں ہی باتیں کریں گے کہ جنتیوں کو جنت اس لئے ملی ہے کہ وہ اللہ کے سامنے روتے اور گڑگڑاتے تھے۔ آؤ ہم بھی اللہ کی بارگاہ میں آہ وزاری کریں شاید اللہ ہمیں بھی معاف کر دے۔ پھر وہ خوب روئیں گے آہ وزاری کریں گے لیکن انہیں اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا' پھر وہ باہم مشورہ کریں گے کہ جنتیوں کو جنت ان کے صبر کی وجہ سے ملی ہے آؤ ہم بھی صبر کرتے ہیں' پھر وہ صبر کا بھرپور مظاہرہ کریں گے' لیکن انہیں اس کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہوگا' پھر وہ سب کے سب کہیں گے اب ہم چاہے کچھ بھی کرلیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا' اب چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ ان اہل دوزخ کی یہ گفتگو و مکالمے قرآن حکیم میں کئی جگہ بیان ہوئے ہیں۔ مثلاً سورۃ مومن ۴۷' ۴۸ سورۃ اعراف ۳۸' ۳۹ سورۃ الاحزاب ۶۶' ۶۸ اس کے علاوہ آپس میں بھی جھگڑیں گے اور ایک دوسرے پہ الزامات لگائینگے امام ابن کثیر کے قول کے مطابق ان کا جھگڑا میدان حشر میں ہوگا اس کی تفصیل سورۃ سبا کی آیت ۳۱' ۳۳ میں بیان فرمائی گئی ہے۔ جب اہل جہنم میں چلے جائیں گے تو شیطان ان جہنمیوں سے کہے گا' تمہارے گلے شکوے اس حد تک تو درست ہیں کہ اللہ سچا ہے اور میں جھوٹا ہوں' اللہ نے جو وعدے اپنے

پیغمبروں کے ذریعے کئے تھے کہ نجات میرے پیغمبروں پر ایمان لانے میں ہے، وہ حق تھے، ان کے مقابلے میں میرے تمام وعدے تو سراسر دھوکہ اور فریب تھے، میں نے تمہیں جو امیدیں دلائیں جن فائدوں کے لالچ تمہیں دیئے، جن خوش نما توقعات کے جال میں تم کو پھانسا اور سب سے بڑھ کر تمہیں یہ یقین دلایا کہ اول تو آخرت کچھ نہیں ہے۔ بس یہ دنیا ہی دنیا ہے وہ سب تو میرا ڈھکوسلا تھا اور یہ بھی کہ جب میں نے تمہیں سمجھایا کہ فلاں حضرت بڑے پہنچے ہوئے ہیں ان کی تصدیق سے تم صاف بچ نکلو گے، بس ان کی خدمت میں نذر و نیاز کی رشوت پیش کرتے رہو پھر جو جی چاہے کرتے پھرو، تمہیں فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں حضرت جی ہیں نا، نجات کا ذمہ ان کا ہے یہ ساری باتیں تو میرا وہ حربہ تھیں جن میں پھنسا کر میں نے تمہیں راہ حق سے ہٹایا میں نے تو تمہیں صرف مشورہ ہی دیا تھا عمل تو تم نے خود کیا تھا قصور تو سراسر تمہارا ہے کہ تم نے کیوں میری بات مانی۔

وہ اپنی صفائی میں کہے گا کیا تم یہ ثابت کر سکتے ہو کہ تم خود راہ راست پر چلنا چاہتے تھے اور میں نے زبردستی تمہارا ہاتھ پکڑ کر تمہیں راہ حق سے ہٹایا تو ضرور ثابت کرو پھر جو چاہو مجھے سزا دو میں مان لوں گا، تم خود اگر چاہتے اور کوشش کرتے تو دعوت حق کو قبول کرتے میں نے تو صرف اتنا کیا ہے کہ حق کے مقابلے میں تمہیں باطل کی دعوت دی، سچائی کے مقابلے میں جھوٹ وفریب کی طرف تمہیں بلایا، نیکی کے مقابلے میں بدی کی طرف تمہیں پکارا اس کی سزا مجھے ملی ہے میں بھی تمہارے ساتھ جہنم واصل ہو چکا ہوں لیکن تمہیں جو سزا ملی ہے اس کے ذمہ دار تم خود ہو اپنے غلط انتخاب اور اپنے اختیار کے غلط استعمال کی ذمہ داری تمہاری اپنی ہے۔ میری باتوں میں نہ کوئی دلیل تھی نہ ہی کوئی حجت۔ نہ میرا کوئی تم پر دباؤ تھا، میری بے دلیل پکار کو تم نے مان لیا اور اللہ کے پیغمبروں کی دلیل و حجت سے بھرپور باتوں کو تم نے رد کیا تھا۔ سورۃ النساء آیت ۱۲۰ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ”شیطان ان سے وعدے کرتا اور آرزوئیں دلاتا ہے لیکن شیطان کے یہ وعدے محض دھوکہ ہیں۔“

ترجمہ:۔ اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ تم آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا، وہ جنوں میں سے تھا، اس نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی، پھر بھی تم اسے اور اس کی اولاد کو مجھے چھوڑ کر اپنا دوست بنا رہے ہو؟ حالانکہ وہ تم سب کا دشمن ہے، ایسے ظالموں کا کیا ہی برا بدل ہے۔ (الکھف۔ ۵۰)

آیت مبارکہ میں جہاں فرشتوں کا حکم الٰہی سے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کے بارے میں ذکر فرمایا گیا ہے وہیں اس بات کی خبر بھی دی جارہی ہے کہ ابلیس فرشتوں میں سے نہیں بلکہ وہ جنوں میں سے تھا، اس کا مطلب ہے کہ ابلیس جن تھا فرشتہ نہیں تھا چونکہ وہ فرشتوں کے ساتھ موجود تھا اس لئے وہ بھی اس حکم میں شامل تھا لیکن جن اللہ کی صاحب اختیار مخلوق ہیں اس لئے اس نے اپنے اختیار سے کام لے کر اللہ کی نافرمانی کی۔ آیت مبارکہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے ایسے تمام بندوں کو آگاہ فرما رہا ہے جو یہ جانتے بوجھتے ہوئے کہ ابلیس بارگاہ الٰہی کا مردود و لعین اور راندہ درگاہ ہے اور اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں بھی بار بار ارشاد فرما رہا ہے کہ ابلیس تمہارا کھلا دشمن ہے اس لئے جو بھی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر شیطان اور اس کی ذریت کو دوست بنائے گا یعنی احکام الٰہی سے انحراف کرے گا اور شیطان کی پیروی کرے گا وہ درحقیقت خود پر بڑا ہی ظلم کرے گا ایسے لوگوں کو اور اہل ایمان کو یہ اطلاع بھی دی جارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے نافرمان ظالموں کو ان کے برے اعمال کا بڑا ہی برا بدلہ دے گا، اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں کی بہتری اور فلاح چاہتا ہے اس لئے اس نے بار بار ہر قوم قبیلے میں اپنی ہدایت و رہنمائی کے لئے اپنے پیغمبر بھیجے

تاکہ اس کے بندے باخبر رہیں کہ شیطان جس کی وہ پیروی کر رہے ہیں وہ نہ صرف ان کا دشمن ہے بلکہ وہ تو روز اول سے تمام انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا بھی دشمن چلا آرہا ہے، انسان سے اس کی دشمنی میں کمی کے بجائے روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ اس سخت ترین تنبیہہ اور ہدایت و تاکید کے باوجود بھی انسان اپنے اختیار سے اگر کام لے کر اللہ کی راہ نہ اپنائے اور احکام الٰہی پر عمل پیرا نہ ہو تو یقیناً وہ خود اپنے آپ سے دشمنی کرے گا اور اللہ کے نزدیک اس کا شمار ظالموں میں ہوگا اور ظالموں کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم اپنے رحم کے سائے سے بھی دور کر دیتا ہے اور روز آخرت انہیں ان کو بداعمالی کی پوری پوری سزا ملے گی یہی نصیحت و خبر اس آیت مبارکہ میں دی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ جو بڑا ہی رحیم و کریم اور پروردگار ہے وہ اپنے بندوں پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا بلکہ جو لوگ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں انہیں سمجھانے اور راہ راست پر لانے کیلئے قرآن حکیم میں ہر قسم کی ہدایت ارشاد فرما دی ہے جیسا کہ الکھف کی آیت ۵۴ میں ارشاد ہوا ہے۔

ترجمہ:۔ ہم نے اس قرآن میں ہر ہر طریقے سے تمام کی تمام مثالیں لوگوں کو (سمجھانے) کیلئے بیان کر دی ہیں لیکن انسان سب سے زیادہ جھگڑالو ہے۔ (الکھف، ۵۴)

آیت مبارکہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ہم نے انسان کو حق کا راستہ سمجھانے کے لئے قرآن میں ہر وہ طریقہ استعمال کیا جس سے انسان کو سمجھایا جاسکتا ہے۔ یعنی وعظ، تذکرہ، امثال، واقعات، دلائل و براہین اس کے علاوہ بھی انہیں بار بار اور مختلف انداز بیان سے سمجھایا گیا ہے یعنی جہاں تک دلیل و حجت کا تعلق ہے قرآن نے حق واضح کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، دل و دماغ کو متاثر کرنے کے جتنے مؤثر طریقے ممکن ہیں اختیار کئے گئے لیکن انسان سخت نادان اور جھگڑالو ہے اس لئے اس پر نہ تو وعظ و نصیحت کا اثر ہوتا ہے نہ ہی دلائل و براہین کا، اور اگر انسان اس کے باوجود بھی نہ سمجھے اور اللہ کی اور اس کے احکام کی تکذیب و نافرمانی کرے تو پھر ان کے لئے اللہ کی وعید ہے کہ وہ اللہ کے عذاب کا انتظار کریں ایسے لوگ بغیر سزا کے سیدھے نہیں ہوتے، یعنی جب کوئی شخص یا گروہ دلیل و حجت اور تمام خیر خواہانہ نصیحت کے مقابلے میں جھگڑالو پن پر اتر آتا ہے اور انحراف کرتے ہوئے حق کا مقابلہ جھوٹ اور مکر و فریب سے کرنے لگتا ہے اور اپنے کرتوتوں کا برا انجام دیکھنے سے پہلے کسی کے سمجھانے سے اپنی غلطی ماننے پر تیار نہیں ہوتا تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے دل پر مہر لگا دیتے ہیں قفل چڑھا دیتے ہیں اور وہ ہلاکت کے گڑھے میں گرتے چلے جاتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ جو بڑا ہی رحیم و کریم ہے وہ اپنے تمام ہی بندوں سے بڑے رحم کا معاملہ فرماتا ہے بندہ چاہے کتنا ہی نافرمان کیوں نہ ہو، اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ جس وقت کسی سے کوئی خطا کوئی قصور سرزد ہوا سے اسی وقت پکڑ کر سزا دے ڈالے۔ وہ مالک و خالق جس کی شان کریمی و رحیمی بے پناہ ہے وہ مجرموں کو پکڑنے میں جلد بازی سے کام نہیں لیتا مدتوں انہیں سنبھلنے سدھرنے کا موقع دیتا رہتا ہے، مگر سخت نادان ہیں وہ لوگ جو اللہ کی اس ڈھیل، اس کرم کو غلط سمجھتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ کچھ بھی کرتے رہو کچھ نہیں ہوگا۔ ان سے کبھی باز پرس نہیں ہوگی، لیکن جب اس کو پکڑ آجاتی ہے تو پھر انسان کو کوئی راستہ نہیں ملتا اللہ کی گرفت سے بچنے کا اور کوئی دوسرا ایسا راستہ ہے ہی نہیں جو کسی بندے کو اللہ کی پکڑ سے بچا سکے۔

ترجمہ:۔ پس وہ تمام کے تمام سب گمراہ لوگ جہنم میں اوندھے منہ ڈال دیئے جائیں گے۔ اور ابلیس کے

تمام کے تمام لشکر بھی وہاں آپس میں لڑتے جھگڑتے ہوئے کہیں گے۔ کہ قسم اللہ کی! یقیناً ہم تو کھلی غلطی پر تھے۔
(الشعرأ۔۹۴ تا ۹۷)

آیاتِ مبارکہ میں ارشاد باری تعالیٰ کے ذریعے ایسے تمام لوگوں کو خبردار اور ہوشیار کیا جارہا ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت وبندگی چھوڑ کر دوسروں کی اطاعت وفرمانبرداری کرتے اور احکام الٰہی سے ان کے کہنے سے انحراف کرتے یا انہیں نظر انداز کرتے ہیں ان کے بارے میں اطلاع دی جارہی ہے کہ نہ صرف ایسے تمام افراد جو لوگوں کو بہکاتے اور اللہ کی راہ سے ہٹاتے ہیں اور شیطان کی ذریت کا کردار ادا کرتے ہیں وہ تو جہنم رسید ہوں گے ہی ان کے ساتھ ان کی بات ماننے والے ان کی فرمانبرداری واطاعت کرنے والے بھی جہنم میں داخل کردیئے جائیں گے اور اس طرح اوپر تلے ڈال دیئے جائیں گے جیسے کوڑا کرکٹ ڈال دیا جاتا ہے۔

آیت مبارکہ میں ایسے تمام لوگوں کو ہدایت ونصیحت کی جارہی ہے جو اللہ کو چھوڑ کر کسی بھی طرح اللہ کی نافرمانی کرتے اور کراتے ہیں ان کو حشر کی تصویر دکھا کر سمجھایا جارہا ہے کہ صرف اطاعت الٰہی میں ہی تمہاری عافیت وبھلائی ہے اللہ کی راہ چھوڑ کر جو بھی راہ اختیار کروگے وہ تمہیں صرف جہنم ہی میں لے جائے گی۔ اللہ کا تو ایک ہی سیدھا اور سچا راستہ ہے کہ احکام الٰہی پر ان طریقوں سے عمل پیرا ہوجاؤ جن کی تاکید وہدایت اس کے آخری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے۔ صرف اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بتایا ہوا راستہ ہی انسان کو سیدھا جنت کے باغوں میں لے جاتا ہے اس کے علاوہ تمام راستے شیطان کے بنائے اور بتائے ہوئے ہیں انسان کو اپنے اختیار سے ہی ان برے اور جہنم کے راستوں سے بچنا اور سیدھے راستے پر چلنا ہے۔ آیات میں اللہ کے باغی اور سرکش لوگوں کی حالت زار کا ذکر کیا گیا ہے جو ابلیس کے بہکائے میں آکر اور اپنی عقل‘ ارادے سے کام نہ لے کر اپنے اختیار کا غلط استعمال کرکے شیطان کے بتائے ہوئے راستوں پر چلتے ہیں ان کے بارے میں بتایا جارہا ہے کہ آخرت میں ان کا کیا حشر ہونے والا ہے۔ صاحب قاموس لکھتے ہیں کہ رکب‘ اکب‘ اور کبک سب کے معنی ہیں سر کے بل اوندھا کرکے نیچے پھینک دینا اور کبکب کی ترکیب استعمال کرنے کا مطلب ہے کہ اہل دوزخ کو اس طرح سر کے بل پھینکا جائے گا کہ وہ لڑھکنیاں کھاتے ہوئے نیچے جاگریں گے‘ تمام جھوٹے معبود اور ان کے تمام پرستار اور ابلیس اور اس کے تمام معاون ومددگار کو دوزخ میں الٹا کرکے پھینک دیا جائے گا پھر وہاں ان میں آپس میں ہی نوک جھونک اور ایک دوسرے پہ الزام تراشی شروع ہوجائے گی۔ تب انہیں احساس ہوگا اور وہ اس کا اقرار بھی کریں گے کہ وہ کس قدر غلطی پر تھے اور اللہ کی اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کو نہ ماننے کی وجہ سے وہ اس حشر کو پہنچے ہیں۔ قرآن حکیم میں جگہ جگہ بار بار عالم آخرت کے عبرت ناک مناظر کا نقشہ کھینچا گیا ہے تاکہ اندھی تقلید کرنے والے دنیا میں ہی آنکھیں کھولیں اور کسی کے پیچھے چلنے سے پہلے خوب اچھی طرح سوچ سمجھ لیں کہ وہ جو راہ اختیار کررہے ہیں ٹھیک ہے احکام الٰہی کے عین مطابق ہے یا نہیں ہے۔

چند قرآنی آیات سے ہم بخوبی اندازہ کرسکتے ہیں کہ روز آخرت اہلِ دوزخ کی کیسی بدتر حالت ہوگی۔

(جاری ہے)

یاد کاغذ پہ سمٹ جائے

ملیحہ احمد

آنچل کی رفیق اور دیرینہ ساتھی اور قارئین وقلم کار بہنوں کی ہر دل عزیز مدیرہ فرحت آرا کو ہم سے بچھڑے ہوئے پورا ایک سال گزار گیا۔ کہنے کو تو یہ ایک سال ہے مگر دیکھا جائے تو اب بھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کہ یہ ابھی کی بات ہو۔ ہم نے آنچل دسمبر کا شمارہ فرحت آرا کے نام کرکے ان کو چھوٹا سا خراج تحسین پیش کرنے کی ایک ادنیٰ سی کوشش کی ہے‘ یہ جانتے ہوئے بھی کہ ان کی وسیع خدمات ہمارا یہ عمل بہت کم ہے۔ اپنی اس کوشش میں ہم کس حد تک کامیاب رہے ہیں اس کا اندازہ تو آپ کی آرا سے ہی ہو پائے گا۔ ادارہ

موتیوں کی لڑی......!

انسان کے لیے یہ دنیا ایک سب اسٹیشن ہے جہاں انسان پیدا ہوتا ہے‘ شیرخوارگی سے بچپن پھر جوانی اور پھر بڑھاپا...... یہ ہر ایک کی زندگی کی مختصر سی کہانی ہے۔ انسان کے وجود کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے بنایا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک مٹی سے بنا یہ انسان اسی مٹی میں جاکر سوجاتا ہے۔ ہر انسان کی زندگی کا آخر لحد ہے چاہے بچپن میں شیرخواری‘ جوانی یا پھر بڑھاپے میں۔ لحد ایک ایسی جگہ ہے جہاں پہنچ کر کوئی واپس نہیں آتا۔ ہم بچھڑوں کو یاد کرکے روتے ہیں‘ تڑپتے ہیں ان کے جانے پر ہاتھ ملتے رہ جاتے ہیں۔ انسان کی زندگی میں عزیز رشتے داروں کے ساتھ ساتھ کچھ دوستوں اور سہیلیوں سے بھی ناتے جڑ جاتے ہیں۔ کچھ سہیلیاں آپ کی پڑوسی سہیلیاں ہوتی ہیں‘ کچھ اسکول اور کالج سے وابستہ...... مگر کچھ ایسی ہوتی ہیں جو ہمیشہ آپ کے دل کے نزدیک رہتی ہیں۔ چاہے آپ نے انہیں دیکھا ہو یا نہیں‘ ابھی اس عید کے روز میری ایک پیاری سہیلی جو صرف آواز کی دوست تھی۔ وہ کینسر سے فوت ہوگئی۔ میں نے انتقال سے دس دن پہلے رمضان میں اس سے بات کی تھی تو اس نے بتایا تھا کہ اس کا کینسر ہڈیوں میں پھیل گیا ہے۔ وہ مجھ سے بڑے درد سے پوچھ رہی تھی کہ ڈاکٹر تنویر! میں اچھی ہوجاؤں گی...... میں زندہ تو رہوں گی نا میں اپنی دس سالہ بیٹی کو پال تو سکوں گی؟ اور میں نے اس سے کہا تھا‘ عرشیہ! تم ضرور ٹھیک ہوجاؤ گی۔ میں ایک ڈاکٹر ہونے کی وجہ سے انجام جانتی تھی اور جب عید کے دن میں نے اس کی خیریت کا فون کیا تو معلوم ہوا کہ وہ خاصی تکلیف میں تھی اور اسی رات اس کا انتقال ہوگیا۔ میں نے فرحت باجی کی طرح عرشیہ کو بھی کبھی نہیں دیکھا تھا پر وہ میری ٹیلی فون کی دوست‘ سہیلی‘ اس سے محبت کا رشتہ تھا۔ پیار تھا‘ وہ بھی لحد میں چلی گئی‘ میری اچھی فرحت باجی کی طرح...... میں نے فرحت باجی کے انتقال کے بعد جانا کہ وہ ابنِ صفی کی بیگم تھیں۔ ابنِ صفی کا نام کون نہیں جانتا۔ ان کی جاسوسی کہانیاں اور ناول میں نے بھی پہلے کبھی بہت پڑھے ابھی دو تین دن سے میں کچھ لکھنے کو سوچ رہی تھی میں یہاں اسلام آباد آئی ہوئی ہوں‘ اور طاہر قریشی کا فون آیا کہ فرحت باجی کی برسی کے موقع پر کچھ لکھوں فرحت باجی میری قلمدان

کی دوست تھیں۔ 1980ء کی دہائی سے لے کر تیس دسمبر 2010ء تک وہ میری سہیلی تھیں۔ جنہیں کبھی نہ دیکھا، بس سنا ہی تھا۔ ایک پیاری سی آواز جو میں اب بھی بھلا نہ سکی ہوں۔ ان میں محبت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ شاید وہ سب لکھنے والی قلم کار بہنوں سے محبت کرتی تھیں۔ شاید بہت سی قلم کار بہنیں ان سے ملی بھی ہوں مگر میں اپنی باجی سے کبھی نہ مل سکی۔ بس وہ آواز کا جادو ہی اتنا سحر انگیز ہوتا تھا کہ میں ان سے باتوں میں محو جاتی تھی۔ ہم دنیا کے ہر موضوع پر گھنٹوں باتیں کرتے تھے اور دل نہ بھرتا تھا، آج بھی مجھے وہ یاد آتی ہیں...... اس دنیا کے سب اسٹیشن سے وہ زندگی کا رختِ سفر باندھ کر لحد میں چلی گئیں، یادوں کے آواز کے بہت سے نقوش چھوڑ گئیں۔ جو ہم ہمیشہ یاد کرتے رہیں۔ فرحت باجی 'آئی مس یو' میں آپ سے بہت پیار کرتی تھی، اور بھول نہیں سکتی کہ ایک ایک کر کے میری اچھی سہیلیاں منوں مٹی کے نیچے اتنی جلدی جلدی چلی گئیں۔ اللہ آپ کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے آمین۔ ان کی خواہش کے مطابق میں نے آنچل میں لکھنا نہیں چھوڑا۔ میں گاہے گاہے لکھتی رہوں گی...... اور ان کو یاد کرتی رہوں گی۔ ایک انجانی کسک رہے گی ہمیشہ ہمارے دل میں کہ ہم آپ جیسی شفیق دوست کو کبھی دیکھ ہی نہ سکے۔ شاید اس لیے کہ یہ نہ سوچا تھا کہ آپ یوں اچانک چلی جائیں گی۔ میرے ساتھ آپ کا پیار کا، درد کا، آواز کا رشتہ موتیوں کی لڑی کی طرح ٹوٹ کر بکھر جائے گا...... مگر آپ کی یادیں ایسی نہیں جو ٹوٹ کر بکھر جائیں، فرحت باجی، یہ آپ کی سہیلی آپ کو ہمیشہ یاد رکھے گی۔ شاید اپنی زندگی کی آخری سانسوں تک میں آپ کو بھول نہیں سکتی...... کیونکہ وہ آواز ہی نہیں بھولتی تو یاد کیسے بھولے گی۔ آپ کی پہلی برسی پر میں یادوں کا یہی تحفہ دے سکتی ہوں۔ آپ موتی کی لڑی تھیں جو بکھر گئی اور جدا ہوگئی۔

ڈاکٹر تنویر انور خان

ہاتھ خالی ہیں

نہ ہاتھ تھام سکے نہ پکڑ سکے دامن
بہت قریب سے اٹھ کر چلا گیا کوئی

دسمبر کا مہینہ مجھے ہمیشہ سے پسند رہا ہے۔ اس کی اداسی میں ڈوبی سرد شامیں، کہر میں لپٹی ٹھٹھرتی پُرکیف صبح اور جادوئی راتیں بہت متاثر کرتی ہیں۔ کچھ عزیز ہستیوں کے ساتھ میں دسمبر کو بھی اپنی زندگی میں بہت اہمیت دیتی ہوں مگر......!

میری اتنی محبت اور اہمیت کے باوجود دسمبر نے کبھی مجھ سے وفا نہیں نبھائی، ہر سال یہ جب بھی آتا ہے، دل اور دامن خالی کر جاتا ہے۔ 25 دسمبر 2010ء کو ایک صبح مجھے بتایا گیا کہ فرحت آپا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، وہ نماز کے لیے وضو کرنے اٹھی تھیں کہ طبیعت خراب ہوگئی، دعا کرنا، اللہ اپنا رحم کرے۔ میرا دل اس اطلاع کے بعد جیسے بے قرار ہوگیا، شدید مصروفیت اور پریشانی کے باوجود میں آپا کی طرف سے بے نیاز نہ رہ سکی۔ تاہم میری دعائیں، میری فکر، میری محبت کچھ بھی آپا کے کام نہ آسکا اور 30 دسمبر کی شام آپا کے لیے وہ اطلاع سننے کو مل گئی، جس کا وہم و گمان بھی نہیں تھا۔

بھلا یوں بھی ہوتا ہے؟

کوئی یوں بھی چپ چاپ اپنا رختِ سفر باندھ لیتا ہے؟

میں بلک بلک کر رو رہی تھی اور میری مما، میرے گھر والے مجھے چپ کروا رہے تھے۔ آپا کے لیے افسردہ ہو کر دعائے مغفرت کر رہے تھے مگر صبر تھا کہ آ ہی نہیں رہا تھا۔ دماغ جیسے سُن ہوگیا تھا اور برف ہوئی انگلیاں قریبی دوستوں کو آپا کے لیے دعائے مغفرت کا Massege کرتے ہوئے کپکپا رہی تھیں، پتھرائی ہوئی آنکھوں سے یوں آنسو ٹپک رہے تھے جیسے کسی صحرا میں بارش ہو رہی ہو۔

میں نے کہا نا! مجھے دسمبر سے پیار ہے، اس کی اداس شاموں اور ٹھٹھرتی راتوں سے عشق ہے اور یہی عشق شاید دسمبر کو میری بھیگی پلکوں سے ہے اسی لیے تو ہر سال یہ نیا زخم سونپ کر جاتا ہے۔

فرحت آپا......! دیکھیے اس بے درد دسمبر نے آپ کو بھی چھینا ہے مجھ سے......! دیکھیے ایک سال ہوگیا، میری سماعتوں میں آپ کی محبت بھری، شہد آگیں آواز کی نرماہٹ نہیں اتری، میری انگلیوں نے آپ کے کمرے کا وہ نمبر ڈائل نہیں کیا جس پر کال ریسیو ہوتے ہی آپ کا پیار میرا نصیب بنتا تھا۔

آنچل سے آپ کی تیس سال رفاقت، کہنہ مشق ریاضت، تعاون اور محبت کے لیے کوئی ایوارڈ نہیں جو آپ کو پیش کر کے آپ کی صلاحیتوں کا اعتراف کیا جاسکے مگر......!

کاش! آپ دیکھ پاتیں فرحت آپا کہ آپ کی دائمی جدائی پر مشتاق انکل نے آپ کی مدّاح قاری بہنوں سے جن انمول الفاظ میں آپ کے تعاون اور صلاحیتوں کا اعتراف کیا، وہ خراجِ تحسین کسی ایوارڈ سے کم ہرگز نہیں تھا۔

آپ کی مداح قاری بہنوں کی یہ فرمائش کہ آپ کی ذاتی زندگی پر آنچل میں کہانی پیش کی جائے، ایوارڈ ہی تو ہے آپا......!

میں اس حقیقت کو نہیں جھٹلا سکتی کہ آپ رضائے الٰہی سے منوں مٹی تلے ابدی نیند جا سوئی ہیں بالکل ویسے ہی جیسے صفی انکل بالکل اچانک اپنی سالگرہ پر پچیس سال پہلے آپ کو تنہا چھوڑ کر جا سوئے تھے مگر......!

کل جب قیصرہ آپا سے میری بات ہوئی تو میں شاکڈ رہ گئی۔

وہی لہجہ...... وہی آواز...... وہی انداز! وہی بے پناہ اُمڈتا پیار اور اپنائیت......

ایک پل کو مجھے لگا آپ واپس آ گئی ہیں، نہیں دیکھا گیا آپ سے ہمارا درد......! مگر......!

تجھ کو کس پھول کا کفن ہم دیں......
تُو جدا ایسے موسموں میں ہوا
جب درختوں کے ہاتھ خالی ہیں

ہچکیاں بندھ گئی ہیں لفظوں کی
آئینۂ خانے رو رہے ہیں اسے
اپنے دل میں سنبھال کر اس کو
آج ہاتھوں سے کھو رہے ہیں اسے
اس کو کس روشنی میں دفنائیں
اس کو کس خواب کا بدن ہم دیں
وہ جو خوش بُو میں ڈھل گیا یارو!
اس کو کس پھول کا کفن ہم دیں
وہ جدا ایسے موسموں میں ہوا
جب درختوں کے ہاتھ خالی ہیں!

نازیہ کنول نازی

صبح کا ستارہ

میں لکھنا چاہتی ہوں پہلے اپنی اس پیاری ہستی کے نام مگر میری ہمت نہیں ہوئی تھی شاید میں اب بھی بہت مضبوط نہیں ہوں مگر مجھے وہ آواز سنائی دی، میری سماعتوں میں گونجتے وہ تمام لفظ اور مجھے لگا، اپنے صرف کمزوری نہیں ہوتے ہماری طاقت بھی ہوتے ہیں۔ فرحت آپا میری مضبوط طاقت تھیں۔ اب یاد آیا وہ میری بہت اپنی تھیں۔ وہ اپنا پن...... وہ پیار...... وہ نصیحتیں...... وہ پیار بھری ڈانٹ! اس سب کا کوئی بدل نہیں۔

مجھے گمان نہیں تھا وہ سفر تمام ہوگا۔

کبھی اس بارے میں نہیں سوچا تھا کہ وہ ساتھ نہیں رہیں گی اور میں ان کی آواز دوبارہ نہیں سن سکوں گی۔ مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا اور اگر اندازہ ہوتا تو کیا میں اس آواز کو بچھڑنے دیتی؟

کاش میرے پاس اپنوں کو اپنے ساتھ باندھ رکھنے کا کوئی کلیہ ہوتا۔

میں کھونے سے بہت ڈرتی ہوں۔ میں کھونا نہیں چاہتی۔ میں فرحت آپا کو کھونے کے بارے میں کبھی سوچ نہیں سکی۔

میں سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ مگر مجھے کلیہ نہیں آیا۔ مجھے فرحت آپا نے بتایا کہ اپنے ہمیشہ ساتھ رہتے ہیں اور اب فرحت آپا کی وہ ساری باتیں میرے ساتھ نہیں۔ مگر میری سماعتوں میں محفوظ ہیں۔ اب میں چاہے صبح سو کر اٹھوں تو وہ آواز پھر بھی سنائی نہ دے، نہ میرا سیل بجے، نہ وہ مخصوص نمبر دکھائی دے، وہ پیار بھری آواز، وہ محبت، وہ حلاوت۔ شاید پھر کبھی میری سماعتوں میں نہ پڑے اور یہ سچ ہے۔ میرا دل ایک لمحے کو جیسے مٹھی میں آجاتا ہے جب یاد کرتی ہوں کہ فرحت آپا اب کہیں نہیں ہیں۔ میں مانتی ہوں مجھے شاید اوّل اوّل میں اتنا خوب لکھنا نہیں آتا تھا اور فرحت آپا نے مجھے ہی نہیں جانے کتنے نام ور رائٹرز کو پالش کیا، پتھر سے ہیرا بنایا۔ میرے پاس وہ پہلا خط محفوظ ہے، جب انہوں نے قیاس کیا تھا کہ میں کوئی عمر رسیدہ ہوں، پہلی تحریر کو انہوں نے کسی ''کہنہ مشق'' مصنفہ کا شاہکار قرار دیا تھا اور وہ بہت پیار سے کہتی تھیں۔

''عشنا! تم بہت نام ور رائٹرز میں شمار ہوگی!'' اکثر مجھ سے لکھنے کو کہتی تھیں مگر میں چونکہ پڑھ رہی تھی سو وقت نکالنا مشکل ہوتا تھا مگر ان کی محبت سے کہی گئی بات ٹالنے کی ہمت نہیں تھی مجھ میں، سو ہمیشہ وقت نکال کر لکھنے کی کوشش کرتی تھی۔

آنچل میرے گھر جیسا ہے، رشتہ پُرانا ہے اور مضبوط بھی اور فرحت آپا سے وہ رشتہ اور بھی گہرا ہے۔ آج میں جو بھی ہوں آنچل کے باعث ہوں۔ میری مقبولیت، میری کامیابیاں...... سب آنچل کے باعث ہیں اور آنچل کی سب سے پیاری ہستی فرحت آراء! مجھے پہلی ناول لکھنے کی پیش کش، جب میں شاید اس قابل نہیں تھی مگر فرحت آپا کو میری صلاحیتوں پر یقین تھا تبھی میں ''اے شمع کوئے جاناں'' جیسا کامیاب ناول لکھ پائی۔ یہ ناول ریکارڈ کامیاب ہوا اور اس کا سہرا میں فرحت آپا کو دیتی ہوں، ان کی سپورٹ کے بنا یہ ممکن نہیں تھا۔

عشنا شاید ایک غیر مقبول نام رہتا اگر آنچل کی اور فرحت آپا کی سپورٹ نہ ملتی۔ عشنا کوثر سردار کو جاننے والے آج شاید بہت ہیں مگر میری پہچان کا باعث یہ ادارہ ہے اور وہ ایک ہستی ہے، جو اب میرے ساتھ نہیں مگر وہ میری مضبوطی بنی اب بھی کہیں میرے ساتھ کھڑی ہیں۔

ان کی آواز میری سماعتوں میں اب بھی گونجتی ہے۔ وہ پیاری سی ہنسی، وہ نرمی، وہ حلاوت...... میری زندگی کا حصہ ہے اور اسے میں کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔

وہ میری ایک اچھی یاد بن کر میری یادوں میں ساری عمر محفوظ رہیں گی۔ خدا انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔

وہ صبح کا بے نوا ستارہ، وہ ہم نفس ہم سفر ہمارا
سدا رہے اس کا نام پیارا، سنا ہے کل رات مر گیا وہ

فرحت آپا! آپ بہت یاد آؤ گی!
دعاؤں کی طالب

عشنا کوثر سردار

تجھے اے زندگی! لائوں کہاں سے

مرحومہ پیاری فرحت آراء آپی کے نام

فرحت آراء آپی اتنی پیاری، اتنی مہربان اور پُرخلوص محبت سے بھرپور ہستی ہیں، جن کے لیے الفاظ کو سو رنگ میں ڈھالوں تو بھی کم ہیں ان کی مہر و وفا اور محبت کو بیان کرنے کے لیے ان گنت الفاظ کا یہ ذخیرہ بھی کم ہے۔ فرحت آراء آپی ایک ہردلعزیز ہستی ہیں جن کا لاکھوں قارئین سے تعلق جڑا تھا۔ وہ آنچل کی مدیرہ تھیں مگر ہر قاری بہن کے لیے وہ ایک اہم حیثیت رکھتی تھیں۔ کسی کی آپی تھیں تو کسی کی آنٹی! ہر قاری نے ان کو ایک منفرد نام و لقب دے رکھا تھا۔ بہرحال آنچل کی مدیرہ کی

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

حیثیت سے ان کا ہم سے جو تعلق تھا وہ سب سے جدا تھا۔ ناول کا انجام بخیر و عافیت سرانجام دینا یہ ان کے لفظوں کا ہی تو اعجاز تھا۔

مت سہل اسے جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

فرحت آراء آپی! صرف طبیعت و مزاج میں ہی بے مثل و یکتانہ تھیں بلکہ وہ ایک ایسا تابناک ستارہ تھیں کہ جس کی روشنی سے قارئین کے دل روشن و منور تھے۔ ان سے جب بھی بات کرنے کا موقع ملا ہر بار ہی دل کو اک عجب سی خوشی حاصل ہوئی۔ مجھے وہ دن اب بھی یاد ہیں وہ بھی دسمبر کے کہر بھرے دن تھے، میں اسکول میں تھی اپنی کلاس کو پڑھا رہی تھی۔ اس دن میں نے پہلی بار فرحت آپی سے آواز کا تعلق جوڑا تھا ورنہ اس سے پہلے تو صرف خطوط کے ذریعے ہی رابطہ رہا تھا۔ اتنی محبت، اتنی شفقت اور اس قدر اچھے انداز میں بات چیت کا سلسلہ رہا کہ میں اب بھی ان لمحوں کو فراموش نہیں کرسکتی۔ کئی دن تک ان سے بات کرنے کی سرشاری ذہن و دل پر طاری رہی اور میں ایک خوش گوار سی فضا میں کئی دن تک جیتی رہی۔ اس پہلی فون کال کو میں عمر بھر نہیں بھول پاؤں گی۔

تذکرہ مدیرۂ آنچل کا ہونا صرف فرحت آراء آپی کا ہو یا پھر کسی بھی رشتہ سے پکارے جانے والی ہستی فرحت آپی کا تو وہ ہر رنگ ہر پہر میں نیرنگ خیال تھیں۔ ان کی عادات و خصائل کا تذکرہ ہو یا پھر اخلاقی اقدار کی پاسداری کا مجھے لگتا کہ وہ ہر فن مولا ہیں، ہر خوبی میں یکتا و بے مثال...... قارئین کے خطوط کا جواب دیتے ان کی گفتار میں مہارت، سادہ اسلوب نگارش کی پیروی اور مدیرہ کی حقیقت سے اپنے فرائض کی بجا آوری کے امور غرض ہر طرح سے وہ بے مثال تھیں۔ مجھے بھی اندازہ نہ تھا کہ فرحت آپی کا ابنِ صفی سے اتنا گہرا تعلق ہے۔ میں نے بہت کم عمری میں ابنِ صفی کو پڑھنا شروع کیا تھا اور ابنِ صفی جیسے لوگوں کی قربت و صحبت حاصل ہو تو یقیناً فرحت آراء آپی جیسے روشن و تابناک ستارے ہی دنیا کو روشن و منور کرتے ہیں۔

جگنو کی روشنی ہے کاشانۂ چمن میں
یا شمع جل رہی ہے پھولوں کی انجمن میں

فرحت آپی کو یاد کرنے کے اتنے بہانے ہیں کہ ان کے کس کس رنگ اور کس کس انداز کو موضوع سخن بناؤں؟ وہ تو سراپا مہر و محبت و وفا تھیں۔ ان کی ذاتی زندگی کے بارے میں نہیں جانتی مگر ہمارا اور ان کا تعلق ایک رائٹر اور مدیرہ کا تھا، وہیں دوست بھی تھیں وہ بڑی بہن بھی تھیں۔ مدیرہ کے تعلق میں ہمیشہ دوستانہ فضا حائل رہی۔ خلوص بھی تھا اس فضا میں اور محبت بھی تھی۔ جہاں تنقیدی و اصلاحی ماحول آتا تو وہ مقدور بھر راہنمائی بھی کرتی تھیں۔ میں اس لحاظ سے بھی خود کو بہت خوش نصیب سمجھتی ہوں کہ میری پہلی تحریر آنچل میں نا صرف منتخب ہوئی بلکہ آئندہ بھی جو بھی لکھ کر بھیجا بغیر کاٹ چھانٹ کے جوں کا توں چھپا۔ آپی کے ساتھ جہاں لاکھوں لوگوں کا تعلق استوار تھا مگر انفرادیت کی بات کی جائے تو میرے لیے وہ سبھی کچھ تھیں۔ دوست، آپی اور راہنما۔ ان کی وفات کے بعد کے کئی ماہ میں ان کی کمی ایسی رہی کہ بعض اوقات لگا کہ اب شاید ان کی طرح مجھے کوئی تسلی نہ دینے والا ہو۔ مجھے ہمیشہ لکھنے پر آمادہ رکھنے والی کوئی ذات نہ ہو مگر قارئین کی بے پناہ محبتوں اور پُرخلوص تبصروں نے پھر سے ٹوٹا عزم بحال کیا۔

آج آپی ہم میں نہیں ہیں ان کو گزرے ایک سال کا عرصہ ہونے کو ہے۔ مزید ماہ و سال گزرتے جائیں گے۔ مجھے ان سے ذاتی طور پر ملاقات کا شرف حاصل نہ ہوا مگر ان سے نہ مل کر بھی کبھی محسوس نہ ہوا کہ ان سے نہیں ملی۔ اب جب کہ وہ ہم سے دور ہیں کچھ عرصہ شدت سے ان کی کمی بھی محسوس ہوئی مگر وہ نہ ہو کر بھی ہر لمحہ ہمارے ساتھ ساتھ ہیں، ہمارے درمیان ہیں۔ حیثیت و مقام بدلا ہے مگر قیصر آراء ان کا پرتو ہیں۔ آنچل بھی اسی طرح چل رہا ہے۔ قارئین بھی ہیں مگر ان کی یادیں ہیں۔ ان کے بے شمار باتیں ہیں، وہ خود نہ ہو کر ہمارے درمیان ہیں۔ اللہ ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین اور آنچل کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا کرے، آمین۔

آسمان تیری لحد پر شبنم آفشانی کرے
یہ سبزۂ نو بستہ اس گھر کی پاسبانی کرے

سمیرا شریف طور

آسماں تیری لحد پہ......!

آہ......! اک سال گزر گیا...... فرحت آپا کی پہلی برسی اور...... اس موقع پر بھی میرا قلم میرا ساتھ نہیں دے رہا ہے۔ میرے گمان کو یقین نہیں مل پا رہا ہے کہ ایک سال...... پورا ایک سال اس عزیز ہستی کو مجھ سے بچھڑے ہو گیا ہے۔ لفظوں سے میری بڑی شناسائی ہے کبھی کوئی جملہ، کوئی لفظ لکھنے میں مجھے کبھی دقت نہیں ہوتی مگر...... ان پیاروں کے بارے میں جو ہم سے بچھڑ گئے ہوں، کچھ لکھنا گویا خود مرنے کے مترادف ہے۔

کیوں کہوں...... کیا لکھوں...... احساسات کی طرح قلم بھی منجمد ہے۔

ابھی تو ہجر کاٹا ہے
ابھی مجھ کو سنبھلنے دو
جدائی کی اذیت پر
کوئی تو شعر لکھنے دو
کسی کی یاد کی مجلس
سے باہر تو نکلنے دو
ذرا یہ روگ پلنے دو
جلائی تھیں کبھی ہم نے
جو شمعیں ان کو بجھنے دو
مجھے تھوڑا سا جلنے دو

جو دل کے زخم ادھڑے ہیں
ذرا سا ان کو سلنے دو......!!

یہ الفاظ کسی شاعر کے ہیں مگر میرے دل کی آواز ان میں گونج رہی ہے' جدا سب کو ہونا ہے مگر "جدائی" میرے لیے سب سے بڑا المیہ ہے۔ بہت دعائیں ہیں ان کے لیے۔ اللہ ان کے درجات بلند کرے' ان کے اہل وعیال اور آنچل کے اسٹاف کو صبر جمیل عطا کرے (آمین)

اقراء صغیر احمد

پیار نبھانے والے

نامہ بر اپنا ہواؤں کو بنانے والے
اب نہ آئیں گے پلٹ کر کبھی جانے والے
درو دیوار پہ حسرت سی برستی ہے قتیل
جانے کس دیس گئے پیار نبھانے والے

"فرحت آپی اب اس دنیا میں نہیں" یہ کرب ناک خبر جب نگاہوں کے سامنے سے گزری تو نہ بصارت کو یقین آیا' نہ دل اس سفاک حقیقت کو قبول کرنے کے لیے تیار ہوا لیکن یہی حقیقت ہے کہ دنیا فانی ہے۔ ہر شخص نے اس اسٹیج پر اپنا اپنا کردار ادا کرکے چلے جانا ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ پیار کے خزانے لٹانے والوں کو قدرت جلد اپنی گرفت میں لے لیتی ہے اور پیچھے رہ جانے والے تہی داماں رہ جاتے ہیں۔ کسی گلی' کسی کوچے' کسی شہر' کسی ملک میں ڈھونڈنے سے بھی ایسی شخصیات نہیں ملتیں جو پتھروں میں پھول کھلاسکیں اور بیاباں میں زرخیزی دریافت کریں۔ بات صرف ہوتی ہے محبت اور چاہت کی......!

اس نفسانفسی کے دور میں تخلیق کار بہت نایاب ہوچکے ہیں۔ فن یہ نہیں کہ اپنے خیالات کو الفاظ کا پیراہن پہنا کر صفحۂ قرطاس پر موتی کی طرح بکھیر دیں اور داد پالیں' تخلیق کی یہ بھی ایک قسم ہے کہ گدڑی میں لعل ڈھونڈیں' کسی بے مایا کو تخلیق کار ہونے کا تاج پہنائیں یا کسی ذرّے کو گوہر نایاب بنائیں۔ اپنے ہاتھ کی مشعل کسی اور کو تھمائیں۔

بہت کٹھن کام ہے پتھر کو تراش کر ہیرے کا روپ دینا!

بے شک فرحت آپی وہ فنکارہ تھیں جن کی حوصلہ افزائی اور چاہت نے مجھے تراشا' جنہوں نے اپنے خلوص اور ہمت افزائی سے بہت سے تخلیق کار پیدا کیے۔ میرا اور ان کا صرف قلمی رشتہ تھا لیکن ایسا رشتہ جو احساسات اور جذبات کے تانے بانے پر مشتمل تھا۔ شاید وہ میرے خیالات کو پڑھ لینے کا گن جانتی تھیں اس لیے شادی کے بعد میری بے پایاں مصروفیات کا انہیں علم ہوچکا تھا لیکن پھر بھی اپنے آخری خط میں جو میرے نام تھا ایک پیارا ابھرا اصرار!

"سال میں جلد از جلد نہ سہی چھ تحریریں تو بھیجو گی؟" اسی جملے میں اس قدر محبت چھپی ہوئی تھی کہ میں نے پھر سے قلم اٹھالیا' میرے لفظوں کو پھر سے زرخیزی ملنے لگی۔

یہ سہرا فرحت آپی کے ہی سر جاتا ہے کہ میرا تعارف رائٹر کی حیثیت سے ہوا۔ یہ اعزاز میرے لیے کسی سرمائے سے کم نہیں' انہوں نے نا صرف مجھ میں "تخلیق" کو دریافت کیا بلکہ اس کارِ ہنر میں میرا ہاتھ تھام کر متعارف بھی کرایا' میرا ان کا یہ قلمی رشتہ آج کا نہیں بہت پرانا تھا۔ انہیں فراموش کرنا بہت مشکل ہے جنہوں نے انگلی پکڑ کر دنیائے ادب میں مجھے چلنا سکھایا' ان کی محبتیں میرے دل میں تناور شجر کی طرح لہلہا رہی ہیں۔ میرے اندر نئی سوچ کی آبیاری کرنے والی اس ہستی کو میں کیا جزا دوں گی سوائے دعاؤں کے' اللہ ان کی مغفرت کرے۔ انہیں جنت میں اونچا مقام دے۔ بے شک ان کی کمی ایک عظیم دکھ ہے' ایک بے پایاں نقصان ہے لیکن محبت سے گندھے ان کے لفظ زندہ رہیں گے کیونکہ محبت مر نہیں سکتی۔ جتنے پھول محبتوں اور چاہتوں کے انہوں نے بانٹے ہیں' وہ سارے مشکبو پھول دعاؤں کے گلدستے کی صورت میں ان کی تُربت پر نچھاور کرتی ہوں کہ اللہ ان کے درجات بلند کرے' جنت میں ان کا مسکن ہو۔

طلعت نظامی

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے

ابھی تو یہ یقین نہیں آیا تھا کہ ہماری پیاری سی بجیا اس دنیا سے جاچکی ہیں کہ زمانے کی برق رفتار چال نے یہ اطلاع بھی دے دی کہ سال گزر گیا۔ میرے کانوں میں بجیا کے انتقال سے پہلے کے میٹھے میٹھے جملے آج بھی تروتازہ ہیں۔

"راحت! تمہارا آنچل سے پہلا رشتہ ہے' ناول تو چل رہا ہے' اس کے علاوہ بھی لکھتی رہا کرو' بہت بہت عرصے غائب ہوجاتی ہو۔ شکریہ! میرے کہنے پر تم نے ناول لکھا۔ بس دعاؤں میں یاد رکھا کرو' اللہ تمہیں اپنی حفاظت میں رکھے' آمین۔"

اور یہ ٹیلی فونک گفتگو ان سے بدقسمتی سے آخری گفتگو ثابت ہوئی۔ جو لفظ بہ لفظ یاد ہے اور میں سمجھتی ہوں کہ ہمیشہ یاد رہے گی۔ میں نے بجیا کو دیکھا نہیں' محسوس کیا' ان کی نرم میٹھی سی زبان سے جو ہیولا میرے ذہن میں بنا رہا' وہ مہربان' شفیق' نازک طبع سی ہستی کا ہے' جب بات ہوتی' مٹھاس کی برسات ہوتی۔ بجیا نے جب آنچل کی ذمہ داری اٹھائی' میں نے لکھنا شروع کیا تھا۔ ان کی حوصلہ افزائی' راہنمائی قدم بہ قدم میرے ساتھ رہی۔ پہلا ناول "گڑیا" لکھنے کی جسارت بھی میں نے بجیا کے کہنے پر کی تھی۔ آنچل میں کتنے افسانے چھپے' یاد بھی نہیں ہیں مگر ہر افسانے کے بعد بجیا کے تعریفی کلمات جو مجھے ملے وہ آج بھی یاد ہیں۔ ان سے محبت اور اپنائیت کا رشتہ رہا جو بالکل پیشہ ورانہ نہیں تھا' ان کا پیغام محبت ہوتا تھا جو سماعتوں کے ذریعے روح میں سرایت کرجاتا تھا۔

ناول "جانِ جاں تُو جو کہے" ان کی زندگی میں شروع ہوا لیکن بعد از مرگ مکمل ہوا۔ ایک مقام وہ بھی آیا کہ میری دل گرفتگی نے میری ہمت سلب کردی کہ اب یہ ناول کیسے لکھوں؟ کس کے لیے لکھوں؟ پھر بجیا کی ہی فرمائش یاد آئی تو قلم سنبھالا۔ بجیا کے لیے دعائے مغفرت کے علاوہ ہم اور کیا کرسکتے ہیں' تاہم ناول "جانِ جاں تُو جو کہے" جو کتابی شکل کے آخری مراحل میں ہے' اپنی پیاری

بجیا کے نام کر دیا ہے۔ یہ پیاری بجیا کو خراجِ تحسین ہے میری جانب سے۔ اللہ بزرگ و برتر ان کی لحد پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے‘ آمین۔ انسان چلا جاتا ہے اس کی یادیں رہ جاتی ہیں۔ میرے پاس بھی بجیا کی یادیں بصورت خطوط اور گفتگو محفوظ ہیں۔ میں بجیا کی خواہش کا احترام ہمیشہ کرتی رہوں گی۔ وہ جو ”آنچل“ ہمارے لیے چھوڑ گئی ہیں اس ”آنچل“ کے لیے میں اپنی خدمات پیش کرتی رہوں گی۔ دعا ہے کہ بجیا کا آنچل ترقی و کامیابی کی منازل طے کرتا رہے۔

راحت وفا

جیسے جگنو ہوا میں کھو جائے

ہاں دوستو! ساتھیو ابھی کل کی بات لگتی ہے ہم فرحت آپی سے فون پر ہم کلام تھے۔ نیا نیا قلم سے رشتہ جڑا تھا۔ سوچا آنچل میں بھی طبع آزمائی کر لیں۔

”ہیلو فرحت آپی!“

”ہاں! السلام علیکم!“

”میں عالیہ حرا بول رہی ہوں‘ دراصل میں نے کچھ لکھا ہے تو اشاعت کے لیے بھیجنا چاہتی ہوں۔“

”ارے عالیہ حرا! انتظار کیسا‘ پوچھا کیوں‘ بھیجو نا جلدی سے‘ تم نے تو دیر کر دی۔“ میرے اندر فطری سی جھجک تھی مگر ان کی پزیرائی کا انداز‘ پیار بھرا دوستانہ لہجہ‘ لہجے کی مٹھاس نے مجھے بہت متاثر کیا۔ نئے لکھنے والوں کے لیے مدیروں کے توصیفی لفظ کیسا تریاق کا کام کرتے ہیں‘ کوئی نئے لکھنے والوں سے پوچھے اور قلم کا اظہار‘ قلم قبیلے سے تعلق رکھنے والے جانتے ہیں۔

میری پہلی تحریر آنچل کے لیے جوں ہی توں شائع ہو گئی پھر میرا ان سے رابطہ ہمیشہ فون پر رہا۔ بہت محبت اور لگاوٹ سے وہ بات کرتی تھیں۔ اک محبت اک خیال ان کے لہجے کا حصہ تھا۔ صرف مجھے ہی نہیں ہر لکھنے والوں کو اس بات کا احساس تھا۔

”ہم اچھی تحریروں کے منتظر رہتے ہیں عالیہ! اور اچھی تحریر کبھی ضائع نہیں ہوتی۔“

ان کی پزیرائی میرا ڈھیروں خون بڑھاتی تھی۔ ان کے انتقال کی خبر نے ہر کسی کو اشک بار کیا۔ ان کی یاد آنچل سے وابستہ ہر صاحب تحریر کے دل میں ہے

یوں تیری یاد دل میں اتری ہے
جیسے جگنو ہوا میں کھو جائے

مجھے اس خبر نے اور دکھی کیا کہ فرحت آپی کو ہم سے بچھڑے ایک سال ہو گیا ہے‘ وقت کتنی جلدی بیت جاتا ہے۔ ان کے لہجے کی مٹھاس تو ابھی میرے دل میں ہے‘ میری ڈائری میں پہلا نمبر انہی کا ہے۔ ان کا نام میرے دل میں ان کی یاد بن گیا ہے۔ انہوں نے ان گنت نام پڑھنے والوں کو دیئے‘ ہر بہتر لکھنے والے کی تحریر کو قابل اشاعت بنایا‘ اگر شامل اشاعت نہیں ہے تو اس کو گائیڈ کیا۔ ”اسی تحریر کو اس طرح سے لکھو“ لکھنے کے لیے مطالعہ شرط ہے‘ خیال کو لفظوں کی گرفت میں رکھو۔ بے غرض‘ بے لوث ہو کر ادب کی خدمت کرتی رہیں۔

ان کی یاد آنکھوں میں آنسو بھر دیتی ہے کہ اب آئندہ کبھی میری سماعتیں ان کی آواز نہیں سن سکیں گی‘ وہ ناصح لہجہ اب ہمارے درمیان نہیں ہے۔

مگر......!

فرحت آپی! آپ آج بھی ہمارے دل میں آباد ہیں‘ آنچل کے ساتھ ساتھ آپ سے جڑا قلبی تعلق آج بھی برقرار ہے۔ آج بھی مجھے آپ کو سوچ کر اچھا لگتا ہے۔

عالیہ حرا

”کیا ہے یہ زندگی“

کیا ہے یہ زندگی؟...... زندگی اللہ رب العزت کی نعمت‘ اللہ کی عطا اور اللہ کی امانت ہے اور جب وہ خالق و مالک چاہتا ہے اپنی امانت واپس لے لیتا ہے۔ موت کے سامنے انسان کلی طور پر بے بس‘ بے اختیار اور مجبور ہے۔ کتنا ہی طاقت ور کیوں نہ ہو‘ کتنا ہی صاحب اختیار و مرتبہ کیوں نہ ہو‘ زندگی کو اپنے اشاروں پر کیوں نہ نچا تا رہا ہو‘ کتنا ہی بڑا لیڈر‘ بادشاہ کیوں نہ ہو‘ جب خالق و مالک کا حکم آ جاتا ہے امانت لوٹانے کا تو سب چپ چاپ بے بس و بے اختیار ہو کر خاموشی سے امانت لوٹانے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ انسان بے بس ہے لیکن انسان کے یہ اختیار میں ضرور ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اس عنایت کو اس قیمتی اثاثے اور اس بہترین نعمت کو کس طرح جیتے ہیں۔ اپنے اچھے کردار و عمل سے اسے بہترین روشن اور اچھائی کا تاج پہناتے ہیں یا اپنے غلط کردار و عمل سے اس نعمت کو برباد کر دیتے ہیں۔ یہ نفع یا نقصان انسان کا ذاتی ہے اپنے کردار و عمل کا اس کو خود جواب دینا ہے ......لیکن؟ زندگی ایسے لوگوں سے بے حد خوش ہوتی ہے جو اس کو بہترین انداز میں گزارتے ہیں ایسے کہ اپنے وابستہ لوگوں کو خوش رکھتے ہیں اپنے کردار سے عمل سے اور اخلاق سے اور کسی کی دل آزاری کو گناہ سمجھتے ہیں اور پیاری فرحت آرا بھی ایسے ہی اچھے مخلص اور بہترین لوگوں میں شمار ہوتی تھیں۔ بہت دکھ اور تکلیف ہو رہی ہے فرحت آراء جیسی ہمہ جہت‘ خوش اخلاق اور اچھی سی شخصیت کے لیے لفظ ”تھی“ استعمال کرتے ہوئے۔ ماہنامہ آنچل کا شمار ملک کے بہترین اور معیاری پرچہ جات میں ہوتا ہے‘ مگر کم نصیبی کہیے کہ تحریر کے حوالے سے میرا آنچل سے زیادہ تعلق نہیں رہا...... لیکن جتنا رہا اس میں فرحت آرا سے بات رہی۔ ان کی موجودگی میں آنچل میں میرا ناول ”دشت دل“ قسط وار چل رہا تھا اور اسی سلسلے میں میری ان سے مشاورت رہی۔ ناول پر خوب بات کیا کرتیں۔ کیا اچھا لگا کیا برا لگا‘ کیا ہونا چاہیے‘ کس موڑ پر قارئین کو تبدیلی چاہیے۔ ان سب باتوں کے دوران وہ میری مدد کیا کرتیں پیار سے خلوص سے سمجھایا کرتیں۔ اسی دوران مجھے اندازہ ہوا وہ کتنی پیاری خاتون ہیں۔ ایک اچھی ایڈیٹر کی طرح وہ تعریف اور تنقید کیا کرتیں۔ ان کی شخصیت کی بہت پیاری پیاری یادیں ہیں جو آج اتنے عرصے کے بعد پھر نظروں میں گھوم رہی ہیں۔ وہ ہمیشہ یادوں میں اور تذکروں میں رہیں گی۔ بارہا دل چاہا کہ ان سے بات کروں ملاقات کروں مگر زندگی اور زندگی کی

مصروفیات...... کہ ایسا ممکن ہی نہ ہوا۔ آج ان کی برسی پر دل اداس ہے مگر بہر حال موت کا ذائقہ تو ہر ذی روح کو چکھنا ہے آج یہ لوگ گئے ہیں کل ہماری باری ہے۔ بس اللہ تعالیٰ سے التجا ہے کہ ہم سب کو بخش دے معاف فرمادے اور ہمیں اپنی پسند کے اعمال کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔ اللہ تعالیٰ فرحت آرا کے درجات بلند فرمائے آمین۔

رخ چوہدری

یہ جانے والے!

محترمہ فرحت آپی (اللہ تبارک وتعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے)۔ بہت اچھی مدیرہ تھیں' انہوں نے بہت سی نو آموز لکھاریوں کو نام ور رائٹرز بنانے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ مجھ سمیت کتنی ہی رائٹرز ہیں جنہوں نے آنچل سے اپنے تحریری سفر کا آغاز کیا اور مرحومہ فرحت آپی کی حوصلہ افزائی اور راہنمائی کی بدولت آج کامیابیوں کے سفر پر گامزن ہیں۔ اپنے اس نام و مقام اور اپنی ذات کی اس شناخت کے لیے ہم تازیست اس مشفق ہستی کو بھلا نہیں پائیں گے اور وہ ہمیشہ ہماری دعاؤں میں رہیں گی۔ آج وہ نہیں ہیں تو لگتا ہے کہ جیسے سب کچھ میسر ہو لیکن پھر بھی...... کسی کمی کا احساس دل کو بے کل کردے' یوں جیسے ہر سُو خوشیاں ہوں لیکن پھر بھی کوئی ملال پلکیں نم کردے گو کہ ان سے وابستہ بہت سی یادیں ہیں لیکن کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو دنوں' ہفتوں اور مہینوں نہیں سالوں تک ہماری یادداشت میں محفوظ رہتی ہیں۔ یہ بھی ایک ایسی ہی بات ہے جو مجھے آج بھی یوں یاد ہے جیسے ابھی کل کی بات ہو۔ میرا دوسرا ناولٹ تھا جو میں نے بھجوایا اور دن گننے شروع کردیئے کہ کب آنچل آئے گا۔ کم عمر تھی' پہلا افسانہ اسی ماہ لگ گیا تھا تو اب بھی امید نہیں بلکہ یقین تھا کہ ڈائجسٹ آئے گا تو میرا ناولٹ بھی شامل ہوگا۔ ڈائجسٹ آیا لیکن نہ ناولٹ' نہ خط کا جواب...... بس فوراً اپنے انتظار کی کتھا سناتے ہوئے شکوے شکایات سے بھرپور خط لکھ ڈالا اور جواب میں ان کی محبت وشفقت لیے خط ملا جس نے دل موہ لیا۔ انہوں نے یہ نہیں جتایا کہ پندرہ تاریخ کو ناولٹ بھجوا کر انتظار میں دن گن رہی ہوں' تو یہ میری بے وقوفی ہے بلکہ محبت سے اگلے ماہ ناولٹ کی اشاعت کی نوید سناتے ہوئے میری تحریر کی تعریف کی اور پھر بڑی بردباری سے سمجھایا کہ طویل تحریر کو اسی ماہ لگانا ممکن نہیں ہوتا۔ اس لیے اگر ناولٹ یا مکمل ناول لگنے میں دو تین ماہ لگ جایا کریں تو آپ بجائے دل چھوٹا کرنے کے فوراً اگلی تحریر بھجوانے کی تیاری کریں۔ کسی ڈائجسٹ کی مدیرہ کی جانب سے یہ پہلا خط تھا جو میں نے بطور رائٹر وصول کیا۔ آج بھی وہ لمحے یاد آرہے ہیں تو اپنی مسرت و سرشاری بھی یاد آگئی ہے اور لبوں پر ان کے درجات کی بلندی کے لیے دعائیں مچل اٹھی ہیں۔

یہ دنیا ایک مسافر خانہ ہے اور ہم سب یہاں مسافر ہیں

ہر ایک کو باری باری اپنی منزل کی جانب کوچ کرنا ہے۔ کامیاب اور خوش نصیب ہے وہ انسان جو یہاں رہے تو اس سفر کے سب ہم سفر اس سے خوش ہوں اور چلا جائے تو اس کے لیے دعاگو رہیں۔ فرحت آپا ان ہی لوگوں میں سے تھیں۔

رنج کتنا بھی کریں ان کا زمانے والے
جانے والے تو نہیں لوٹ کے آنے والے
کتنی بے کیف سی رہ جاتی ہے دل کی بستی
کتنے چپ چاپ چلے جاتے ہیں جانے والے

عائشہ خان

یاد کی دستک

دسمبر کا مہینہ شروع ہوچکا ہے۔ نجانے اس مہینے میں ایسی کیا بات ہے کہ ہر برس یہ مہینہ جاتے جاتے درد' دکھ اور جدائی دے کر جاتا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے دسمبر کے ساتھ بھی کوئی بڑا حادثہ ہوا ہے' اسے بھی کوئی گہری چوٹ لگی ہے جو یہ ہم سے اس کا بدلہ لے رہا ہے۔

"دسمبر!"

ہم نے غور کیا تو کچھ یہ نتیجہ نکلا۔

"درد' سسکیاں' رنج' بے بسی!"

ہے یہ دسمبر!

وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا اور ایک سال بیت گیا۔ ہماری پیاری مدیرہ فرحت آراء صاحبہ جنہیں ہم تو "آنی خالہ" کہا کرتے تھے۔ ہمیں ابدی جدائی کا درد دے کر چلی گئیں۔ وہ جو ہمیں بہت دعائیں دیا کرتی تھیں' آج ہم ان کی مغفرت کی دعائیں کرتے ہیں۔ ہم نے پہلے بھی کہا تھا کہ جانا تو سبھی نے ہے مگر کچھ لوگ جاکر بھی نہیں جاتے' لوگوں کے دلوں میں رہ جاتے ہیں اور یہی اصل زندگی ہے۔ فرحت آنی سے آنچل کی ہر رائٹر اور قاری نے ایک رشتہ جوڑ لیا تھا۔ کسی کے لیے وہ پھوپو جانی تھیں' کوئی انہیں خالہ جانی کہتی تو کسی کو وہ باجی' آپی' آپا اور امو محسوس ہوتی تھیں۔ یہ سب رشتے ان کے پُر خلوص اور پیار بھرے رویے نے ان کو بخشے تھے۔ یہ محبتیں ان کی زندگی بھر کی کمائی ہیں اور یہ ان کی محبت ہی ہے کہ میری شادی میں صرف چار دن باقی ہیں تو میں ان کو یاد کررہی ہوں۔ بے انتہا مصروفیت میں ان کی محبت کے لیے میں نے وقت نکال ہی لیا ہے۔ بظاہر وہ ہم میں نہیں رہیں مگر پھر بھی وہ ہم میں موجود ہیں کیونکہ مردہ جاتے ہیں جنہیں لوگ بھول جائیں' جو لوگ دلوں میں' یادوں میں اور دعاؤں میں زندہ رہیں وہ کبھی نہیں مرتے اور یہ ان کے خلوص و پیار' کردار و گفتار کا وقار و اعتبار ہی ہوتا ہے جو سدا بہار بن کر ان کے چاہنے والوں کے دلوں میں گھر کر جاتا ہے۔ فرحت آنی کی رہنمائی' ان کی دعائیں' ان کا فکرمندانہ اندازِ گفتگو جو کبھی میری خرابیٔ صحت اور غیر حاضری کے سبب ہوتا تھا' مجھے آج بھی یاد ہے۔ کتنی ہی باتیں ہیں جو ذہن کے دریچوں پر دستک دے رہی ہیں۔ ان کی آواز اب بھی سماعتوں میں اپنائیت اور محبت کا رس گھول رہی ہے اور ان شاءاللہ فرحت آنی کی یہ محبت ان کے بعد بھی ہمیں آنچل سے جوڑے رکھے گی۔ بقول فرحت آنی کے......!

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

’’آپ آنچل فیملی کا حصہ ہیں آپ کو ہم کیسے بھول سکتے ہیں، آپ کے اچھے نصیب کے لیے کامیابیوں اور خوشیوں کے لیے صحت مند زندگی کے لیے بہت سی دعائیں ہیں، ہمیشہ خوش رہیے اور لکھتی رہیے۔‘‘

مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ فرحت آنی کی یہ دعائیں میرے حق میں ضرور قبول فرمائیں گے، آمین۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرحت آنی کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے، آمین۔

سباس گل

’’ترے دم سے روشن ہیں چراغ سارے‘‘

وہ خواب ہی سہی پیش نظر تو اب بھی ہے
بچھڑنے والا شریک سفر تو اب بھی ہے

کچھ لوگ خوشبو کی مانند ہوتے ہیں۔ جن کی باتوں کی شگفتگی، جن کے نرم لہجے کی حلاوت و تاثیر خوشبو بن کر روح و ذہن کو معطر کر دیتی ہے لیکن کچھ لوگ جگنوؤں کی مانند ہوتے ہیں۔ راستہ دکھانے والے، بے سمت راہوں میں منزل تک پہنچانے کے لیے مسافر کے ہاتھ میں روشنی کی ننھی سی کرن تھما کر اجالوں کے سفر پر روانہ کر دینے والے اور یہ ننھی سی کرن روشن چراغ بن کر مسافر کو اس کی منزل تک پہنچا دیتی ہے۔ وہ لوگ اپنی ذات میں روشنی کے مینار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور راہ میں اپنی روشنی سے چراغ در چراغ روشن کرتے چلے جاتے ہیں تاکہ پیچھے آنے والوں کو راہ منزل مل سکے۔

مرحومہ فرحت آپی کی ذات بھی آنچل سے وابستہ نئے پرانے تمام لکھنے والوں اور قارئین آنچل کے لیے اسی روشنی کے مینار کی سی حیثیت رکھتی ہے۔ بلاشبہ ادارہ آنچل نے نئے لکھنے والوں کو ایک مضبوط پلیٹ فارم فراہم کیا ہے۔ جہاں وہ اپنی خفیہ صلاحیتوں کو نکھار کے کامیابیوں کے نئے در کھولتے چلے جاتے ہیں اور ایک وقت آتا ہے کہ قلم ان کی منفرد پہچان بن جاتا ہے۔ جس طرح ایک جوہری ایک عام سے قیمتی پتھر کو تراش خراش کے بعد آنکھوں کو خیرہ کرنے والی ہیرے کی تابناکی عطا کرتا ہے، ایک باغبان چھوٹا سا پودا لگا کر اسے پھلنے پھولنے کے لیے دن رات اپنی شبانہ روز محنت و لگن سے بالآخر ایک سایہ دار تناور درخت بنانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے، بالکل اسی طرح ادارہ آنچل کے پلیٹ فارم سے فرحت آپی نے اس کارواں میں شامل بے شمار نئے آنے والوں کو کامیابی کے سفر میں خوش آمدید کہہ کر اپنی فہم و فراست، مشاہدہ و تجربے کی گہرائی اور رہنمائی سے اس قابل بنا دیا کہ زینہ بہ زینہ ترقی کرتے آج وہ نو آموز لکھاری کامیاب رائٹرز کی صف میں نمایاں مقام حاصل کر رہے ہیں۔ اور اس کا سہرا فرحت آپی کو جاتا ہے۔ ان کے ہنر مند ہاتھوں سے نجانے کتنے عام و خام پتھر قیمتی نگینے اور ہیرے بن کر علم و ادب کے ایوانوں کو تابناکی عطا کر رہے ہیں۔ فرحت آپی نے جن نئے لکھنے والوں کو آنچل میں خوش آمدید کہتے ہوئے پذیرائی بخشی، ان میں ایک میں بھی شامل ہوں۔ اگرچہ ابھی طفل مکتب ہوں لیکن میری رہنمائی و حوصلہ افزائی میں آپی نے ہمیشہ مشفق استاد، پرخلوص رہبر اور بے تکلف دوستوں جیسا کردار ادا کیا۔ میری بدقسمتی کہ ان سے بالمشافہ ملاقات نہ ہو سکی مگر فون پر اکثر و بیشتر ہونے والی گفتگو کے حوالے سے ان کے ساتھ بہت اچھا اور قیمتی وقت گزرا۔ وہ ایک مشفق استاد اور محترم رہنما کا درجہ رکھتی تھیں۔ دھیمے اور دوستانہ لہجے میں تحریر کی چیدہ چیدہ خامیوں کی نشاندہی بنا ہماری کم علمی کا احساس دلائے کرتے ہوئے صحیح معنوں میں ایک بہترین رہنما کی حیثیت رکھتی تھیں۔ یوں خط جیسی آدھی ملاقات فون پر ادھوری ملاقات کی تشنگی کو کم کر دیتی تھی۔ معلوم نہیں تھا کہ زندگی مہلت نہیں دے گی اور ان سے ملاقات کی خواہش دل ہی میں دبی رہ جائے گی۔ آج ان کو ہم سے بچھڑے پورا ایک برس بیت گیا مگر آج بھی ان کے نام کے ساتھ مرحومہ کا لفظ لکھتے قلم کانپ رہا ہے۔ دل دکھ کے احساس سے بوجھل ہے مگر قدرت کے فیصلوں سے کس کو مفر ہے۔ علم و ادب اور ڈائجسٹ کی دنیا کا ایک اور روشن ستارہ موت کی بے رحم تاریکیوں میں گم ہو گیا، لیکن اپنی زندگی میں اس نے جتنے چراغ روشن کیے ہیں، ان کی تابناکی سے علم و ادب کا افق روشنیوں سے جگمگاتا رہے گا۔ قلم کاروں کا یہ کارواں یونہی رواں دواں رہے گا۔ جیسے وقت کے بہتے دریا کے ساتھ زندگی آگے بڑھتی ہے۔ اپنے پیچھے آنے والوں کے لیے یہ روشن چراغ راہ میں روشنی بکھیرتے رہیں گے۔ وہ چراغ جو فرحت آپی مرحومہ نے روشن کیے۔ اللہ تعالیٰ سے یہی دعا ہے، مرحومہ فرحت آپی کو اجر عظیم عطا کرتے ہوئے بلند درجات کے ساتھ فردوس بریں میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین)

غزالہ عزیز

’’یاد کے جگنو......‘‘

کچھ ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ جن کے بارے میں کہنے کے لیے لفظ نہیں ملتے۔ سوچیں ختم ہو جاتی ہیں جب طاہر بھائی نے مجھ سے ’’فرحت آپا‘‘ کے بارے میں کچھ لکھنے کو کہا تو میں سوچنے لگی کہ کیا لکھوں؟ کیا کہوں؟ ویسے تو فرحت آپا سے میرا بہت زیادہ واسطہ نہیں رہا لیکن جتنا بھی رہا وہ خوشگوار یاد کی صورت میں ہمیشہ میرے پاس رہے گا۔ ان کے لہجے کی نرمی اور شفقت ہمیشہ میری سماعتوں میں تازہ رہے گی۔ 2008ء میں میں نے اپنا افسانہ آنچل کے لیے بھیجا اور ذہن میں تھا کہ نہ جانے کتنے ماہ بعد وہ شائع ہو لیکن جب میں نے کچھ دن بعد ہی پہلی بار فرحت آپا سے بات کی اور اپنا تعارف کروایا تو انہوں نے اس گرمجوشی سے مجھ سے بات کی کہ جیسے میں برسوں سے انہیں جانتی ہوں اور فوراً کہا ’’نزہت! آپ کا افسانہ قابل اشاعت ہے‘‘

اتنی مصروفیت ہونے کے باوجود میں نے جب جب ان سے بات کی بہت تحمل اور شفقت سے انہوں نے مجھ سے بات کی۔ میرا ایک افسانہ لگا فوراً ہی ہمارا آنچل میں تعارف بھی لگا دیا۔ میری بیٹی کی شادی کے سلسلے میں میں نے انہیں مدعو کرنا چاہا تو نہایت پیار اور ملائمت سے کہا۔ میں تو رشتہ داروں کے ہاں بھی نہیں جاتی۔ اور ساتھ معذرت کی اور پھر انہوں نے میری بیٹی صوفیہ کو ڈھیر ساری محبت بھری دعاؤں سے نوازا۔ ان کے منہ سے نکلے ہوئے ان خوب صورت دعائیہ الفاظ کی بازگشت

آج بھی میری سماعتوں میں محفوظ ہے اور کیا لکھوں گو کہ میں ان سے کبھی نہیں ملی مگر کچھ لوگ نہیں مل کر بھی ہمیں بہت کچھ دے جاتے ہیں۔ اپنی یادوں کے نقوش اور اپنے لہجے کی مٹھاس ایک تحفے کی صورت ہمیں بخش جاتے ہیں۔ فرحت آپا بھی ایسے ہی لوگوں میں شامل ہیں۔ ان کی محبت، خلوص اور شفقت بھرے الفاظ ہمیشہ ہمارے ساتھ رہیں گے۔ ان کی یادیں، ہمارے دلوں میں ہمیشہ زندہ رہیں گی، خدا تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ وارفع مقام عطا فرمائے (آمین ثمہ آمین) اور ہم سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین!

نزہت جبین ضیاء

بچھڑا کچھ اس ادا سے ......!

روکتے ہو کس لیے اڑتے ہوئے لمحات کو
کون اب تک ان پرندوں کو مقید کرسکا

ایک سال......؟ فرحت آنی کی پہلی برسی پر میں حیرانی کے ساتھ ساتھ زیاں کے احساس میں بھی گھر گئی ہوں، اتنی جلدی سال بھی بیت گیا......! ابھی کل کی بات لگتی ہے۔ وقت کتنی جلدی بیت جاتا ہے۔ فرحت آنی جن سے میرا تعلق میرے احساس اور یادوں کا رشتہ بہت گہرا نہیں تھا۔ محض دو مرتبہ ہی تو ان سے بات ہوئی تھی۔ پہلی مرتبہ جب میں نے انہیں کال کی تو خاصی خائف تھی، مجھے اندازہ تھا کہ وہ عموماً رائٹرز سے بات نہیں کرتی ہیں۔ میں نے تو خود کو ان کی ڈانٹ کھانے کے لیے بھی تیار کیا ہوا تھا، مگر جب بات ہوئی تو ان کے پرتپاک مشفق اور پیار بھرے انداز نے مجھے اتنا متاثر بلکہ اسیر کیا کہ آج تک میں ان لمحوں کے سحر سے آزاد نہیں ہو پائی ہوں۔ میں نے ان سے پھر دوبارہ بات کرنے کی اجازت بھی چاہی جو انہوں نے اسی شفقت اور خوشدلی سے دی تھی۔ ایک مرتبہ اس کے بعد جب ان سے بات کی تو گمان تلک نہیں تھا کہ یہ آواز یہ لہجہ آخری مرتبہ میری سماعتوں میں اتر رہا ہے۔ مجھے یاد ہے ”درجواب آں“ میں میں انہیں لمبے لمبے خط لکھا کرتی تھی۔ پہلی مرتبہ میں نے انہیں اپنی تحریر بھیجی تھی ”بس اک سجن ہرجائی“ جو منتخب ہوگئی مگر طوالت کی وجہ سے وہ اسے فوری لگانے سے قاصر تھیں۔ جبھی مجھے اس دوران کچھ اور لکھنے کو کہا تھا۔ کبھی ڈانٹتیں، تو کبھی اس محبت و نرمی سے بات کرتی ہوئی آنٹی میں ماں جیسی محبت کے ہی رنگ جھلکتے تھے۔ ان کی کمی آنچل پڑھنے والوں کو ہر جگہ ہی محسوس ہوتی ہے مگر درجواب آں تو جیسے سونا ہی ہوگیا ہے۔ یہ سچ ہے کہ کچھ لوگ اپنی ذات میں انجمن ہوتے ہیں، وہ بھی ایک انجمن تھیں جو جانے کے بعد اپنے پیچھے ایک خلا چھوڑ گئی ہیں جو شاید کبھی بھرنے والا نہیں ہے۔ خدائے لم یزل سے التجا ہے کہ آنی کو جنت الفردوس میں اعلیٰ وارفع مقام عطا فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین ثمہ آمین۔

ام مریم

✻

آنچل کے ہمراہ

ادارہ

فضا نادر علی...... گجرات

۱:۔ فرحت آپا ہر ایک کے خط کا جواب ایسے دیتی تھیں (تھیں کا لفظ لکھتے وقت ہاتھ کانپ جاتا ہے)۔ جیسے ماں ہر بچے کو توجہ سے سیراب کرتی ہے۔ سو وہ بہت ہی بہترین بلکہ سب سے بہترین مدیرہ تھیں۔ جو تعریف کے لیے لفاظی کی محتاج نہیں ہیں۔

۲:۔ فرحت آنی کی کمی ہر ماہ محسوس کرتی ہوں۔ ان کے بغیر آنچل ایسے ہی ہے جیسے کہ عورت کے بغیر گھر کا سونا آنگن اور پھولوں کے بغیر اداس پیڑ۔ ان کی کمی تو کبھی پوری نہیں ہوگی۔ لیکن ہمارا آنچل اسٹاف ماشاءاللہ ان کی خواہش کے مطابق اسے دن بدن سنوار نکھار رہا ہے۔

۳:۔ ان کا محبت بھرا انداز اور مخاطب کرنے کا طریقہ جیسے جیتی رہو۔ سلامت رہو۔ خوش رہو۔ پیار دعا قبول کرو وغیرہ۔ اس طرح کے جملے دوسری قارئین کے ساتھ ساتھ ہمارا ڈھیروں خون بڑھا دیتے تھے۔

۴:۔ ان کے انتقال کی خبر آنچل کے ذریعے سے ہی ملی۔ میں اسکول میں تھی (میں پرائیویٹ اسکول میں ٹیچنگ کرتی ہوں اور ساتھ ہی بی اے بھی کررہی ہوں)۔ تو جب یہ خبر پڑھی بے اختیار آنسو آ گئے اور دل ایسے ڈوبنے لگا جیسے کہ واقعی کوئی بہت اپنا بہت پیارا اور محبوب رشتہ جدا ہوا ہو۔ میری دوست نے یہ سمجھا کہ شاید خط شامل نہ ہونے کی بناء پر اداس ہوں لیکن جب میں نے بتایا کہ ہماری بہت ہی مشفق اور مہربان ہستی جدا ہوگئی ہیں تو اس نے بھی آنچل اور فرحت آپا سے میری وابستگی دیکھتے ہوئے مجھے تسلی دلاسہ دیا۔

۵:۔ ان کے لیے ایسے جذبات سے تو دل بھرا پڑا ہے کون سا لفظ کاغذ پر اتاروں سمجھ نہیں آتا۔ بقول شاعر۔

اک روگ ہے کہ روح میں اتر گیا ہے
اک درد ہے کہ کھا گیا ہے دل کو

میں ان کو بھول نہیں سکتی۔ ان کی محبت کی چاشنی سے لبریز لفظ ہمارے لیے بہترین سرمایہ حیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آنی کو اپنے جوار رحمت اور اپنے قرب کا شرف عطا فرما کر ان کی بخشش فرمائے اور ان سے راضی اور ہو۔ آمین

مون عابد...... ہری پور ہزارہ

۱:۔ لکھتے سمے اک اذیت سے موندلی پلکیں میں نے
اک عکس تصور میں کر گیا مجھ کو حیراں
جنبش میرے قلم کی رکی تو دیکھا میں نے
جگمگاتے لفظوں سے ورق پہ لکھا تھا ”مہرباں“

۲:۔ بہت محسوس ہوتی ہے کمی اس شخص کی مجھ کو
کھولوں جب کتاب ابھر آتا ہے عکس اس کا

۳:۔ یادوں کا دریچہ جب کھولا اس سوچ میں وقت گزر گیا
ہر سو خوش بو جیسی باتیں تھیں میں اس کی کون سی بات لکھوں

۴:۔ بہت ضبط کر کے طوفانِ دل کو چھپا لیا پلکوں میں
اس خیال سے دیکھ کے آنسو میرے وہ روٹھ نہ جائے

۵:۔ اے ہَوا!
اسے یہ کہہ دینا
کہ ہر شام
ڈوبتے سورج کو دیکھ کر
کوئی تیرے لیے روتا ہے

ہما شاہ...... ہارون آباد

۱:۔ آپی فرحت کو بطور مدیرہ اگر دیکھا جائے تو ان سے زیادہ ہمدرد اور ملنسار مدیرہ ملنا مشکل ہے۔ انہوں نے بہت سی رائٹرز کو ذرے سے فلک کا تارا بنا ڈالا۔ ان کی آنکھ مٹی کے مول تلتے ہیرے جانچنے کی پرکھ رکھتی تھی اور آج آنچل میں موجود بہت سی رائٹرز ان کی وجہ سے رائٹر کہلوانے کی حق دار بنی ہیں۔ اس پلیٹ فارم نے نوآموز کو سکھایا اور ہاتھ پکڑ کر منزل کا تعین کرنے میں مدد دی۔

۲:۔ یہ سوال پڑھ کر عجیب لگا۔ ابھی تو ایسے لگتا ہے کہ وہ جانِ محفل ابھی ابھی اٹھ کے گئی ہیں اچانک واپس آجائیں گی۔ اگرچہ آنکھوں کی نمی ان کے جانے کا احساس دلاتی ہے۔ دل اب بھی اس مہرباں چھاؤں کا متلاشی ہے، مگر دماغ سمجھاتا ہے کہ وہ اس سفر پہ جا چکی ہیں جہاں سے واپسی ممکن نہیں۔ آنچل ان کے بنا ایسا آسمان ہے، جس میں تارے چمک رہے ہیں مگر چاند اپنی چھب نہیں دکھا رہا۔

۳:۔ فرحت آپا سے میری صرف ایک بار بات ہوئی تھی مگر انہوں نے جس خوب صورت اور مہربان انداز میں مجھ سے بات کی تھی وہ مجھے کبھی نہیں بھولے گا۔

۴:۔ فرحت آپا کے انتقال کا سن کے اس ذاتِ باری سے شکوہ کناں بھی نہیں ہوسکتے تھے کہ اس نے جس جس فانی وجود کو یہاں بھیجا ہے اسے اسی کی طرف پلٹنا ہے۔ مگر یک لخت تمام احساسات سن ہوگئے تھے اور میں نے اپنے جو تاثرات اگلے شمارے میں بھیجے تھے وہ میرے جذبات کی مکمل ترجمانی کرتے تھے۔

۵: کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو روشنی کا مینارہ ہوتے ہیں وہ ہمارے دل میں گھر کر جاتے ہیں۔ دل و جاں سے پیارے ہمارے اپنے ان سے دوری کا تصور ہی سوہان روح ہوتا ہے، محبت کا استعارہ بہت ہی اچھی آپا جی۔ جو لوگوں کو محبت کا درس دے گئیں۔ اپنے اخلاق سے سب کے دلوں میں گھر کر گئیں اور ایسے انمٹ نقوش چھوڑ گئیں جن سے ہمیشہ یہ گلستان مہکتا رہے گا۔ ان کی یاد کی خوش بو ہمیشہ صحنِ دل کو معطر رکھے گی اس ذات ربی سے دعا ہے کہ اس وجودِ محبت کو اپنی رحمتوں کی چھاؤں میں رکھے اس ذات کا کرم ایسے سایہ فگن ہو کہ ہر مقام اعلیٰ اس وجود کا طلب گار ہو جائے آمین۔

مقدس رباب.......چکوال

۱:۔ فرحت آنی کے ساتھ میرا بہت کم واسطہ رہا ہے لیکن پھر بھی ان کی شخصیت کو اتنا جان پائی ہوں کہ ایسے لوگ قوم کا سرمایہ ہوتے ہیں۔ بحیثیت مدیرہ فرحت آنی ایک مہربان دوست، مشفق استاد اور اپنے بچوں (آنچل قارئین) کے لیے ایک محبت بھری آغوش تھیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے آمین۔

۲:۔ فرحت آنی کے بغیر آنچل بہت سونا سونا اور اداس سا لگتا ہے۔ ایسا لگتا ہے آنچل کا ایک ایک لفظ مدیرہ آنی کے لیے بے قرار ہو۔ جیسے کہ شاعر نے کہا اور مجھے لگتا ہے کہ شعر مدیرہ جی کے لیے ہی لکھا گیا ہے۔

سونی سونی اداس ہیں گلیاں
لوٹ آؤ کہ منتظر ہے کوئی

۳:۔ مجھے اس بات کا ہمیشہ دکھ رہے گا کہ نہ میں نے فرحت آنی سے فون پر بات کی ہے اور نہ ہی کبھی ان سے مل پائی ہوں لیکن بذریعہ خط میرا ان سے رابطہ رہا اور خط کا جواب وہ اتنی محبت اور شفقت سے دیتی تھیں کہ دل خوش ہو جاتا تھا۔ اب بھی کبھی میرا دل کرتا ہے خط لکھنے کو تو بے اختیار فرحت آنی یاد آ جاتی ہیں۔ ان کا شفیق انداز یاد آ جاتا ہے۔ میں اب بھی (خیالوں میں) ان کی نرم مسکراہٹ محسوس کرتی ہوں۔

۴:۔ جب آنچل کے ذریعے فرحت آنی کے انتقال کی خبر ملی تھی تو مجھے ایسے لگتا تھا کہ میرے دل کی دھڑکن بند ہو جائے گی۔ آنچل دوبارہ چھونے کو دل نہیں مانتا تھا اور تین دن میں میری یہ حالت ہو گئی تھی کہ مجھے کوئی بات اچھی نہیں لگتی تھی۔ میرے سب جاننے والوں نے مجھے پرسہ دیا تھا۔ میرا جی چاہتا تھا میں دھاڑیں مار مار کر روؤں اور ایسا ہوا بھی تھا۔ یوں لگتا تھا میرا کوئی اپنا میرا قیمتی اثاثہ مجھ سے چھن گیا ہو۔

۵:۔ فرحت آنی ایک ایسی ہستی تھیں جو خود لفظوں کا چناؤ بہت خوب صورتی سے کرتی تھیں۔ میں ان کے بارے میں صرف اتنا کہنا چاہوں گی کہ ایسے لوگ صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ جو سب کو محبت کی ڈور میں ایسے باندھ لیتے ہیں کہ پھر اس حصار سے نکلنا مشکل ہو جاتا ہے۔

سمیرا انور.......جھنگ

۱:۔ مجھے فرحت آپا ہمیشہ ایک شفیق سی شخصیت محسوس ہوئیں۔ میں نے انہیں کبھی دیکھا نہیں تھا مگر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ میرے ہر احساس میں موجود ہیں۔ میں نے جب بھی "در جواب آں" کا صفحہ کھولا تو فرحت آپا کو کہیں ہمت بندھانے والی شخصیت کے طور پر دیکھا تو کہیں دوسروں کے دکھ درد میں شامل ہوتے دیکھا۔ وہ اتنے پیار سے ہر خط کا جواب دیتی تھیں کہ ایسا محسوس ہوتا کہ ہم کسی بہت مہربان اور اپنے بہت عزیز سے بات کر رہے ہوں۔ ایک مدیرہ کی حیثیت سے انہوں نے اپنے تمام فرائض بہ حسن و خوبی سرانجام دیے۔

۲:۔ فرحت آپا کے بغیر آنچل ایسا لگتا ہے جیسے بہار کے بعد خزاں کا موسم آتا ہے۔ آنچل بھی ہماری طرح اداس دکھائی دیتا ہے۔ اب ایسا لگتا ہے کہ کوئی ہمارے خط کا بے چینی سے انتظار نہیں کر رہا۔

۳:۔ مجھے فرحت آپا کی یہ بات بہت زیادہ یاد آتی ہے جب انہوں نے ایک خط کے جواب میں کہا تھا۔ "انسان کبھی کبھی اداسی کا بلکہ نامعلوم اداسی کا شکار ہو جاتا ہے اور وہ خود بھی سمجھ نہیں پاتا کہ وہ اداس کیوں ہے۔"

۴:۔ جب میں نے فرحت آپا کے انتقال کا سنا پہلے تو مجھے یقین نہ آیا۔ مجھے اس قدر شاک لگا کہ میں بار بار بس یہ الفاظ دہراتی رہی۔ "نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔" میں نے آنچل کو بار بار ٹٹولا کہ شاید میں نے غلط پڑھا ہے۔ مگر......!

۵:۔ فرحت آپا کو ہم سے جدا ہوئے ایک سال بھی بیت گیا؟ مگر ابھی تو وہ ہمارے درمیان تھیں۔ ان کی برسی کے موقع پر میرے دل میں بس ایک خواہش شدت سے ابھرتی کہ کاش میں اپنی فرحت آپا ایک بہت حساس طبیعت کی مالک اس پیاری شخصیت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتی جن کے لیے اتنے دلوں میں محبت اور پیار ہے۔

رشک حبیبہ.......کراچی

۱:۔ کسی بھی رسالے یا ڈائجسٹ کی کامیابی کا سہرا کلی طور پر اس رسالے یا ڈائجسٹ کے مدیر یا مدیرہ کے سر ہوتا ہے۔ گزشتہ کئی سالوں سے آنچل جس خوب صورتی کے ساتھ اپنے شائقین کی توقعات پر پورا اتر رہا ہے۔ یہ اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ خوش قسمتی سے آنچل کو ہمیشہ بہترین و باصلاحیت مدیراؤں کا ساتھ میسر آیا ہے۔ جنہوں نے اپنی فنی و فکری صلاحیتوں سے اس کی تراش خراش میں اپنا بھرپور کردار ادا کیا ہے۔ رہا سوال یہ کہ فرحت آرا آپا کو بطور مدیرہ کیسا پایا تو اس کا جواب یہ ہے کہ میں نثر نگاری کے اس کوچے میں ابھی قدرے انجان اور اجنبی تھی۔ جب فرحت آپا داغ مفارقت دے گئیں۔ اسی وجہ سے ان کو نزدیک سے جاننے کا موقع تو مجھے نہیں ملا لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے آنچل کی کامیابی و کامرانی کا تمام تر سہرا ان کے سر ہے۔ آپا جی آنچل کے لیے بہترین مدیرہ رہ چکی ہیں۔ اللہ رب العزت ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے آمین۔

۲:۔ فرحت آپا کے جانے کے بعد کچھ دنوں تک یا یوں کہہ دوں کہ کچھ مہینوں تک آنچل عجیب خالی خالی سا محسوس ہوتا تھا لیکن جب خوش خبری ملی کہ قیصرہ آپا کو مدیرہ کے عہدے پر فائز کر دیا گیا ہے اور اب آپا کی کرسی دوسری آپا نے لے لی ہے تو یقین کریں دل خوش ہوا تھا۔ یہ سچ ہے کہ فرحت آپا کی کمی پوری نہیں ہو سکتی لیکن قسمت کا دستور ہے کہ ایک ہاتھ لو ایک ہاتھ دو۔ ہم نے ایک ہاتھ سے فرحت آپا کو کھویا تو دوسرے ہاتھ سے قیصرہ آپا کو پا بھی تو لیا۔ لیکن یہاں ایک بات ضرور کہوں گی۔

"فرحت آپا! آپ یاد آتی ہو......!"

۳:۔ ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں جنہیں ہم بطور خاص یاد کرتے ہیں اور ایسے لوگ اس سے بھی کم ہوتے ہیں جو اس مصروف بھاگتی دوڑتی زندگی میں ذہن و دل کے گوشوں میں گویا نقش ہو کے رہ جاتے ہیں۔ میری زندگی میں فرحت آپا کا شمار ان چند اہم شخصیات میں ہوتا ہے۔ جنہیں مجھے یاد کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ وہ مجھے خود بخود یاد آتی ہیں۔ میں انہیں زندگی کے کسی موڑ پہ بھول نہیں پاؤں گی۔ کبھی بھی نہیں۔ جب میرا پہلا افسانہ آنچل تک پہنچا تھا میں ان سے مانوس ہوئی۔ آنچل کی گلیوں میں اس وقت میں اس انجان بچے کی مانند تھی جو اسکول تو گیا تھا لیکن یکسر انجان تھا اپنی کلاس سے اپنے نصاب سے اپنے ساتھیوں سے فرحت آپا میرا ہاتھ تھام کر مجھے میری مطلوبہ منزل پہ چھوڑ گئیں۔ مجھے یاد ہے چھبیس یا اٹھائیس دسمبر کو میں نے طاہر بھائی سے بات کی تھی انہوں نے مجھے بتایا کہ میرا افسانہ جنوری کے شمارے میں شائع ہو رہا ہے۔ میں نے اس وقت انتہائی سرخوشی کے عالم میں ارادہ کیا تھا کہ میرے ہاتھ میں آ جائے آنچل میں اپنی آنکھوں سے اپنا شائع شدہ افسانہ دیکھ لوں تو فرحت آپا سے بات کروں گی۔ ان کا شکریہ ادا کروں گی۔ اس وقت میرے وہم و گمان میں نہیں تھا کہ میرا ارادہ دھرا رہ جائے گا اور وقت کے بہاؤ میں فرحت آپا گم ہو جائیں گی۔

۴:۔ آہ! کیا یاد دلا دیا؟ پانچ جنوری کی دوپہر میں نے آنچل کے دفتر میں کال کی تھی۔ کتنے جملے ترتیب دیے تھے میں نے۔ کتنی باتیں سوچی تھیں میں نے کہ فرحت آپا سے یہ کہوں گی وہ کہوں گی۔ فون کیا تو طاہر بھائی نے کال ریسیو کی تھی۔ میں نے کہا۔ مجھے فرحت آپا سے بات کرنی ہے۔ تب سوچا بھی نہیں تھا کہ آگے سے اتنی غیر متوقع خبر سننے کو ملے گی۔ پہلے تو مجھے سمجھ ہی نہیں آئی کہ ہوا کیا ہے اور جب سمجھ آئی تو یقین کرنے پہ اختیار نہیں تھا۔ ہوتا ہے نا زندگی میں ایسا بہت کچھ جو کبھی نہیں بھولتا۔ میرا نہیں خیال یہ بات میں کبھی فراموش کر سکوں گی کہ میری کہانی شائع کرنے والی مدیرہ زندگی کو وداع کہتے کہتے بھی مجھے اس میدان میں کھڑے ہونے کی صلاحیت فراہم کر کے میری ذات پہ کتنا بڑا احسان کر گئی ہیں۔

۵:۔ ان کی برسی کے موقع پر میری جانب سے میرے دل کی ترجمانی کرتی یہ شاعری فرحت آپا کی نذر میں نے خود تحریر کی ہے بالکل ویسے جیسے میں انہیں یاد کرتی ہوں۔

تمہیں کیوں فصلِ غم بونے کی جلدی تھی؟
بچھڑ کر خاک میں سونے کی جلدی تھی
ذرا کچھ اور تم سایہ فگن رہتیں
بھلا کیا لحد کے کونے کی جلدی تھی؟
ابھی پوری طرح سے مل نہ پائے اور
تمہیں فوراً جدا ہونے کی جلدی تھی
تمہارے آبِ درشن سے حبیبہ کو
فقط فرشِ نظر دھونے کی جلدی تھی
مگر وائے ستم قسمت کہ آپا جی!
مقدر کو تمہیں کھونے کی جلدی تھی

یاسمین عندلیب.......شورکوٹ

۱:۔ فرحت آپی کو صرف مدیرہ کہا جائے تو ناانصافی ہو گی وہ صرف مدیرہ نہ تھیں ہماری پھوپھو آپی آنٹی بہن اور ماں کا درجہ رکھتی تھیں۔ الفاظ نہیں ملتے کہ کچھ کہہ سکیں کیونکہ وہ بے مثال تھیں۔

۲:۔ فرحت آپی کی کمی تو ابھی بھی محسوس ہوتی ہے پہلے لگتا تھا کہ آنچل میں یہ ادھورا پن خالی پن اب ہمیشہ رہے گا مگر جب قیصرآرا آپی کے بارے میں پتا چلا تو دل کو تھوڑا سکون ملا۔ قیصرآپی فرحت آپی کا عکس ہی تو ہیں یوں لگتا ہے جیسے ان کے وجود کا حصہ ہیں اور یہ حقیقت بھی تو ہے۔ یہ بات غلط ہے وہ ہمارے درمیان نہیں رہیں ان کی باتیں ان کی یادیں پیار و شفقت بھرا انداز آج بھی محسوس ہوتا ہے۔ وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئیں مگر ہمارے دلوں میں آج بھی زندہ ہیں اور ہمیشہ رہیں گی۔

۳:۔ فرحت آپی کی یہ بات بہت یاد آتی ہے وہ کہتی تھیں۔

"یاسمین! کبھی حوصلہ مت ہارنا" جوش جذبے اور لگن کے ساتھ آگے بڑھنا ایک دن منزل مل جائے گی۔"

"میری زندگی مجھ سے روٹھ کر جا رہی تھی" انہوں نے مجھے مشکلات کا سامنا کرنے اور زندہ دلی سے جینے کا فن سکھایا۔ وہ میرے ٹوٹے حوصلے کو چٹان بنا دیتی تھیں۔ میں نے اپنی ہر فیلنگ ان کے ساتھ شیئر کی ہے۔

۴:۔ فرحت آپی کے انتقال کی خبر اور اسی دن میری زندگی کی بچھڑنے کی خبر ٹوٹ کر بکھر گئی تھیں۔ مجھے ایک نہیں دو صدمے ملے تھے اور انہیں سہنا بہت حوصلے کا کام تھا۔ آپی نے مجھے بہن کی کمی کبھی محسوس نہیں ہونے دی تھی اور جب مجھے آپی کے بارے میں پتا چلا! مجھے ایسے لگا میرے جذبات احساسات منجمد ہو گئے ہیں پتھرا گئے ہیں۔ میں رونا چاہتی تھی مگر آنسو تو ایسے غائب ہوئے جیسے صحرا سے پانی۔ یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ میرے ساتھ کیا ہو چکا ہے۔ آپی بھی بچھڑ گئیں اور زندگی بھی۔ آپی کی باتیں یاد آتی تو دل رونے کو چاہتا مگر! پھر ایک دن میں نے اپنے دل کو بار بار یقین دلایا اور اس تلخ حقیقت کو باور کرایا تو اس دن میں اتنا ٹوٹ کر روئی کہ دل ہی نہیں بھرتا تھا رونے کو دل چاہتا تھا سارے آنسو آج ہی ختم ہو جائیں۔ میں نے اپنی چھوٹی سی زندگی میں بڑے بڑے صدمے اٹھائے ہیں اور آپی کے دیے ہوئے حوصلے سے گانٹھ لیا میں نے اپنے غموں کو اور خود کو۔ آنکھیں تو آج بھی نم رہتی ہیں۔

۵:۔ تیری باتیں تیری یادیں میرا سرمایہ
عندلیب تنہا نہیں ہے ساتھ تیرا سایہ
تو رات کی رانی تو روشن چاند تھا میرا
خدا تیرے درجات بلند کرے جنت ہو گھر تیرا

کرن وفا.......کراچی

۱:۔ فرحت آنی اک بہترین مدیرہ تھیں۔ آنچل کو بہتر سے بہترین کی طرف گامزن کرنے کے علاوہ قارئین اور آنچل کے درمیان جو خوب صورت رشتہ ہے اس کا کریڈٹ فرحت آنی کو جاتا ہے۔

۲:۔ آنی کے بغیر آنچل بہت ادھورا سا لگتا ہے۔

۳:۔ فرحت آنی کی ایسی کون سی بات ہے جو یاد نہ آتی ہو۔ نرم لہجے میں دل جوئی کرنا بات کا سمجھانا ان کی یاد دلاتا ہے۔ ان کی کمی شاید ہی کوئی پوری کر سکے۔

۴۔ مجھے وہ دن آج بھی یاد ہے جب فرحت آنی کے انتقال کی خبر ملی۔ چند لمحے کے لیے جیسے سب تھم گیا۔ دل و دماغ یہ ماننے کو تیار ہی نہیں کہ آنی اب نہیں رہیں۔

۵۔ فرحت آنی کے جانے سے جو خلاء ہوا ہے شاید ہی وہ پُر ہو۔ انہیں ہم سے بچھڑے اک سال ہو گیا لیکن وہ آج بھی ہمارے دلوں میں زندہ ہیں۔ اللہ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام و درجہ عطا کرے۔ آمین

انعم خان...... ہری پور ہزارہ

۱۔ فرحت پھوپو کو بطور مدیرہ سب سے مختلف، ہمدرد، مہربان، غمگسار اور بہت اپنا دل کے بہت قریب پایا۔ کہیں ملک کے حالات کے لیے ان کی فکر مندی اچھی لگتی تھی تو کہیں سب کی خوشیوں میں خوشی کا اظہار کرتی وہ اپنی ہی لگتی تھیں۔ جب وہ بخوشی کسی کی بہن، دوست، خالہ، پھوپو بنتیں دل چاہتا تھا سارے رشتے ان سے جوڑ لوں۔ ہر ایک کے غم اور دکھ میں افسردہ اور دعا گو ہونا اپنی بے شمار محبتوں اور چاہتوں کا اظہار کرنا، کافی عرصے بعد آمد پر غیر حاضری کی وجہ پوچھنا انہیں سب سے مختلف کرتا ہے۔ آج کل کے دور میں کسی کے پاس خود کے لیے بھی ٹائم نہیں نکلتا ہے اور ایسے میں وہ ہر ایک کے خط کے جواب خندہ پیشانی سے دیتی تھیں۔ بطور مدیرہ وہ سب سے بہترین تھیں۔

۲۔ فرحت پھوپو کے بغیر آنچل یقین جانیں ابھی تک ادھورا اور بے رنگ لگتا ہے۔ ایسے محسوس ہوتا ہے کہ جیسے زندگی کے تمام رنگ جو ان کے اپنے آنچل سے جڑے تھے ان کے بعد اپنا وجود کھو بیٹھے ہیں۔

۳۔ فرحت پھوپو کو گزرے ایک سال ہونے والا ہے۔ مگر ان کی کہی ہر بات آج بھی ذہن و دل پر نقش ہے لیکن جو بات سب سے زیادہ یاد آتی ہے وہ ان کا مجھے "جھنڈا بردار بھتیجی" کہنا ہے۔ میں نے ان کے بعد اس ایک لفظ میں چھپی محبت کو بہت شدت سے محسوس کیا ہے۔

۴۔ اس وقت کے جو تاثرات تھے انہیں آج بھی الفاظ میں ڈھالنا مشکل نہیں ناممکن ہے۔ یقین تب بھی نہیں آیا تھا اور یقین اب بھی نہیں آ رہا۔ جس سے اپنائیت و محبت کا جذبہ ہو اس کے متعلق دل کو یقین دلانا بہت اذیت ناک ہوتا ہے۔ تب میں بہت بے یقین سی تھی۔ خبر پڑھنے کے باوجود کئی مرتبہ پڑھا کہ وہ واقعی ہمیں چھوڑ کر جا چکی ہیں۔ اس وقت دل بہت اداس ہوا تھا۔ مجھے ابھی بھی سمجھ نہیں آ رہی کہ اس وقت کے تاثرات کو کیسے بیان کروں۔ سو مزید کہنے سے معذرت چاہوں گی۔

۵۔ آج اگر پیچھے مڑ کر دیکھوں تو واقعی سچ لگتا ہے کہ وقت بڑی تیزی سے گزرتا ہے۔ نہ کسی کے لیے رکتا ہے نہ کسی کے دل کا حال جاننا چاہتا ہے۔ نہ کسی کے غم خوشی کو دیکھتا ہے۔ میں اپنی ان سے محبت کو اس طریقے سے بیان نہیں کر سکتی کہ میرے جذبات لفظوں کی پکڑ سے بہت دور ہیں۔ فرحت پھوپو آنچل میں آپ کی کمی بڑی شدت سے محسوس ہو رہی ہے۔ آپ کی "جھنڈا بردار بھتیجی" آپ کو ہر دعا میں یاد کرتی ہے۔ ہر نماز میں آپ کی مغفرت کی التجا رب سے کرتی ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ آمین۔ آخر میں صرف اتنا کہوں گی کہ فرحت پھوپو دل کے قریب تھیں، ہیں اور رہیں گی۔ ان شاء اللہ تادم حیات دل کے قریب رہیں گی۔

بشریٰ ملک، مائرہ ملک...... فیصل آباد

لوگ کیسے ہوتے ہیں جدائی سے بے خبر
ہم سے تو اک شخص بھلایا نہیں گیا

۱۔ فرحت پھوپو بہت اچھی مدیرہ تھیں۔ ان کی باتوں سے دل مسرور ہو جاتا تھا، ان کے منہ سے الفاظ نہیں موتی جھڑتے تھے۔ وہ ہر کسی کو اپنا بنانے کا فن رکھتی تھیں۔ وہ کسی کو ناراض نہیں رکھتی تھیں بات ہی کچھ اس طرح سے کرتی کہ دل خوش ہو جاتا تھا۔

۲۔ فرحت پھوپو کے بغیر آنچل سونا سونا اور بے قرار، بے چین سا لگ رہا ہے۔ یقیناً آنچل کو بھی ہماری طرح فرحت پھوپو بہت یاد آ رہی ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے۔ جو اللہ کو منظور تھا وہ ہو گیا۔ اب ہم تو صرف اور صرف دعا کر سکتے ہیں وہ ہم کر رہے ہیں۔

۳۔ فرحت پھوپو جانی جب ہمیں بھتیجیوں بہت پیار بہت خلوص سے کہتی تھیں تو ہمیں بہت اچھا لگتا تھا اور فرحت پھوپو کہتی تھیں کہ بشریٰ مائرہ آپ یقین رکھو آپ کا تعارف ضرور شائع ہوگا تو آپ یقین کریں صرف تھوڑے دنوں بعد ہمارا تعارف شائع ہو گیا۔ فرحت پھوپو کی ہمیں یہی بات اچھی لگتی تھی وہ جو کہتی تھیں کر دکھاتی تھیں اور ہم پر امید رہتے تھے۔ فرحت پھوپو جانی کے انتقال کا سن کر میرے تو حواس گم ہو گئے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے جسم میں جان نہیں ہے۔ کچھ دیر کے لیے تو سکتہ طاری ہو گیا تھا۔ "وہ عزیز از جان پھوپو جانی اب ہم میں نہیں۔" یہ خبر ہی کتنی جان لیوا تھی۔ کبھی خواب میں بھی نہ سوچا تھا وہ اچانک ہم کو چھوڑ کر چلی جائیں گی کیونکہ جب سے ہم نے آنچل پڑھنا شروع کیا تھا۔ ان ہی کا نام، ان ہی کی پھوپو جیسی باتیں، ممتا جیسی محبت، بڑوں جیسا پیار دیکھتے آئے تھے۔ اس لیے ان کو کتنی جلدی بھول جانے کی طاقت نہیں ہے ہم میں۔

۵۔ بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

میں اس سے بڑھ کر اور کیا لکھوں کہ اور لکھنے کی تاب نہیں ہم میں سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ فرحت پھوپو کے درجات بلند فرمائے اور انہیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

اسیمہ باج...... ڈی جی خان

۱۔ فرحت آپا کو مدیرہ کے طور پر پرفیکٹ پایا، ہم حیران ہوتے تھے کہ یہ سب سے اتنا پیار کیسے کر لیتی ہیں۔ ہر ایک کے لیے ان کا پیار الگ ہوتا ہے۔ ہم نے انہیں بطور مدیرہ بہت ہی اچھی پایا بالکل انصاف پسند۔

۲۔ فرحت آپا کے بغیر آنچل بھی پہلے پہلے اداس ہی لگا۔ ان کے بغیر پہلے پہلے آنچل بے رونق سا لگتا جیسے کچھ کمی ہو اچھا محسوس نہیں ہوتا تھا۔

۳۔ فرحت آپا کا ہر ایک سے پیار کرنا یاد آتا ہے۔ وہ ہر ایک سے ایسے پیار سے بات کرتیں اتنا توجہ دیتیں اور توجہ سے ہر ایک کا خط پڑھتیں اور اتنے پیار سے جواب دیتیں جیسے صرف وہ ایک ہی ان کے لیے اہم ہو۔ ہمارا دل چاہتا ہم ان کی یہ عادت کاپی کریں لیکن افسوس ہم اتنے اچھے کہاں؟

۴۔ اس وقت کے احساسات بتانا ہمیں بالکل بھی نہیں آ رہا۔ دسمبر کا آخر تھا۔ میسج کی ٹون بجی دیکھا تو فرینڈ کا ٹیکسٹ تھا۔ "یار آنچل کی مدیرہ فرحت آراء کی وفات ہو گئی۔" یہ ٹیکسٹ پڑھ کے یقین جانیں ہمیں تو پہلے کچھ سمجھ ہی نہیں آیا۔ دماغ ایک دم سے ماؤف ہو گیا۔ کتنا وقت ہم سیل ہاتھ میں لیے سن دماغ کے ساتھ کھڑے رہے۔ جب کچھ سمجھ میں آیا تو یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔ لگتا تھا کسی نے جھوٹ بولا ہے۔ اس وقت بھی یہ سطریں لکھتے ہوئے ہمارا دل و دماغ بالکل اپ سیٹ رہے آپا کے لیے لفظ فوت ہو جانا بہت ہی دکھ دیتا ہے ہمیں۔

۵۔ ان کی برسی کے موقع پر ان کی مغفرت کے لیے بہت ساری دعائیں ہیں۔ ہمارے پاس ایسے الفاظ نہیں ہیں جو ہمارے جذبات کی عکاسی کریں۔ بس اتنا ہے کہ جب بھی آنچل کا نام آئے تو وہ فوراً یاد آتی ہیں اور ہمیشہ یاد آتی رہیں گی۔ شاید آنچل کی کوئی بھی قاری انہیں نہیں بھول سکتی۔ اللہ انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے۔ آمین

طیبہ طاہرہ...... گاؤں صبور

۱۔ پہلے سوال کا جواب دینا میرے لیے کوئی آسان نہیں کیونکہ میں نے ان کی حیات میں صرف ایک ہی خط لکھا اور انہوں نے جس پیار و محبت سے اس کا جواب دیا وہ مجھے کبھی نہیں بھول سکتا اور ان کی حوصلہ افزائی کی بدولت ہی میں آنچل میں لکھ رہی ہوں۔ تو میں تو کہوں گی کہ ان سے اچھا کوئی ہے ہی نہیں۔

۲۔ فرحت آپا کے بغیر آنچل بہت اداس کر دینے والا لگتا ہے۔

۳۔ فرحت آپا نے مجھے جس طرح آنچل میں خوش آمدید کہا وہ نہیں بھول سکتی۔ لاکھ جانے کے باوجود بھی کیونکہ وہ بہت اچھی تھیں۔

۴۔ ان کے انتقال کا سن کر بے حد دکھ ہوا تھا۔ کیونکہ جس ماہ میں، میں نے آنچل میں لکھا اس سے اگلے آنچل میں ان کے انتقال کا پڑھا تھا۔ تو بہت دکھ ہوا۔ ان کے لیے ڈھیروں دعائیں کی تھیں اور اب بھی کرتی ہوں اور ان شاء اللہ کرتی رہوں گی۔

۵۔ فرحت آپا کی برسی کے موقع پر یہی کہوں گی کہ کاش آپا آپ لمبی عمر پاتیں اور مجھے افسانہ نگار بنا گئی ہوتیں۔ کیونکہ مجھے لکھنے کا بہت شوق ہے۔ آخر میں فرحت آپا کے لیے ڈھیروں دعائیں۔ اللہ رب العزت انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔

جن قارئین کے جوابات تاخیر سے موصول ہونے کی بناء پر سروے میں شامل ہونے سے رہ گئے۔

پروین افضل شاہین، بہاول نگر۔ غزل ناز، کراچی۔ شبانہ امین راجپوت، کوٹ رادھا کشن۔ زنیرہ طاہر، بہاول نگر۔ زاہدہ ملک، دیپال پور۔ رانی اسلام، گوجرانوالہ۔ فوزیہ سعید سردار، ملتان۔ صنم ناز، گوجرانوالہ۔ شمع مسکان، جام پور۔ شگفتہ خان، بھلوال۔ مدیحہ نورین مدوح برنالی۔

* * *

آنچل کے ہمراہ

وقت گزرا تو یہ ملال ہوا
ختم اک زندگی کا سال ہوا

۱) کہتے ہیں کہ دسمبر جاتے جاتے انمٹ یادیں دے کر جاتا ہے، گزشتہ سال کے حوالے سے کوئی ایسی یاد جو آپ کی آنکھوں میں نمی یا لبوں پر مسکراہٹ بکھیر جاتی ہو؟

۲) سالِ گزشتہ میں آپ نے آنچل کو کیسا پایا اور نئے سال میں آپ اس میں کیا تبدیلیاں دیکھنا چاہتی ہیں؟

۳) سالِ گزشتہ میں کوئی ایسے لمحات جو ہمیشہ آپ کے دل و ذہن میں تازہ رہیں گے؟

۴) سالِ گزشتہ آنچل میں شائع ہونے والی کوئی ایسی تحریر، شعر یا اقتباس جو آپ کے لیے یادگار رہو؟

۵) سالِ نو کے لیے کوئی خواب، دعا، خواہش یا امید......؟

آپ ان سوالات کے جوابات 08 دسمبر تک بذریعہ ڈاک یا ای میل ارسال کر سکتی ہیں۔

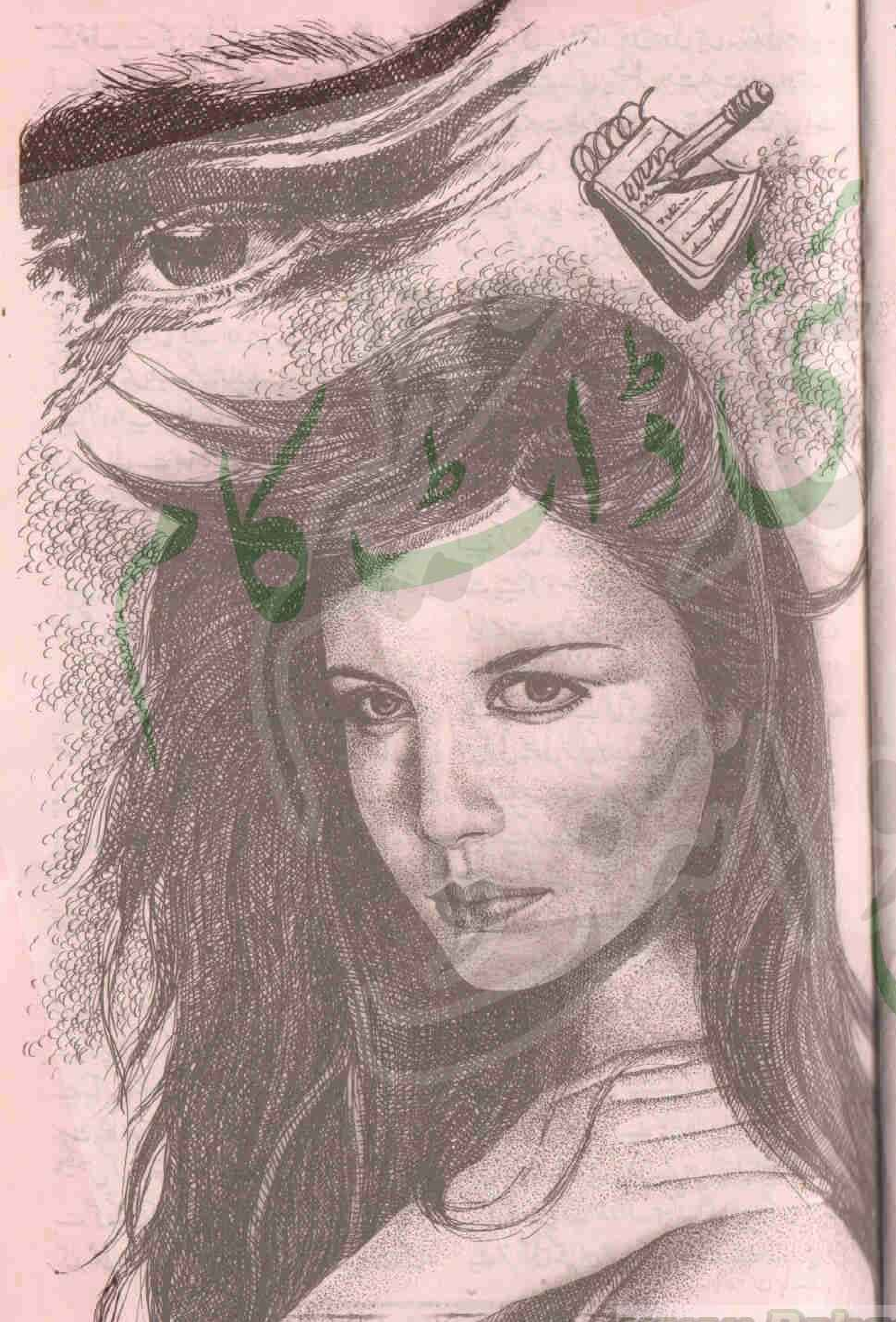

والدین کی یکے بعد دیگرے حادثاتی اموات کے بعد دونوں بہنیں لائبہ اور ضوفشاں اپنے گھر میں تنہا رہتی ہیں تاہم ان کا کزن شہود اور اس کی بیوی مہ جبین ان کے پڑوس میں مقیم ہیں اور ان سے بے حد محبت بھی کرتے ہیں۔

شہود کی غیر موجودگی میں لائبہ کے گھر کی واردات کی رپورٹ کے لیے لائبہ مہ جبین کے مشورے پر تھانے جاتی ہے تو اے ایس پی فوزان صدیقی کو دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے۔

فوزان صدیقی وہ نیک سیرت و فرض شناس انسان تھا جو ماضی کے حوالے سے اس کا محسن رہا تھا۔ فوزان صدیقی کے ذہن و دل میں لائبہ کے لیے اس وقت کی چاہت ابھی تک زندہ تھی۔ تاہم ماضی کے اس اندوہناک حادثے نے نا صرف ان دونوں کے والدین کو چھین لیا تھا بلکہ ان کی حالیہ زندگی میں بھی زہر گھول رکھا تھا۔ جس کے سبب ان کی نیک نامی کو بھی داغ لگا تھا۔

واردات کی جانچ پڑتال کے سلسلے میں فوزان صدیقی کو بار بار لائبہ کے گھر آنا پڑتا ہے۔ جس کے سبب ضوفشاں، جن کا کردار پہلے ہی لوگوں کے نشانے پر ہے۔ مزید افواہوں کی زد میں آتا ہے۔

ماضی کے حوالے سے لائبہ بار بار فرسٹریشن کا شکار ہو جاتی ہے۔ (اب آگے پڑھیے)

سمیرا شریف طور

تحفہ میری انا کا یہ اچھا دیا گیا
مجھ کو ہی میری ذات میں الجھا دیا گیا
نا معتبر رہے جو الفاظ دیر تک
پیغام آشنائی ان ہی میں دیا گیا

”میری نیناں میری بہن تھی۔ بہت معصوم، بہت پیاری، میری جان تھی اس میں زندگی اور خوابوں، سچائی اور انسانیت کی باتیں کرنے والی وہ لڑکی وحشی درندوں سے لڑ پڑی اور پھر وہ ہم سب کو چھوڑ کر چلی گئی۔“ وہ اس چوڑے چکلے بھرپور مرد کو دیکھے گئی جس کی آنکھیں پانی سے بھری ہوئی تھیں۔ آواز رقت آمیز تھی مگر وہ آنسو بہنے کی بجائے دوبارہ کہیں اندر ہی اترنے لگے۔

”اوہ...... آئی ایم سوری۔“ فوزان صدیقی کو حوصلہ دینے کے لیے بالکل غیر ارادی طور پر اس کے مضبوط مردانہ ہاتھ پر اپنا ننھا سا سفید ہاتھ رکھ دیا۔ وہ چونک کر لائبہ کو دیکھنے لگا۔ جس کی آنکھوں میں آنسو تو جمع تھے مگر وہ انہیں اندر اتارنے کے جتن کر رہی تھی۔

”لائبہ! آپ کو دوبارہ دیکھ کر مجھے خوشی کے ساتھ بہت دکھ بھی ہوا۔ اس رات آپ کی گہری گرے گرین آنکھوں نے مجھے بہت متاثر کیا تھا۔ بہت ہی روئی سی ڈر اور ہراس سے مزین تھیں۔ کچھ چھن جانے

کے خوف سے سہمی ہوئی لیکن اس دن اپنے آپ میں آپ کی آنکھیں دیکھ کر مجھے لگا جیسے آپ بھی نیناں کی طرح ان وحشی لوگوں کا نشانہ بن گئی ہیں۔ بہت اذیت ہوئی تھی آپ کو دیکھ کر...... آپ نے اس دن میرے کانسٹیبل کے بارے میں جو کچھ کہا وہ حقیقت تھا۔ دکھ تو اس بات کا تھا کہ میں انتہائی کوشش کے بعد بھی آپ کی آنکھوں سے خوف اور ہراس کو نہیں نکال پایا تھا۔ مجھے لگا جیسے اس خوف اور ہراس نے مل کر آپ کی آنکھوں میں ایک کنکر جما دیا ہے۔ سمجھتی ہیں نا کنکر کیا ہے؟" وہ اب اس کی گہری گرے گرین آنکھوں میں بڑی گہرائی سے جھانک رہا تھا۔ لائبہ نے اسے تسلی دینے کے لیے رکھا گیا اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے ہٹا لیا اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

"پتا نہیں ضوفی کیا کر رہی تھی جو ابھی تک نہیں لوٹی تھی۔"

"آپ ایسی جگہ سے شاید کبھی گزری ہوں، جہاں سبز تھور کی طرح سطح ہوتی ہے۔ اگر کبھی اچانک اس تھور زدہ سطح پر پاؤں پڑ جائے تو نیچے گہرا پانی ملتا ہے۔ پانی تو ویسے ہی تھا مگر اس پانی پر کنکر جم گیا تھا۔ اچانک پاؤں پڑنے پر پانی کی سطح واضح ہوگئی۔ مجھے لگتا ہے آپ کی ان آنکھوں میں بھی یہی کیفیت ہے۔ بے تحاشا رونے کی خواہش، بہت کچھ کہنے کی آرزو...... مگر آپ اوروں کی خاطر مسلسل اپنی اس خواہش کو دبا رہی ہیں۔ آپ نے اپنی آنکھوں میں مچلتے اس طوفان کے اوپر خوف کی گہری تہہ جما دی ہے جو کنکر بن گئی ہے۔ آپ مجھ پر اعتماد کرسکتی ہیں۔ دکھ کہہ دینے سے بہت ہلکا پھلکا ہو جاتا ہے۔" وہ بہت ہی خلوص سے پیشکش کر رہا تھا۔ "وہ دکھ جو آپ ضوفشاں اور بھابی سے بھی نہیں کہہ سکتیں۔" اس نے لائبہ کو دیکھا جو سر کو نفی میں ہلاتے آنسو روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"آپ اتنی بے اعتماد کیوں ہوگئی ہیں۔ زندگی ہر ایک کو آزماتی ہے۔ کسی پر مشکل وقت بہت دیرپا ہوتا ہے اور کسی پر بہت جلد ٹل جاتا ہے بتائیں مجھے اس بات کے علاوہ ایسا کیا دکھ ہے آپ کو جو دیمک کی طرح اندر ہی اندر چاٹ رہا ہے؟ آپ کہنا بھی چاہتی ہیں اور کہہ بھی نہیں پاتیں۔" وہ مسلسل اس کی روح کو ادھیڑنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔ یہ آخری جملے لائبہ کی روح پر تازیانے کی مانند لگے تھے۔ اس کی زخمی زخمی روح ذلت و تکلیف کی شدت سے بلبلانے لگی وہ بھی ایک دم چیخ اٹھی۔

"چپ ہو جائیں، پلیز چپ ہو جائیں...... مجھ سے کچھ مت پوچھیں...... بڑی مشکل سے میں نے اپنے کرچی کرچی وجود کو اکٹھا کیا ہے۔ بڑی تکلیف سے جینے کا حوصلہ کیا ہے۔ اس دنیا والوں نے بہت برا کیا میرے ساتھ، آپ تو میری زخمی بلبلاتی روح پر تازیانے نہ لگائیں۔" چہرہ ہاتھوں میں چھپائے وہ بلک بلک کر رونے لگی تھی۔ وہ ترحم بھری نظروں سے اس ٹوٹی پھوٹی لڑکی کو روتے دیکھتا رہا۔

"عرصہ بیت گیا ہے مجھے یہ آبلہ پائی کا سفر برداشت کرتے۔ لوگوں کی تحقیر بھری نظریں ان کے طنز اور تمسخر میں لپٹے فحش جملے، ایک عرصے سے سہہ رہی ہوں۔ میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا تھا، کبھی کسی کا دل نہیں دکھایا، پھر یہ آزمائش ختم کیوں نہیں ہوتی۔ اگر زندگی ہر ایک کو آزماتی ہے تو چند سکھ بھری گھڑیاں بھی نصیب میں کرتی ہے پھر میری سزا اتنی طویل کیوں ہوگئی ہے؟ اتنی طویل کہ نہ میں اپنے جینے کی کوئی دعا کرسکتی ہوں اور نہ مرنے کا سامان!" وہ ٹوٹی پھوٹی لڑکی پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے اپنا دکھ کہہ رہی تھی۔ فوزان کے اندر اک ہوک اٹھی۔ وہ جس اذیت سے گزر آئی تھی اور اب جس اذیت سے گزر رہی تھی ویسی ہی اذیت وہ اپنے اندر بھی محسوس کر رہا تھا۔ موت تکلیف دہ امر نہیں مگر بار بار مرنا بہت تکلیف دہ موت ہے۔ بھلا اس سے بہتر کون جان سکتا تھا۔

"بس لائبہ حوصلہ رکھیں۔ وقت ایک سا نہیں رہتا، زندگی اتنی ہی تلخ ہے۔ اس کو سہنے کے لیے بس حوصلہ چٹانوں کا سا ہونا چاہیے۔" انداز تسلی دینے والا تھا۔

"ہونہہ...... ! چٹانوں کا سا حوصلہ...... میں نے اس سے بڑے حوصلے کیے ہیں اپنی تڑپتی ماں کو موت کی آغوش میں سوتے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اپنے باپ کو اپنے دکھ پر جان ہارتے دیکھا ہے۔ وہ دونوں چلے گئے سب ساتھ چھوڑ گئے، اس کے باوجود میں زندہ ہوں کیا یہ حوصلہ کم ہے۔ اگر میں نے چٹانوں کا سا حوصلہ نہ کیا ہوتا تو اس وقت آپ لائبہ افتخار کی قبر پر کھڑے ہوتے اس کے سامنے نہیں۔ سنا آپ نے......" اپنے دوپٹے سے اپنا چہرہ صاف کرتے اس نے کہا تو فوزان صدیقی خاموش ہوگیا۔ خاموش تو لائبہ بھی ہوگئی تھی۔ دونوں طرف بالکل خاموشی تھی یہ معنی خیز بولتی ہوئی خاموشی دونوں کے زخموں کو چھیلنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ یہ خاموشی مزید گہری ہوتی، ضوفی کی تیز آواز پر دونوں چونک گئے تھے۔

"ارے فوزان صاحب آپ ابھی تک یہاں......؟" وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"آئی ایم سوری! بھابی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ انہوں نے بلوایا تھا، اس وقت میں نماز ادا کر رہی تھی۔ اس لیے دیر ہوگئی۔ میں سمجھی شاید آپ چلے گئے ہیں۔" فوزان صدیقی اور ضوفی آمنے سامنے کھڑے تھے وہ اسے نظر نہیں آرہی تھی۔ وہ جلدی سے کرسی پر بیٹھ گئی۔ سر جھکا کر تیزی سے باقی ماندہ مٹر چھیلنے لگی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ ضوفی اس کی سرخ آنکھیں اور روئی ہوئی صورت دیکھ کر پریشان ہو جائے۔

"ہاں...... میں بس جانے ہی والا تھا۔" فوزان صدیقی کہہ رہا تھا۔ اس کی بات پر بھی اس نے اپنا جھکا سر نہ اٹھایا۔

"یقیناً پری نے آپ کو خاصا بور کیا ہوگا؟" ضوفی خاموش کام کرتی لائبہ کو دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"نہیں...... ! بھئی میں ان کی سنگت میں بالکل بور نہیں ہوا۔ ہر مزاج کے لوگوں میں بہت جلد گھل مل جاتا ہوں۔ یہ تو پھر ایک بہت اچھی بولنے والی ہیں اور میں ایک اچھا سامع۔" اس نے ہنستے ہوئے ضوفی کی بات کی تردید کی۔

"واقعی! یہ تو بہت اچھی عادت ہے۔ آپ واحد شخص ہیں جو یہ کہہ رہے ہیں ورنہ پری سے جو بھی ملتا ہے وہ ان کی خاموش طبعی اور کم سخنی پر ضرور بور ہوتا ہے۔"

"بس سمجھ لیں، اپنی اپنی رائے ہے۔" وہ اب اٹھلا رہا تھا۔ مسکراہٹ خود بخود لائبہ کے ہونٹوں کو چھو گئی۔ وہ قدرے سنبھل چکی تھی۔ سر اٹھا کر دونوں کو دیکھا۔ وہ واقعی اس شخص کی اس "خاص الخاص" شخصیت سے متاثر ہوچکی تھی، پھر جلد ہی وہ اپنے سابقہ پراعتماد موڈ میں آگئی تھی۔ ضوفی کے آنے پر وہ مزید تھوڑی دیر بیٹھ کر جانے کے لیے اٹھ گیا۔

"اوکے لائبہ! اللہ حافظ میں پھر کسی دن فرصت سے آؤں گا۔" وہ بطور خاص اسے مخاطب کر کے جاتے جاتے بھی اپنے پرخلوص رویے کا مظاہرہ کر گیا تھا۔ ضوفی اسے گیٹ تک باہر چھوڑنے گئی تھی، اس کے واپس لوٹنے تک وہ اسی شخص کی ذات میں الجھی رہی۔

* * *

پھر وہ کئی دن تک غیر محسوس طریقے سے اس کی

منتظر رہی۔ ہر آہٹ پر چونک جاتی، ہر بیل پر بھاگ کر گیٹ کھولتی، فون کی گھنٹی بجتی تو ضوفی سے پہلے خود اٹھ کر ریسیو کرتی۔ مگر ہر دفعہ نا امید ہو جاتی تھی۔ اندر باہر ایک بے کلی سی پھیلنے لگی تھی۔ وہ اپنی اس کیفیت پر خود بھی پریشان تھی کہ اسے اس کا انتظار کیوں تھا؟

"مجھے اس کی ذرا سی ہمدردی پر اپنی اوقات نہیں بھولنی چاہیے۔" آخر اکتا کر اس نے خود کو سرزنش کی مگر پریشانی جوں کی توں برقرار تھی۔

"پری کیا بات ہے آپ مجھے کچھ پریشان لگ رہی ہیں۔" ضوفی جو کئی دنوں سے اس کی کیفیت دیکھ رہی تھی ایک دن پوچھ ہی بیٹھی۔

"کچھ نہیں ہوا...... بس ہلکی پھلکی تھکن محسوس کر رہی ہوں آج کل۔" اس نے ضوفی کو تو ٹال دیا مگر خود کو نہ ٹال سکی۔ البتہ اتنا ہوا کہ پہلی جیسی پریشان نہیں تھی۔ کافی حد تک خود کو نارمل کر لیا تھا۔

ضوفی کے کالج جانے کے بعد وہ بھی یونیورسٹی کو نکل رہی تھی جونہی گاڑی اپنی گلی سے مڑی وہاں پولیس پجارو میں چند انسپکٹرز دیکھ کر رک گئی۔ دو پولیس کانسٹیبلز جمیلہ کے اسی آوارہ بدمعاش نذیر کو پکڑ کر گاڑی میں بٹھا رہے تھے۔ اگلی سیٹ پر ڈرائیور کے ہمراہ فوزان صدیقی تھا۔ لائبہ کی گاڑی دیکھتے ہوئے وہ جلدی سے دروازہ کھول کر اس کی طرف آ گیا۔

"السلام علیکم۔" اسے اپنی طرف آتا دیکھ کر اپنی گاڑی کا دروازہ کھول کر وہ بھی جلدی سے اتری۔

"وعلیکم السلام آپ یونیورسٹی جا رہی ہیں؟"

"جی...... اس شخص کو کس جرم میں پکڑا گیا ہے؟" اس کے بارے میں جاننے کے لیے لائبہ کو تجسس ہوا۔

"ہے بس اس کا بھی ایک جرم...... آپ اس وقت یقیناً جلدی میں ہوں گی پھر کبھی ملاقات ہوگی...... اللہ حافظ......" وہ جس عجلت میں آیا تھا اسے متجسس چھوڑ کر اسی عجلت میں چلا گیا۔ وہ اس سے "پھر کبھی" کے بارے میں دریافت کرتے کرتے رہ گئی۔ اس کی گاڑی نظروں سے اوجھل ہوئی تو وہ بھی اندر بیٹھ کر گاڑی اسٹارٹ کرنے لگی مگر اس دفعہ جمیلہ خاتون کی بے وقت کی مداخلت نے اسے روک دیا۔

"مل گیا سکون تجھے ڈائن! میرے بچے کو گرفتار کروا کر؟" آتے ہی اس نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ اس پر چڑھ دوڑی۔ وہ تو اپنی جگہ ہکا بکا رہ گئی۔

"دیکھیے، آپ کا بیٹا جیسا اوباش فطرت ہے، سارا محلہ جانتا ہے۔ مجھ پر کیوں الزام لگا رہی ہیں، بھلا مجھے کیا ضرورت پڑی ہے اسے گرفتار کروانے کی؟" اردگرد بچوں مردوں اور لوگوں کو اکٹھے ہوتے دیکھ کر اس نے ہمت کر کے کہہ دیا۔

"ارے واہ لڑکی! منہ سنبھال کر بات کر۔ تو بھی جیسی ہے تیرے بارے میں بھی سارا محلہ جانتا ہے۔ مجھے اچھی طرح خبر ہے تیرے اس پولیس والے سے کیسے تعلقات ہیں یونہی تو روز یہاں نہیں آتا۔ تو نے گرفتار نہیں کروایا تو تیری بہن نے تو کروایا ہے۔ بڑی آئی تھی کل دھمکی دینے والی۔ میں تمہیں گرفتار کروا دوں گی۔" ہونہہ! پتہ نہیں یہ عورت کیا کہہ رہی تھی، اس کے تو کچھ پلے نہیں پڑ رہا تھا۔ ہمت کر کے گاڑی ان لوگوں کے ہجوم سے نکال کر لے آئی۔ سارا وقت یونیورسٹی میں خالی دماغ سے کام کرتی رہی۔ ٹھیک سے کچھ پڑھا بھی نہ پائی تھی۔ جیسے تیسے پیریڈ لے کر گھر لوٹی تو ضوفی آ چکی تھی۔ آتے ہی اس سے پوچھ گچھ شروع کی۔

"تمہیں کچھ پتا چلا ہے جمیلہ کا بیٹا گرفتار ہو گیا ہے؟" تفتیشی نظروں سے گھورتے بات شروع کی۔

"اچھا......! کب ہوا؟" بغیر چونکے اس نے آرام سے پوچھا۔

"تم نے اسے گرفتار کروایا ہے۔ اس کی ماں کہہ رہی تھی تم نے شکایت کی ہے؟" اب کی بار اس نے غصے سے پوچھا تھا۔

"پری! مجھے کیا ضرورت پڑی ہے کسی کو گرفتار کروانے کی......؟ اس کے کرتوت تو سب ہی جانتے ہیں، ہو گیا ہوگا اپنے کسی کالے دھندے کی وجہ سے گرفتار۔ شکر ہے اب کچھ عرصہ سکون رہے گا۔ خوامخواہ زندگی سے اکتاہٹ ہونے لگی تھی۔" اس کی بات بھی اسے مطمئن نہ کر پائی تھی۔

"ضوفی! اب ہمارے درمیان ایسی کیا انہونی ہو گئی ہے کہ ہم ایک دوسرے سے کچھ چھپانے کی کوشش کریں۔" اس نے ضوفی کو خاصے غصے سے دیکھا۔

"پری! میرا یقین کریں۔ آپ تو یونہی پریشان ہو رہی ہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔" اس نے نظریں چراتے ہوئے جواب دیا۔ وہ اس کے برابر بیٹھ کر بغور دیکھنے لگی۔

"ضوفی! میری آنکھوں میں دیکھ کر بتاؤ، اصل بات کیا ہے؟" ہاتھ سے اس کا چہرہ اونچا کیا تو وہ ہونٹ کاٹتی شش و پنج میں گرفتار ہو گئی۔

"جمیلہ کا بیٹا ہر روز مجھے کالج آتے جاتے تنگ کرتا تھا۔ اتنے رکیک الفاظ اور گھٹیا گفتگو کرتا تھا کہ حد نہیں۔ کل بھی اس نے بدتمیزی کی اور میرا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ مجھ سے برداشت نہ ہوا اور میرا ہاتھ اس پر اٹھ گیا۔ وہ مجھے برے نتائج کی دھمکیاں دینے لگا تھا۔ میں گھبرا گئی۔ اس وقت تو گھر آ گئی، بعد میں عصر کے قریب بیل ہوئی تھی میں نے جا کر گیٹ کھولا تو دونوں ماں بیٹا تھے۔ دندناتے ہوئے اندر گھس آئے، بدتمیزی کرنے لگے۔ میں نے بھی سنائیں تو چوکیدار نے انہیں زبردستی باہر کیا۔ اس وقت آپ سو رہی تھیں۔ اتفاق سے فوزان بھائی بھی آ گئے۔ میں رو رہی تھی، وہ پریشان ہو گئے اور مجھ سے تمام صورت حال اگلوا لی، مجھے تسلی دی۔ مجھے نہیں پتا تھا وہ اسے واقعی گرفتار کر لیں گے۔"

ساری بات سن کر وہ اپنی جگہ پر ساکت ہی ہو گئی۔ پتا نہیں انہی کے ساتھ ہر بار ایسا کیوں ہو رہا ہے؟" اگر اس شخص نے کچھ کر دکھایا تو......" یہ خیال لائبہ کی جان نکال دینے کو کافی تھا۔

"ضوفی! تم نے مجھے یہ سب کچھ کل ہی کیوں نہیں بتایا......؟"

"آپ پریشان ہو جاتیں اس لیے......" اس نے اس کا ہاتھ تھام کر اس کا غصہ کم کرنے کی کوشش کی۔

"اب تو یقیناً میں بہت خوش ہو رہی ہوں۔" اس نے طنزیہ کہتے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"کیا ہو گیا ہے پری! آپ کو......؟ اچھا ہوا وہ گرفتار ہو گیا ہے۔ چند سال تو سکون سے گزریں گے۔ پہلے بھی وہ پولیس کو کئی مقدمات میں مطلوب ہے چوری اور قتل کے جرم اس پر عائد ہیں جب بھی پکڑا جاتا تھا، کچھ دے دلا کر فارغ ہو جاتا تھا مگر اب اس دفعہ میرے ہاتھوں میں پھنسا ہے، اتنی جلدی جان چھوٹنے والی نہیں۔ آپ پریشان مت ہوں۔" وہ رسان سے اسے سمجھانے لگی۔

"خاک پریشان نہ ہوں، اتنا تو اثر و رسوخ ہے اس کا...... اب بھی اگر وہ بچ گیا اور اس نے کوئی الٹی سیدھی حرکت کر دی تو بولو کیا کریں گے ہم......؟ خدانخواستہ اس نے اگر تم کو......" وہ رک گئی۔ وہ تو تصور کر کے ہی کانپ گئی۔ کسی قسم کی غلط بات ذہن میں نہ لا سکی۔ ضوفی سے فارغ ہو کر اس نے پہلی فرصت میں فوزان صدیقی سے رابطہ کیا تھا۔

"فوزان صدیقی صاحب! میں لائبہ افتخار۔ پہلے

بھابی کو ساری صورت حال بتا کر پھر ان ہی کے مشورے سے وہ ان ہی کے گھر سے فوزان کے آفس فون کر رہی تھی۔

"ارے آپ......! کیسے یاد کیا آپ نے اس وقت......؟" دوسری طرف سے اس کی آواز آئی تھی۔

"آپ آج رات فارغ ہوں گے، میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔" اس نے ملنے کی وجہ بتانے سے گریز ہی کیا وہ کچھ دیر سوچتا رہا تھا پھر بولا۔

"آئی ایم سوری لائبہ! میں آج رات کیا' پورا ہفتہ ہی فارغ نہیں ہوں۔ ایک بہت ضروری کیس کی جانچ پڑتال میں پورا ہفتہ شہر سے باہر ہی گزاروں گا۔ ابھی میں نکلنے ہی والا تھا۔ پلیز برا مت مانیے گا۔ آج کل کام کا بہت بوجھ ہے' سر کھجانے کی بھی فرصت نہیں۔ ان شاء اللہ میں جیسے ہی فارغ ہوا آپ کی طرف آؤں گا۔" معذرت خواہانہ لہجے میں وہ بات کر رہا تھا۔

"ٹھیک ہے میں آپ کی واپسی کا انتظار کروں گی۔" بڑی ناامید ہو کر اس نے فون بند کیا تھا۔ اب اسے نجانے کتنے دن انتظار کی سولی پر ٹنگے رہنا پڑے گا۔ بھابی کو موصوف کی مصروفیت کا بتا کر وہ اپنے پورشن میں آ گئی۔ بڑی مشکلوں سے اس نے ایک ہفتہ گزارا تھا۔ ہفتہ گزرنے کے بعد اس نے متواتر دو دن تک فوزان صدیقی کو فون کیا مگر مل ہی نہیں رہا تھا۔ وہ جب ناامید ہو گئی تو وہ خود چلا آیا۔ آنے سے پہلے اس نے فون کر کے اسے اپنی آمد کی اطلاع دی تھی۔ وہ جب ان کے ہاں آیا تو اس نے خود ہی اس کے لیے گیٹ کھولا تھا۔

"خیریت! آپ بہت پریشان لگ رہی ہیں؟" صوفے پر بیٹھتے ہوئے اس نے بغور لائبہ کا جائزہ لیا۔ وہ قصداً مسکراتے ہوئے اس کے سامنے بیٹھ گئی۔

"آپ بتایئے جس کام کے لیے آپ شہر سے باہر گئے تھے وہ ہو گیا۔"

"جی......! کافی حد تک ہو گیا ہے۔"

"مبارک ہو۔"

"شکریہ۔ آپ نے بتایا نہیں آپ پریشان کیوں ہیں۔" وہ ایک دفعہ پھر اسی بات پر آ گیا۔ وہ کوئی بھی جواب دیئے بغیر اس کے لیے چائے کا انتظام کرنے اٹھ گئی۔ پھر اچانک رک گئی۔

"آپ کھانا کھائیں گے یا چائے پئیں گے؟" اس نے کافی پرسکون انداز میں بیٹھے فوزان سے پوچھا۔

"آپ کیا چاہتی ہیں؟" مسکراتے ہوئے اس نے نیا سوال داغ دیا۔ اس نے یونہی کندھے اچکائے۔

"میرا خیال ہے یہ کھانے کا وقت ہے' میں کھانا لگواتی ہوں۔" آداب میزبانی نبھانے کو وہ اٹھ کر کچن میں چلی آئی۔ ضوفی کے ساتھ مل کر میز پر کھانا لگوایا' پھر خود ہی وہ اسے کھانے کی میز پر لے آئی۔

"سیدھا آفس سے ادھر آ رہا ہوں' کھانے کی شدید طلب مجھے بھی ہو رہی تھی۔" ان دونوں کے ساتھ کھانے کی میز پر بیٹھتے ہوئے اس نے کافی بے تکلفی سے کہا تھا۔ کھانا بالکل خاموشی سے کھایا گیا تھا۔ دونوں میزبانی کے فرائض انجام دیتے ہوئے وقفے وقفے سے اسے مختلف چیزیں پیش کرتی رہیں۔

کھانا کھا کر وہ لاؤنج میں آ گئے تو ضوفی ان کے لیے چائے لیے چلی آئی۔ دونوں کو باری باری کپ تھمانے کے بعد ایک کپ خود بھی لے کر وہاں بیٹھنے لگی تو اس نے اسے ٹوک دیا۔

"تمہیں پڑھنا نہیں' جاؤ جا کر اپنی اسٹڈی کرو۔" اس کے سخت لہجے پر جہاں وہ منہ بسورتی باہر نکل گئی تھی وہاں فوزان صدیقی بھی چونکا۔

"آخر بات کیا ہے' آپ اتنا سسپنس کیوں پھیلا رہی ہیں؟"

"آپ اچھی طرح جانتے ہیں کیا بات ہے؟" غصے اور ناراضگی کے ملے جلے تاثرات سے اسے گھورا۔ انداز یوں تھا جیسے کہہ رہی ہو' بیوقوف کسی اور کو بنایئے۔

"نہیں...... باخدا مجھے کبھی الہام نہیں ہوتا۔ میں بالکل نہیں جانتا کیا بات ہے؟" وہ اتنے دنوں سے انتظار کر رہی تھی' اس وقت اس جملے بازی کی متحمل نہ تھی۔ فوراً چیخ گئی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

"پلیز! اے ایس پی فوزان صدیقی صاحب۔" آواز میں آنسوؤں کی آمیزش نمایاں تھی۔

"مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا آپ مجھ سے کیوں ناراض ہو رہی ہیں؟ میں نے تو ایسی کوئی کوتاہی نہیں کی۔ جیسے ہی فارغ ہوا ہوں' فوراً آ گیا ہوں۔" چائے کا خالی مگ میز پر رکھ کر وہ اس کے سامنے آ گیا۔

"ضوفی نادان تھی جذباتی تھی' آپ تو سمجھدار تھے مجھے آپ سے اس بات کی توقع نہ تھی۔"

"اوہ اب سمجھا۔" اس نے ہونٹ سکیڑے۔

"اس مسئلے پر آپ کو مجھ سے ناراض نہیں ہونا چاہیے بلکہ خوش ہوں کہ وہ شخص گرفتار ہو چکا ہے۔" اس نے پرسکون انداز میں اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"یہ آپ پولیس والوں کی عادت ہو گی اوروں کو اذیت دے کر خوش ہونے کی۔ میری نہیں۔ آپ...... آپ پلیز اس شخص کو آزاد کریں۔" وہ ایک بار پھر طنز کر گئی تھی۔ وہ حیران ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ آیا یہ بات کہتے ہوئے وہ واقعی پاگل ہے یا اسے ہی محسوس ہو رہی ہے۔ اس کے اس طنز کرنے پر بھی وہ مطمئن رہا۔

"ہاں ہم پولیس والوں کی یہ عادت ہے دشمن کو اذیت دے کر خوش ہونے کی' اس کے باوجود میں اسے نہیں چھوڑ سکتا۔" یہ بات کہتے ہوئے اس کے لہجے میں ہلکی سی سختی تھی۔ "ہاں یہ ہو سکتا ہے میں یہ پولیس کی جاب چھوڑنے پر سنجیدگی سے سوچنا شروع کر دوں۔ ساری زندگی آپ کا غصہ سہنا کافی مشکل کام ہے۔" یہ بات کہتے کہتے وہ پھر غیر سنجیدہ ہو چکا تھا۔ وہ ناسمجھی سے اسے دیکھنے لگی۔

"آپ اسے چھوڑیں گے نہیں...... میرے کہنے پر بھی نہیں؟" پتا نہیں اس کے لہجے میں کیسا مان اور یقین گونج رہا تھا' وہ بے اختیار اسے دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کی نظروں کے ارتکاز سے پگھل کر اس نے رخ موڑ لیا تھا۔

"ہاں آپ کے کہنے پر بھی نہیں...... بالکل نہیں......" لائبہ کے رخ موڑنے پر اک سکوت ٹوٹ گیا تھا۔ وہ گہری سانس لے کر نفی میں سر ہلانے لگا۔

"کیوں آپ اسے کیوں نہیں چھوڑ سکتے جبکہ یہ آپ کے اختیار میں ہے۔" وہ الجھتے ہوئے اس سے بحث کے موڈ میں تھی۔

"اس لیے کہ لائبہ آپ ایک غلط آدمی کی سفارش کر رہی ہیں۔ آپ اس شخص کے بارے میں کچھ نہیں جانتیں۔ سوائے اس کے کہ اس نے ضوفی کو تنگ کیا تھا۔"

"میں کچھ بھی نہیں جاننا چاہتی' میں نہیں چاہتی کہ اس شخص کی وجہ سے ضوفی کی بدنامی ہو جبکہ اس کی ماں آج کل ننگی تلوار بنی ہوئی ہے۔ نجانے کیا کیا کہانیاں گھڑ لی ہیں اس نے ہمارے اور آپ کے متعلق۔" ایکدم اس نے اصل بات کہہ دی تھی۔ فوزان خاصا مطمئن ہو گیا۔

"تو ٹھیک ہے' اس کی ماں کا بندوبست کر لیتے

ہیں۔ چند دن تاریک کونے میں رہے گی تو عقل آجائے گی۔" مسکراتے ہوئے اس نے کیا انوکھا حل پیش کیا تھا۔ لائبہ کو سخت جھٹکا لگا۔ وہ بے یقینی سے اسے دیکھے گئی۔

"آپ...... آپ!" وہ ایک دم ہونٹ بھینچ کر بالکل چپ ہوگئی۔

"لائبہ! آپ بہت سیدھی ہیں۔ کچھ بے وقوف بھی۔ دیکھیں وہ شخص بہت بڑا مجرم ہے۔ چند ماہ پہلے اس نے ایک قتل کیا تھا۔ پکڑا گیا' کچھ دے دلا کر اس نے بعد میں ضمانت بھی کروالی۔ مقتول کے ورثا کافی اثر ورسوخ رکھتے ہیں انہوں نے دوبارہ سے کیس شروع کروایا ہے۔ عدالت نے اس کی ضمانت کینسل کردی تھی۔ وہ کافی عرصے سے روپوش تھا۔ چونکہ یہ تھانہ میرے انڈر آتا ہے اسی لیے مجھے خود اس کیس کی پڑتال کرنے کو کہا گیا تھا۔ میں کافی عرصے سے اسے ڈھونڈنے کی کوشش کررہا تھا۔ مسئلہ یہ تھا کہ وہ یہاں اپنی فیملی کے ساتھ وقت نہیں گزارتا' کبھی کبھی آتا تھا مگر ہمارے ہاتھ نہیں لگتا تھا۔ آج کل اس کے سب ٹھکانے ہماری نظر میں آچکے تھے تو اس نے اپنے گھر میں پناہ لی ہوئی تھی۔ آپ کا یہ محلہ چونکہ اس کے ڈر سے بالکل چپ ہے اس لیے کسی کو اس کی شکایت کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ ضوفی کی شکایت پر میں نے اچانک ایکشن لیا تھا تو یہ وہی شخص تھا سو ہمارا کام آسان ہوگیا۔ مجھے علم تھا آپ بار بار کیوں فون کررہی ہیں' مجھ سے کیوں ملنا چاہتی ہیں اسی لیے میں یہ کام نمٹا کر آنا چاہتا تھا۔ اپنے یہاں آنے سے پہلے میں اسے جیل بھیج کر آرہا ہوں۔" وہ کافی مطمئن انداز میں بتا رہا تھا۔

"آپ کو یہ سب کرنے سے پہلے کچھ نہ کچھ تو بتانا چاہیے تھا نا؟" اپنے اعصاب اور ذہن کو مطمئن کرتے کرتے پھر سوال کر بیٹھی۔

"کیا بتاتا آپ کو......؟ ہم پولیس والے اگر اپنے سب کیس کسی سے ڈسکس کرنے لگیں تو پکڑ چکے مجرموں کو......" وہ ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "پھر آپ کو کیا پتا اس نے ضوفی کو کیا دھمکی دی تھی؟" اس نے خالی خالی نظریں فوزان کی آنکھوں میں گاڑ دیں۔ ضوفی نے اسے ساری بات ضرور بتائی تھی۔ کیا دھمکی دی ہے اس بارے میں تو ضوفی نے نہیں بتایا تھا۔

"اس شخص نے ضوفی کو اٹھوا لینے کی دھمکی دی تھی' شاید اس دن عمل بھی کرچکا ہوتا' کیونکہ وہ ایک کوشش ضرور کرچکا تھا۔" وہ حیران پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس سامنے والی شخصیت کو دیکھنے لگی۔ کانوں کو اس انکشاف پر یقین نہیں آرہا تھا۔ "وہ تو خوش قسمتی سے جب وہ دونوں ماں بیٹا زبردستی آپ کے گھر میں داخل ہوئے تو چوکیدار اپنے کمرے میں گیا ہوا تھا۔ جب وہ زبردستی ضوفی کو کھینچ کر لے جارہے تھے تو وہ آگیا اور اس نے گن کی نوک پر انہیں گھر سے نکل جانے پر مجبور کردیا تھا۔" وہ یہ سب جانتی تھی مگر اندر کی باریک بینی اس کے علم میں نہیں تھی۔

"مگر چوکیدار نے تو مجھے کچھ نہیں بتایا۔" کانپتے ہونٹوں سے یہ جملہ پورا کیا۔

"اس واقعے کے فوراً بعد میرا ادھر آنا ہوا تو چوکیدار نے مجھے سب بتادیا۔ میں نے اسے کسی سے بھی ذکر کرنے سے منع کردیا تھا۔ اور ضوفی کو بھی منع کردیا خوامخواہ آپ پریشان ہوتیں۔"

"اوہ میرے خدا! اب کیا ہوگا؟" وہ زور و شور سے رونے لگی۔ اتنا کچھ ہوچکا تھا اور اسے کچھ خبر ہی نہیں تھی۔ وہ کیسی بہن تھی۔ اس کی یہ کیسی محبت تھی کہ بہن پر بیتنے والی قیامت کا اسے اندازہ ہی نہیں ہوا تھا۔

"لائبہ! پریشان مت ہوں۔ الحمدللہ سب ٹھیک ہوگیا ہے۔" فوزان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دی۔ وہ اس کی تسلی کی پروا کیے بغیر روتی رہی۔

"آپ تو صرف اتنی سی بات پر یوں ہراساں ہوگئی ہیں' آپ کو شاید ضوفی اور شہود نے یہ بھی نہیں بتایا ہوگا آپ کے گھر چوری کرنے والوں میں بھی یہ شخص شامل تھا۔" لائبہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "جب چوروں کو گرفتار کیا گیا تو انہوں نے پوچھ گچھ کے باوجود اپنے چوتھے ساتھی کا ذکر نہیں کیا۔ ان کا کہنا تھا وہ صرف تین تھے' اب اس کی گرفتاری کے بعد ہم نے اس کے اگلے پچھلے سب [illegible] کی تحقیقات کی تو اس نے خود یہ اگلا۔ اس کے ساتھیوں نے بھی اس کی نشاندہی کردی ہے۔ وہ جانتا تھا کہ ان دنوں شہود یہاں پر نہیں ہے اس کے اور اس کے ساتھیوں کے ارادے انتہائی گھٹیا تھے انہوں نے تو اقرار کیا ہے۔ یہ تو شکر تھا کہ اللہ نے آپ دونوں کی حفاظت کی' ورنہ......!" وہ رک کر اس کی نیلی شفاف آنکھوں میں دیکھنے لگا۔ جن پر خوف و ہراس اور ڈر نے لنگر جما دیا تھا۔ "لائبہ! اللہ تعالیٰ بڑا قادر المطلق ہے وہ حفاظت کرنے پر آئے تو دنیا کی کوئی بھی طاقت کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ وہ کسی نہ کسی طریقے سے سبیل نکال دیتا ہے۔ اس نے خود اقرار کیا ہے کہ وہ لوگ انتہائی کوشش کے باوجود آپ دونوں کے کمرے کا دروازہ کھولنے یا توڑنے میں کامیاب نہ ہوسکے تھے۔" وہ بے اختیار گھٹنوں میں منہ چھپا گئی۔ سامنے بیٹھے شخص کے سامنے یہ ذلت' یہ شرمندگی اور یہ بے چارگی۔ اس کا مرجانے کو جی چاہا۔

"کیا یہ بھی ابھی ہونا تھا۔ یہ بھی سننا تھا؟" وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس قدر ذلت کے بعد اس کے پاس سوائے آنسوؤں کے اور کوئی راہ فرار نہیں تھی۔

"لائبہ! پلیز خود کو سنبھالیں' وہ شخص اب کچھ نہیں کرسکے گا۔ وہ جس جگہ پر ہے وہاں سے نکلنا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ میں ان چند دنوں میں اس کے فرار کی ہر راہ بند کرآیا ہوں۔ اب آپ کو اس کی طرف سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔" وہ بہت اپنائیت اور سبھاؤ سے کہہ رہا تھا۔

"ماما پاپا آج زندہ ہوتے تو زندگی قدرے مختلف ہوتی۔ کم از کم یہ سب تو نہ ہوتا۔ زندگی یوں ہماری بے چارگی کو نہ آزماتی۔ اب تک وہ ضوفی کی کہیں نہ کہیں شادی کرچکے ہوتے' مگر میں کیا کروں اس کے لیے کوئی اچھا رشتہ آتا ہی نہیں۔ وہ بھی کسی کے لیے نہیں مانتی۔ وہ مجھے تنہا چھوڑ کر جانے پر آمادہ نہیں۔ بھیا' بھابی شاید اسے منالیں کوئی امید تو بندھے۔ اس کے لیے کوئی پرخلوص محبت اور چاہ سے رشتہ تو مانگے۔" وہ شاید خود کلامی میں بول رہی تھی۔ فوزان اس کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس وقت وہ بہت بکھری بکھری لگ رہی تھی۔ انہوں نے اس کا ہاتھ تھام کر دوسرے ہاتھ سے ہولے ہولے سہلانا شروع کردیا۔

"کب تک اس شخص کا فیصلہ ہوجائے گا؟" اپنے ساتھ بیٹھے فوزان کو دیکھنے لگی۔

"ابھی تو اس کا مقدمہ عدالت میں چلے گا۔ پھر ہی کوئی فیصلہ ہوگا۔"

"مجھے تو بہت ڈر لگ رہا ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ شخص دوبارہ باہر آئے' میں اس سے پہلے ضوفی کی شادی کردینا چاہتی ہوں' مگر اتنی جلدی کون اس سے شادی کرے گا' کہاں سے رشتہ لاؤں؟ جو بھی رشتہ آتا ہے میری وجہ سے واپس چلا جاتا ہے۔" فوزان اندازہ نہ لگا سکا وہ اسے بتا رہی ہے یا خود سے کہہ رہی ہے۔

"آپ لائبہ! بے فکر ہوجائیے۔ میں ہوں نا میری نظر میں ایک بہت اچھا رشتہ ہے۔ چند ایک دنوں میں

We at Paksociety.com
giving you the facility to
download urdu novels,monthly
digest,imran series etc with
direct links and alternatively
21 other mirrors.
for complaint about site not
opening contact us @
admin@paksociety.com or
message at 0336-5557121

اسے آپ سے ملواؤں گا۔“ فوزان کی بات پر بہت چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ بڑی تیزی سے اس کا ذہن کچھ سوچ رہا تھا۔

یہ شخص ہر مشکل میں اس کے کام آرہا تھا۔ جب سے ملا تھا بہت اپنائیت اور خلوص سے مدد کررہا تھا۔ ہر ملاقات میں اس کی اہمیت اس کی نظر میں بڑھتی جارہی تھی۔ اتنا مضبوط، باحوصلہ اور بارسوخ شخصیت رکھتا تھا۔ حالات کو اپنے حق میں ہموار کرنے کا پورا حوصلہ رکھتا تھا۔ ایسے ہی مرد تو لڑکیوں کے آئیڈیل ہوتے ہیں جو کسی لڑکی کو تحفظ دے دے وہ اس کی عزت کرنے لگتی ہے۔ وہ اسے بارہا آزما بھی چکی تھی تو پھر کیوں نا وہ اسے ضوفی سے شادی کے لیے کہہ کر دیکھ لے۔ وہ یقیناً انکار نہیں کرے گا۔ کوئی اور رشتہ چاہے کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو وہ فوزان صدیقی جیسا تو نہیں ہوگا۔ یہ خیال بجلی کی طرح ذہن میں کوندا تھا۔ وہ ایک دم پرجوش ہوگی ساری تفکرات ساری پریشانی یک لخت ختم ہوئی تھی۔ چہرے پر اک روشنی سی ابھر آئی۔ ضوفی کے لیے فوزان صدیقی سے بہتر ساتھی اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ یہ ایک بہن کی سوچ تھی۔ واقعی فوزان صدیقی نے پہلی ملاقات سے لے کر اب تک اس کی تمام مشکلوں کو حل کیا تھا۔ اس کی راہ کے ہر کانٹے کو ہٹانے کی کوشش کی تھی۔ جب یہ شخص اس کے ساتھ اتنا مخلص ہے تو ضوفی تو پھر پاک صاف لڑکی ہے۔ بالکل ایک ایسی لڑکی جس کی کوئی بھی ابن آدم آرزو کرسکتا ہے جو کسی کی بھی من چاہی خواہش ہوسکتی ہے تو پھر یہ بہترین شخص ضوفی کا مقدر کیوں نہیں بن سکتا۔ ضوفی ہر طرح سے مکمل لڑکی ہے انکار کی تو گنجائش ہی نہیں وہ خاموشی سے اس سے بڑے سبھاؤ سے بات کرنے کے لیے لفظوں کے تانے بانے بننے لگی۔ مناسب الفاظ تلاش کرنے لگی۔

”امی کے بعد یوں پاپا کی اچانک وفات سے ہم دونوں بالکل تنہا ہوگئی تھیں۔ ماما پاپا کے بغیر تو زندگی کا تصور ہی ناممکن تھا۔ اگر ان حالات میں بھیا، بھابی ساتھ نہ دیتے تو اتنا کٹھن سفر کبھی بھی سہل نہ ہوتا۔ بہت کچھ برداشت کیا ہے ہم دونوں نے...... اپنی طرف سے تو میں نے پوری کوشش کی کہ ضوفی کو ماما پاپا جیسا پیار دوں، ہر وہ چیز مہیا کروں جو وہ کرسکتے تھے مگر بعض معاملات میں خود بے بس ہوجاتی ہوں۔ پاپا کی شدید خواہش تھی کہ ان کی زندگی میں ہی ضوفی اپنے گھر کی ہوجائے مگر امی کی طرح انہیں بھی قدرت نے اتنا موقع ہی نہ دیا کہ وہ اس وقت کا انتظار کرتے۔ جاتے جاتے بھی انہیں صرف ہماری فکر تھی۔ انہوں نے ضوفی کو کسی بھی محرومی سے بچانے کے لیے مجھ سے اور بھائی سے وعدہ لیا تھا مگر میری وجہ سے وہ ہر بار دکھی ہوجاتی ہے۔ میرے مقدر کی سیاہی اس کا مستقبل تباہ کیے دے رہی ہے۔ لوگ آتے ہیں، دیکھتے ہیں، چلے جاتے ہیں، مگر دوبارہ لوٹ کر نہیں آتے۔“

”آپ اتنی شکست وریخت کا شکار کیوں ہورہی ہیں، اتنی ناامید کیوں ہیں؟ میں نے کہا نا میں سب سنبھال لوں گا آپ بے فکر رہیے، میں ہوں نا۔“ وہ اس کے اندر امید کی کرن جگانا چاہ رہا تھا۔ مایوسی کی گہری پاتال سے باہر کھینچ نکال لانا چاہتا تھا۔ وہ اس کے تمام آنسو اپنی پوروں سے چننے کی انتہائی خواہش رکھتا تھا۔ ایک عرصے سے گہری گرے گرین آنکھیں اسے پریشان کیے ہوئے تھیں وہ ان آنکھوں کو زندگی کی نئی انوکھی اور محبت بھری جوت بخشنا چاہتا تھا۔ وہ اس کے بکھرے بکھرے وجود کو خود میں سمیٹ لینا چاہتا تھا لیکن ابھی شاید وہ وقت نہیں آیا تھا، ابھی تو اسے اس کے تمام راستے ہموار کرنے تھے، اس کے اندر زندگی سے لڑنے کا حوصلہ پیدا کرنا تھا۔ اتنی جلدی ممکن نہیں تھا ابھی تو

اس کو تمام نئی خوشیاں واپس لوٹانی تھیں اور اس کی سب سے بڑی خوشی ضوفی کی شادی تھی۔ ابھی اسے انتظار کرنا تھا اور ان سب سے پہلے اس کے اندر اسے امید کی ٹوٹی لڑی کو جوڑنا تھا۔

’’ہاں، آپ ہیں نا...... آپ جو بن کہے میری ہر بات سمجھ جاتے ہیں۔ آپ نے میرا ہمیشہ ساتھ دیا ہے، پرخلوص مدد کی ہے، چاہے وہ کوئی بھی موقع ہو، آپ کے اس قدر احسان ہیں مجھ پر کہ میں کوشش کے باوجود نہیں اتار پاؤں گی۔ میں تو......‘‘

’’خدا کے لیے لائبہ پلیز! یہ تو میری بھی خواہش ہے آپ کو خوش دیکھنا، آپ مجھے کیوں شرمندہ کر رہی ہیں، یہ تو میرا فرض تھا۔‘‘ فوزان نے درمیان میں ہی اس کی بات کاٹ کر اسے مزید کچھ بھی کہنے سے روک دیا۔

’’فوزان صاحب! آپ میری ایک بات مانیں گے؟‘‘ کچھ جھجکتے ہوئے وہ اصل بات کی طرف آ گئی۔

’’آپ ایک نہیں، سو کہیے۔ میں اپنی پوری کوشش کروں گا۔‘‘ اس نے اسے ہمت دلائی۔

’’وہ میں چاہ......‘‘ وہ رک گئی۔ یہ اتنی بڑی بات ضرور تھی کہ مقابل کے سامنے ہچکچا رہی تھی۔ اس نے اپنی آنکھوں سے اس شخص کی اپنے لیے آنکھوں کی چمک دیکھی تھی پھر بھی وہ اتنا بڑا رسک لے رہی تھی صرف اور صرف ضوفی کے بہتر مستقبل کے لیے...... پتا نہیں وہ کیا جواب دے، اسے یہ بات اچھی بھی لگے گی یا نہیں۔ اس کا سرپٹ دوڑتا دل اندر ہی اندر ڈر بھی رہا تھا۔

’’میں ماما، پاپا کا وعدہ پورا کرنا چاہتی ہوں۔ میں کوئی اور ایسی صورت حال پیش آنے سے پہلے ضوفی کو مضبوط ہاتھوں میں دیکھنا چاہتی ہوں، آپ مجھ پر ایک آخری احسان کریں۔ آپ...... آپ...... ضوفی سے شادی کر لیں۔‘‘ وہ اٹک اٹک کر نظروں کو جھکائے کہہ رہی تھی۔

’’کیا......؟‘‘ ایک دھماکا تھا جو فوزان صدیقی کے اعصاب پر ہوا تھا۔ ایک خواب تھا جو یوں چکنا چور ہوا تھا، ایک محل تھا احساسات کا جو ان میں زمیں بوس ہوا تھا۔ ایک اعتماد تھا جو ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گیا تھا۔ وہ ششدر سا ایکدم اٹھ کھڑا ہوا۔ بے یقین نظروں سے لائبہ کو دیکھے گیا۔ آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔ ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا اتنی بڑی بات لائبہ افتخار نے کہی ہے۔ جس کے بارے میں نجانے کیا کیا جذبات دل میں محفوظ رکھے ہوئے تھا۔ کیا انوکھے خواب دیکھے تھے۔

’’پاگل ہو گئی ہو تم، ہوش میں تو ہو۔ جانتی ہو کیا کہہ رہی ہو؟‘‘ وہ تمام لحاظ بالائے طاق رکھے لائبہ پر برس پڑا۔ سوچ بھی نہیں سکتا تھا یہ لڑکی، یہ لائبہ افتخار جسے وہ دل کی بستی کی مالک بنائے بیٹھا تھا وہ یوں اس کے احسانوں کا کہہ کر اس کے منہ پر تمانچہ دے مارے گی۔ یہ لڑکی جسے کانچ سے بھی نازک تصور کر کے اس کو کرچی کرچی ہونے سے بچا رہا تھا۔ وہ اسے ہی زخمی کر دے گی۔ اس قدر دل شور مچانے لگا تھا کہ وہ اپنی کیفیت بھی نہیں سمجھ پا رہا تھا۔

’’ہاں...... جانتی ہوں میں کیا کہہ رہی ہوں۔ اگر آپ کو میری اتنی ہی پروا ہے، ہمارے درد سمیٹنے کا اتنا ہی شوق ہے نا تو پھر اس بات میں کیا مضائقہ ہے؟ جب ہر لمحے میری مدد کی ہے اس طرح ضوفی کا خیال رکھا ہے تو پھر اس میں کیا حرج ہے؟ ضوفشاں پڑھی لکھی لڑکی ہے خوب صورت ہے، اٹھنے بیٹھنے، اوڑھنے پہننے زندگی گزارنے کا سلیقہ ہے اور کیا چاہیے آپ کو...... ہر وہ خوبی جو ایک آئیڈیل لڑکی میں ہونی چاہیے وہ اس میں ہے۔ آپ کو بھی تو کسی نہ کسی سے شادی کرنی ہی ہے تو پھر اس ’’کسی نہ کسی‘‘ میں ضوفی کیوں نہیں ہو سکتی۔ کیا کمی ہے اس میں......؟ وہ یوں اس کے بلبلا کر چیخنے پر بول اٹھی تھی۔ اسے امید نہیں تھی کہ وہ اس بری طرح برہم ہو گا یوں بلا سوچے سمجھے فوراً انکار کر دے گا۔ وہ تو پتھر بنا اسے دیکھ رہا تھا، اس کی آواز سن کر بھی دل کا شور کم نہیں ہوا تھا۔ کان یقین پر آمادہ نہیں ہوئے تھے۔

’’میں سوچ بھی نہیں سکتا لائبہ! آپ میرے لیے ایسی بات کہیں گی۔ وہ لڑکی جسے میں نے آج تک کسی اور ہی نظر سے دیکھا ہے، آپ اس سے مجھ کو شادی کرنے کا کہہ رہی ہیں۔ کتنی غلط بات کہی ہے آپ نے، آپ نے یہ سوچ بھی کیسے لیا؟‘‘ وہ اس پر دیوانوں کی طرح برہم ہوتا ہوا باز پرس کر رہا تھا۔ وہ تھوڑا سا خائف ہوئی۔

’’یہ اتنی غلط بات بھی تو نہیں۔ وہ نامحرم ہے، محرم تو نہیں ہے آپ کی...... جس کے بارے میں سوچتے ہوئے آپ گھبرائیں۔ اب سوچ لیجیے۔ ویسے بھی......‘‘ وہ پوری طرح اپنے موقف پر ڈٹی ہوئی تھی۔ وہ اسے ہر حال میں قائل کرنا چاہتی تھی اس کے پاس اس کے لیے ہزارہا دلائل بھی تھے۔

’’بس کیجیے لائبہ افتخار صاحبہ بس......!‘‘ اس نے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید کچھ کہنے سے روک دیا۔ لائبہ کی بات نے اس کے دل پر آرے چلا دیئے تھے۔ اس کے وجود کو کانٹوں پر گھسیٹ لیا تھا برداشت جواب دینے لگی، وہ ساری احتیاطیں بھول بیٹھا۔ ایک دم اس کی طرف آ گیا۔ اس کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھ کر دباؤ ڈال دیا تھا۔ لائبہ کا دوپٹا اس پیش قدمی پر کندھوں سے ڈھلک کر بائیں بازو پر آ گرا تھا۔ لائبہ کو لگا اس کے کندھے فوزان صدیقی کے فولادی ہاتھوں کے دباؤ سے پیس دیئے جائیں گے۔

’’محرم تو آپ بھی نہیں، نامحرم ہی ہیں میرے لیے...... پھر ضوفشاں کیوں...... آپ کیوں نہیں......؟ ضوفی کے لیے تو میں نے ایک بہت اچھا لڑکا سوچ رکھا تھا ایک ایسا لڑکا جیسا ایک محبت کرنے والا بھائی اپنی بہن کے لیے سوچ سکتا ہے لیکن آپ...... آپ نے تو لائبہ...... میں یقین نہیں کرتا آپ نے میری آنکھوں میں لکھی تحریر نہ پڑھی ہو۔ میرے جذبوں کی آنچ آپ تک نہ پہنچی ہو۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ میں نے تو ضوفی کے لیے زبیر کے بارے میں سوچ رکھا تھا۔ اگر یہ معاملہ درمیان میں نہ ہوتا تو اب تک میرے گھر والے آپ لوگوں سے اس سلسلے میں بات کر چکے ہوتے۔ میں نے آپ کو اس لیے نہیں بتایا کہ میں آپ کو سرپرائز دینا چاہتا تھا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا جب یہ اچانک خوشی سنیں گی تو آپ کی گرے کرین آنکھوں سے ڈر خوف کی لپٹی کہر کی تہہ اتر کر آپ کی آنکھوں میں کتنے جگنو جگمگائیں گے، مگر لائبہ آپ...... آپ نے سارا کیچڑ میرے منہ پر اچھال دیا ہے۔ جو لوگ ذلت کی تکلیف سے گزرتے ہیں وہ دوسروں کو کبھی نہیں آزماتے اور آپ نے کب محسوس کیا کہ میں ضوفشاں میں دلچسپی رکھتا ہوں۔ بتائیں کب آپ نے میری آنکھوں میں ایسی گندگی محسوس کی کہ ایسی بات کہہ دی؟ آپ کیا جانیں‘‘ مجھے کتنی تکلیف ہو رہی ہے۔ میں تو اپنی نظروں سے گرنے لگا ہوں۔‘‘ وہ اس کے کندھوں کو تھامے ایسے دل گرفتہ انداز میں سب کہہ رہا تھا وہ جو اس کو قائل کرنے کے لیے ہزار جواز سوچ چکی تھی اس قدر شدید ردعمل پر اپنی جگہ شرمندہ ہو کر رہ گئی۔ اس نے آج سے پہلے کبھی فوزان صدیقی کو اس قدر ٹوٹا پھوٹا اور جذباتیت میں اس قدر بے اختیاری میں اپنی طرف بڑھتے نہیں دیکھا تھا۔ اس کی

نظریں جھک گئیں۔

"لائبہ! آپ نے میرے ہمدردی جتانے میرے پرخلوص مظاہرے کو غلط نگاہ سے دیکھا ہے، مجھے آپ سے تعلق خاطر کا کوئی دعویٰ نہیں۔ پہلی نظر، ہاں لائبہ افتخار وہ پہلی نظر ہی تھی جب آپ میرے اندر تک اتر گئی تھیں۔ میں چاہوں بھی تو آپ سے کٹ کر نہیں رہ سکتا۔ صرف ایک جھلک دیکھ کر، ایک ملاقات کے بعد اپنی ساری زندگی آپ کے نام بے سوچے سمجھے کردی تو کوئی طلب یا چاہ نہیں کی تھی۔ قدرت نے دوبارہ ہم دونوں کو ملایا ہے تو میں نے سوچا یہ موقع نہیں کھونے دوں گا، بہت عرصہ انتظار کیا اب موسموں کو بے رنگ نہیں کروں گا۔ کچھ خون کی طرح وجود میں گردش کرتے ہیں، آپ بھی ان ہی میں شامل ہیں، مجھے اپنی ذات کا حصہ لگتی ہیں جس کے لیے خود قدرت نے مجھے آپ کے پاس اچانک بھیجا تھا میرے دل میں آپ کے لیے محبت پیدا کی، احساس جگایا۔ میں جانتا تھا آپ ضوفی سے پہلے اپنے بارے میں کبھی نہیں سوچیں گی، اسی لیے میں چاہتا تھا کہ پہلے زبیر اور ضوفی کی شادی ہوجائے پھر آپ سے اپنے بارے میں بات کروں گا۔" وہ سرسراتے لہجے میں اس سے کہہ رہا تھا۔ کوئی اسے اس قدر چاہتا ہے وہ حیرت سے گنگ رہ گئی۔ کئی آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر رخساروں پر گرنے لگے تھے۔ وہ اس قدر سچی محبت کی حق دار نہیں تھی۔

"لیکن لائبہ آپ اس قدر انجان بن جائیں گی، مجھے اندازہ نہ تھا۔" اس کے کندھوں سے اپنے ہاتھ اٹھا کر دوپٹا دوبارہ اس کے کندھوں پر پھیلا کر اس نے اس کے دونوں ہاتھوں کو تھام کر ایک بھرپور شکوہ کیا تھا۔

"آئی ایم سوری۔" کافی رقت آمیز لہجے میں وہ بول پائی تھی۔ "فوزان! آپ کے جذبوں کی میں قدر کرتی ہوں۔ آپ نے میرے بارے میں اس انداز میں سوچا یہ میری خوش بختی ہے۔ آپ آج صرف چند واقعات کے علاوہ میرے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ کچھ بھی تو پتا نہیں آپ کو...... اگر جان جائیں تو شاید آپ یہ الفاظ کبھی نہ کہیں۔ میں خوش فہمیوں میں مبتلا نہیں ہوتی تو پھر میں آپ کی آنکھوں کی تحریر پر کیوں ایمان لاتی؟ صرف ایک بار زندگی نے بہت بڑا دھوکا دیا ہے اب کسی اور حادثے سے دوچار ہونے پر آمادہ نہیں ہوں۔" اپنا ہاتھ آہستگی سے چھڑوا کر وہ صوفے پر بیٹھ گئی۔ "مجھے معاف کردیں مجھے شاید اس طرح آپ سے یہ بات نہیں کہنی چاہیے تھی۔" لائبہ کی آواز میں ندامت کے ساتھ ساتھ حسرت و یاس کی کیفیت بھی شامل تھی۔ فوزان صدیقی محسوس کرکے فوراً اس کے پاس بیٹھا تھا۔

"میرے دل پر صرف ایک نقش ثبت ہوا تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس نے اپنا آپ منوالیا۔ آپ کیا ہیں، مجھے اس سے کچھ سروکار نہیں۔ آپ کے بارے میں میں کچھ بھی نہیں جاننا چاہتا۔ بس آپ دنیا کی سب سے اچھی لڑکی ہیں۔ اس کی گواہی پہلی نظر میں آپ کی آنکھوں نے اور پھر میرے دل نے دی تھی، دل کی گواہی ہمیشہ سچی ہوتی ہے اور میں ایمان لے آیا۔ اس کے بعد مجھے کچھ بھی جاننے کی جستجو نہیں۔" فوزان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے حوصلہ دیا۔ "جب تک آپ سے دوبارہ ملاقات نہ ہوئی میرا دل آپ کے متعلق معلومات حاصل کرنے پر مجھے اکساتا رہا، جب سے دوبارہ ملا ہوں یہ خواہش بھی نہیں رہی۔ آپ مجھے ہر حال میں، ہر حیثیت سے قبول ہیں۔" وہ مزید کہہ رہا تھا۔ اس نے اپنے بہتے آنسو صاف کیے۔

"پہلے شاید میں آپ کو اپنے متعلق کبھی کچھ نہ بتاتی مگر اب آپ کے لیے میرے متعلق جاننا بہت ضروری ہوگیا ہے۔ میں آپ پر واضح کردوں کہ میں کوئی غیر شادی شدہ لڑکی نہیں ہوں بلکہ ایک طلاق یافتہ لڑکی ہوں، جسے اس جرم کی پاداش میں طلاق دے دی گئی جو اس نے کیا ہی نہیں تھا۔" وہ اب پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ فوزان نے اس کے کندھے پر رکھا اپنا ہاتھ اٹھالیا۔ اسے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اب کیا کرے۔ کیسے وہ کوئی حرف تسلی دلائے، کوئی جگنو اس کی جھولی میں ڈالے۔ اس نے اس سے محبت کی تھی بڑی سچی اور بے ریا۔ حقیقت میں اس کو اس خبر سے شاک پہنچا تھا اور اس شاک سے فوراً نکلنے کے لیے اسے کوئی راستہ نہیں مل رہا تھا۔ وہ بول رہی تھی، اپنے بارے میں بتارہی تھی۔ وہ اپنی ہر سوچ کو جھٹک کر، ہر خیال کی نفی کرکے صرف اور صرف اس کی بات سننے لگا تھا۔

* * *

"میں لائبہ افتخار جسے صرف زندگی میں محبت ہی محبت ملی۔ ہرسوں خوشیاں رقصاں تھیں۔ آسائشات مہیا تھیں۔ زندگی خواب سے بھی زیادہ حسین تھی۔ لوگ دکھوں اور غموں کی باتیں کرتے تو میں حیران ہوتی، بھلا اس دنیا میں بھی غم ہوسکتے ہیں، کوئی دکھ میں بھی مبتلا ہوسکتا ہے، جب یہی سوال میں ماما سے کرتی تو وہ مجھے سمجھاتیں۔

"لائبہ بیٹا! دنیا میں ہر انسان کی زندگی میں خوشی کے ساتھ غم بھی ہوتے ہیں۔ یہاں کوئی بھی انسان مکمل نہیں ہے۔ ہر کوئی اپنے اپنے درد کی آگ میں جل رہا ہے۔ ہر انسان سچی خوشیوں کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ ہر کوئی صرف اور صرف خوشیاں مانگتا ہے، خوشیاں، آسائشیں اور محبتیں حاصل کرنے کی لگن میں وہ بھٹکتا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کی زندگی بے توازن ہوجاتی ہے، اگر ایک انسان کی جھولی میں وقت خوشیوں کے جگنو ڈالتا ہے تو اس کو اپنی زندگی سے غم بھی سہنے پڑتے ہیں۔ جس طرح خزاں کے بعد بہار آتی ہے اور پھر وہ بھی گزر جاتی ہے اس طرح غموں کے بعد خوشیاں اور خوشیوں کے ساتھ غم۔ یہی سلسلہ ازل سے چلتا آرہا ہے اور تاقیامت چلتا رہے گا۔ یہاں دنیا میں کوئی بھی چیز مستقل نہیں، جو آج یہاں آیا ہے اسے کل چلے بھی جانا ہے۔ کوئی چیز دائمی نہیں۔ ہر ایک فانی ہے۔ اگر کسی کو فنا نہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ وہ حیَ القیوم ہے ازل سے ابد تک ہے۔ اسی کے حکم سے پتا تک سرکتا ہے سو اس دنیا میں توازن ہے ورنہ یہ دنیا پلک جھپکنے میں ہی فنا ہوجائے۔ خوشی اور غم زندگی سے مشروط ہیں جب ہم اللہ تعالیٰ پر پختہ یقین کرلیں گے، ہر بات کو اس کی رضا سمجھ کر قبول کریں گے تو ہم پر بھی غم خوشیوں کی مانند محسوس ہوں گے۔"

زندگی اور اس کے تلخ حقائق جو برحق تھے ان کے بارے میں ماما کا فلسفہ عجیب نہیں تھا مگر میری سمجھ سے بالاتر تھا۔ اس وقت تو میں یہ باتیں نہ سمجھ سکی مگر وقت اور حالات نے سب باور کروادیں۔ میری ماما بہت ہی نیک اور صالح خاتون تھیں۔ اللہ تعالیٰ سے ہر وقت ڈرتی تھیں، ہماری تربیت بھی انہوں نے بہت ہی مذہبی ماحول میں کی تھی۔ وقت اور حالات کے بدلتے تقاضوں میں بھی انہوں نے ہمیں مذہب سے دور نہیں ہونے دیا تھا۔ وقت کا پہیہ ذرا آگے سرکا تو اس وقت میں ایف ایس سی کے امتحان دے کر فارغ تھی۔ پھوپو کینیڈا سے اپنے بیٹے رمیز کے ساتھ ہم لوگوں سے ملنے آئی ہوئی تھیں۔ میری زندگی کا محور میرے والدین، ضوفی، تایا ابو کی فیملی تھی۔ بچپن سے میری زندگی انہی رشتوں کے گرد گھومتی تھی۔ دوستوں کا شروع سے ہی ایک مقام تھا مگر میں نے ان کو ان رشتوں پر حاوی نہیں ہونے دیا تھا۔ بچپن سے میری

نسبت رمیز سے طے تھی۔ مجھے یاد ہے جب پہلی دفعہ پھوپو پاکستان آئی تھیں تو اس وقت میری عمر لگ بھگ پانچ سال کی ہوگی یا پھر اب لوٹی تھیں۔ شعور کی منزل پر قدم رکھنے کے بعد میں نے پہلی دفعہ رمیز کو دیکھا تھا اور اس نے بھی۔ یہ سترہ اٹھارہ سال کی عمر ایسی ہی انہونی ہوتی ہے۔ ہر چمکتی چیز سونا لگتی ہے۔ بچپن سے جس کا نام اپنے ساتھ سنتی آئی تھی اس کا اس قدر خوب صورت روپ دیکھ کر دل بھی مچل اٹھا تھا۔ ان کہی خواہشات اور لامحدود خوابوں کے لیے، ایسے میں رمیز کی باتیں، اس کی تعریفیں، مجھے کسی اور ہی دنیا کی سیر کرواتیں، میں بالکل فارغ تھی، نہ پڑھائی کا جھنجٹ تھا اور نہ ہی ماما پاپا کی طرف سے کوئی حد بندی۔ کہتے ہیں خالی دماغ شیطان کا گھر ہوتا ہے۔ میں بھی ہولے ہولے رمیز سے متاثر ہونے لگی۔ بچپن سے ایک تصور ذہن میں قائم تھا، اس تصور کو تعبیر کے روپ میں مجسم دیکھ کر ان گنت خواب آنکھوں میں اترنے لگے۔ میں آہستہ آہستہ ان جذبوں کی اسیر ہوتی گئی۔ پور پور رمیز کی محبت میں ڈوبنے لگی۔ رمیز کی محبتیں، شدتیں اور چاہتیں ایک طرف...... پھوپو مجھ پر الگ نثار ہوتیں۔ مجھے اپنا آپ بڑا پیارا جدا اور انوکھا لگنے لگتا۔ خود کو دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی تصور کرتی۔

"غزالہ! بس اس دفعہ آئی ہوں تو میری یہ خواہش پوری کردو۔ تم میرے چاند کو میری جھولی میں ڈال دو۔ بہت انتظار کرلیا، اب صبر نہیں ہوتا۔" میں اکثر ایسی ہی باتیں پھوپو کو ماما سے کہتی سنتی۔ ماما دھیمے سے مسکرا دیتیں۔ شاید پھوپو اسی مقصد کے لیے آئی تھیں۔ میں ان کی اتنی زیادہ محبت کے مظاہرے پر اور نہال ہوجاتی۔ میں رمیز سے چھپتی رہتی۔ کوشش کرتی اس سے سامنا کم ہی ہو۔ میں جہاں بھی جاتی وہ پیچھے چلا آتا۔

"تم میرے سامنے رہا کرو، یوں چھپنے کی کوشش مت کیا کرو۔" وہ مجھے دیکھتے ہوئے والہانہ انداز سے کہتا اور میں مارے شرم کے کچھ کہہ ہی نہ پاتی۔ وہ ہر بات کہہ دینے میں اتنا ہی بے باک تھا۔ کینیڈا جیسی فضاؤں میں پل بڑھ کر جوان ہونے والا خود بھی بہت ساحر شخص تھا۔ میں دل ہی دل میں مسکراتی رہتی۔

ایک دن اچانک پاپا کو اسلام آباد سے لاہور ٹرانسفر کے آرڈر مل گئے۔ پھوپو کچھ عرصے یہیں رہنے کے ارادے سے آئی تھیں۔ اس نئی افتاد پر پریشان ہوگئیں۔ وہ بار بار شادی کا کہہ رہی تھیں۔ پاپا اتنی جلدی، اتنی کم سنی میں میری شادی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ وہ مسلسل پھوپو کو ٹال رہے تھے۔ بس ہم خاموشی سے لاہور جانے کی تیاریاں کرنے لگے۔ میرا دل اسلام آباد چھوڑ کر جانے کو نہیں چاہ رہا تھا اور پاپا کے بغیر بھی میں نہیں رہ سکتی تھی۔ رمیز سے نئی نئی محبت، بچھڑنے کا دکھ اور پاپا کا ٹرانسفر، میں بہت زیادہ اداس تھی۔ پھوپو نے تایا ابو سے کہہ کر آخر کار پاپا کو راضی کر ہی لیا کہ اگر شادی نہیں کرنا چاہتے تو نکاح کردیتے ہیں۔ جب میں پڑھائی سے فارغ ہوجاؤں پھر رخصتی ہوجائے گی۔ تایا ابو راضی تھے تو پاپا کو بھی ماننا پڑا۔ ساتھ ہی پھوپو نے یہاں کچھ عرصہ رہنے کا ارادہ بھی ملتوی کردیا۔ ہمارے لاہور جانے سے ایک ہفتہ پہلے ایک سرمئی سی شام میں میرا نکاح رمیز سے ہوگیا۔ رمیز بہت خوش تھا۔ خوشی اس کے چہرے سے پھوٹی پڑ رہی تھی اور اسے خوش ہوتے دیکھ کر میں بھی خوش تھی۔ من چاہے جیون ساتھی کو اپنا لینے کا خواب ایسا روح پرور تھا۔ میں اللہ کا جتنا بھی شکر ادا کرتی کم تھا۔ مارے تشکر کے میری آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ سارے دن کی تھکن سے چور ہوکر ابھی ابھی لیٹی ہی تھی کہ رمیز چلا آیا۔ مارے گھبراہٹ کے میں اٹھ بیٹھی۔ حقیقتاً میں رمیز کی اس وقت آمد پر حیران ہورہی تھی۔ ہمارا خاندان اگر اتنا قدامت پرست نہیں تھا تو اتنا آزاد خیال بھی نہیں تھا کہ یوں ہمیں اتنی آزادی دے دی جاتی۔

"ہماری نیندیں اڑا کے محترمہ سونے کی تیاری کررہی ہیں؟" وہ میرے قریب ہی بستر پر بیٹھ گیا اور میرا ہاتھ تھام کر محبت پاش نظروں سے دیکھنے لگا۔ مجھ سے تو جواب میں بولا بھی نہ گیا۔

"آ...... آپ کیوں آئے ہیں؟" بڑی دقت سے میں بولی تھی۔

"لائبہ! تمہاری آواز بہت پیاری ہے، جیسے کوئی جھرنا بہہ رہا ہو۔" وہ میری آواز کی تعریف کررہا تھا۔

"آپ پلیز یہاں سے جائیں، اگر کوئی آگیا تو......؟" اس وقت میرے سر پر کسی کے آجانے کا خوف سوار تھا۔ پتا نہیں رمیز کیا کیا کہہ رہا تھا۔ میں تو کچھ سننے کی پوزیشن میں ہی نہیں تھی۔ میری بے اعتمادی، بے توجہی و بے پروائی محسوس کرکے وہ ناراض ہوکر چلا گیا تو میری جان پر بن آئی۔ وہ ساری رات میں سو نہ سکی۔

اگلے دو تین دن یونہی گزر گئے۔ رمیز مجھ سے ناراض ہی رہا۔ جس دن ہمیں جانا تھا اس سے صرف دو دن ہی پہلے رات کا کھانا کھا کر برتن دھو کر میں اس کے کمرے میں آگئی۔ نکاح کے بعد ماما پاپا نے ہم پر ملنے اور بات کرنے پر کوئی پابندی نہیں لگائی تھی۔ مجھ سے اس کی ناراضگی برداشت نہیں ہورہی تھی، اسی لیے میں نے خود ہی منانے میں پہل کرلی تھی۔ وہ بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ مجھے دیکھ کر منہ موڑ لیا۔

"میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ آپ مجھ سے کیوں ناراض ہیں؟ میں نے تو ایسا کچھ نہیں کیا۔" میں پریشانی سے کھڑی کہہ رہی تھی کہ رمیز پر مطلق اثر نہ ہوا۔ "رمیز پلیز یوں ناراض تو مت ہوں۔" میں جھجکتے ہوئے بیڈ کے کنارے پر ہی ٹک گئی۔ غیر ارادی طور پر میرا ہاتھ رمیز کے کندھے پر پڑ گیا تھا۔

"تمہیں کیا پتا تم میرے لیے کیا ہو۔ تم جب یوں بداعتمادی کا مظاہرہ کرتی ہو تو خود پر بہت غصہ آتا ہے۔" خدا خدا کرکے رمیز کی چپ ٹوٹی تھی۔ میں نے شکر ادا کیا۔

"کہا نا آئی ایم سوری۔ معاف نہیں کریں گے؟" ہلکی پھلکی ہوتے ہی میں نے پھر کہا تو وہ مسکرا دیا۔ اپنے کندھے پر رکھا میرا ہاتھ اس نے اپنے ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔

"یہ آخری بار ہے اگر تم آئندہ یوں کروگی تو میں بہت ناراض ہوں گا۔" مسکراتے ہوئے وہ مجھے تنبیہہ بھی کر گیا تھا۔ اگلی شام وہ مجھے پاپا کی اجازت سے باہر لے گیا تھا۔ ہم نے بہت سا وقت اکٹھے گزارا تھا۔ رمیز نے مجھے گفٹ دیا تھا۔ میں بچوں کی طرح خوش ہوتے ہوئے پیک کھولنے لگی۔ یہ ایک خوب صورت رنگ تھی جو اس نے نکاح کے لیے خریدی تھی اور اس رات وہ مجھے یہی دینے آیا تھا مگر اب دے رہا تھا۔ میں اس محبت بھرے مظاہرے پر بے پناہ خوش ہوگئی۔

"کیسی ہے؟" اس کی مدھ بھری آواز ابھری تھی۔

"بہت ...... بہت پیاری......" میں انگوٹھی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔ تبھی اس نے انگوٹھی میرے ہاتھ سے لے کر میری انگلی میں پہنا دی۔

"تمہارے ہاتھ کی زینت بن کر اس کی خوب صورتی اور دوبالا ہوگئی ہے۔" اسے فضا کو اپنے موافق کرنے کا ہنر آتا تھا۔ میرے ہاتھ کی پشت کو ہونٹوں سے لگا کر کہا تو میں مارے حیا کے پلکیں ہی نہ اٹھا سکی۔ وہ میرا اعتماد بحال کرنے کو بے شمار باتیں کرتا رہا تھا۔ بہت جلد میں اس سے بے تکلف ہوگئی۔ ہم دونوں

بڑی خوشی سے مستقبل کی پلاننگ کرنے لگے۔

اگلے روز ہم لاہور آ گئے۔ ہماری روانگی کے وقت رمیز بہت ہی افسردہ تھا۔ ”مجھے بھول تو نہیں جاؤ گی۔ دیکھو تم مجھے یاد رکھنا۔ میں تمہیں اکثر فون کروں گا۔ ای میلز بھی بھیجا کروں گا۔ یہاں سے کینیڈا جانے سے قبل تم سے ملنے آؤں گا۔“ وہ میرے ساتھ چلتے ہوئے ہزار تاکیدیں کر رہا تھا اور میں اس کی ہر فرمائش پر مسکراتے ہوئے سر ہلاتی جا رہی تھی۔ میں اپنی ہزار تسلیوں اور امیدوں کے جگنو اس کے ہاتھوں میں تھما کر اس کی بے پناہ محبتیں اور شدتیں اپنے دامن میں سمیٹ کر جہاز میں بیٹھ گئی۔ لاہور میں سیٹل ہونے میں کچھ وقت لگا تھا۔ لاہور آنے کے ایک مہینہ بعد پھوپو اور رمیز ہم سے ملنے آئے تھے۔ دو دن ہمارے ساتھ گزار کر دونوں کینیڈا چلے گئے۔ شروع دنوں میں مجھے اس کی بہت یاد آتی تھی۔ وہ اکثر فون کرتا رہتا تھا۔ ای میلز بھی بھیجتا تھا۔ وقت سہولت سے گزرنے لگا۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس کی محبتوں اور شدتوں میں بھی اضافہ ہو چکا تھا اور میں اپنی پڑھائی میں مگن ہو گئی۔

ہمارے ماما پاپا نے سب سے پہلے ہمارا نصب العین پڑھائی ہی رکھا تھا۔ ضوفی ابھی چھوٹی تھی، اسے ان باتوں کی پروا ہی نہیں تھی اور ماما نے ہم سے دوستی کا رشتہ رکھنے کے باوجود اپنی مامتا سے محروم نہیں رکھا تھا۔ سب کچھ ٹھیک تھا...... دیکھتے ہی دیکھتے پلک جھپکنے میں دو سال کا عرصہ بیت گیا۔ میں بی اے کے امتحانات دے کر فارغ تھی اور گھر پر بھرپور توجہ دے رہی تھی، تبھی میں نے محسوس کیا کہ پاپا ان دنوں بہت پریشان رہنے لگے ہیں۔ پاپا اپنی مشکلات اور مسائل سے ہم بہنوں کو دور ہی رکھتے تھے۔ سوائے ماما کے وہ اپنی باہر کی باتیں کسی اور سے شیئر نہیں کرتے تھے۔

میں بہت اچھی مقررہ رہی ہوں۔ الحمدللہ ان میں میں نے بے شمار انعامات جیتے تھے۔ نہ تو میرا شمار فطین بچوں میں ہوتا تھا اور نہ ہی نکمے اسٹوڈنٹس میں۔ میں تقریباً ذہین ہی تھی۔ ہمیشہ فرسٹ ڈویژن اے پلس گریڈ سے نمایاں مارکس لے لیتی تھی۔ اچانک ایک دن ہماری پرنسپل نے فون کر کے مجھے تقریری مقابلے میں شمولیت کا کہا۔ اپنے کالج والوں کی جانب سے میں نمائندگی کر رہی تھی۔ لاہور کے بڑے بڑے تمام کالجز اور اسکولز کے طلبہ و طالبات اس مقابلے میں حصہ لے رہے تھے۔ کافی بڑے پیمانے پر مقابلہ کروایا جا رہا تھا۔ چونکہ ابھی میرا رزلٹ آؤٹ نہیں ہوا تھا اسی لیے میں نے کالج کی فورتھ ایئر کی طالبہ کی حیثیت سے مقابلے میں حصہ لیا۔ حسب روایت میں نے یہ معرکہ بھی سیکنڈ پوزیشن سے سر کر لیا تھا۔ فرسٹ پوزیشن کسی لڑکے کی تھی۔ فرسٹ پوزیشن نہ لینے کا دکھ تو تھا مگر مقابل لڑکے کی تقریر بہت اچھی تھی۔ میں اپنی سیکنڈ پوزیشن پر ہی بہت خوش تھی اور اپنی خوشی شیئر کرنے کے لیے جب میں گھر پہنچی تو پاپا ڈرائنگ روم میں تھے۔ ضوفی ان دنوں تایا ابو کے ہاں اسلام آباد گئی ہوئی تھی۔

”پاپا جانی! دیکھیے آپ کی چیمپئن نے ٹرافی جیتی ہے۔“ ہماری پاپا سے بہت دوستی تھی اس لیے کبھی کبھی ہم بے تکلفی پر بھی اتر آتے تھے۔ پاپا اس وقت کسی شخص کے ساتھ مصروف تھے، مجھے قطعی علم نہ تھا، میں یکدم اندر گھس گئی اور خوشی سے پاپا کے گلے میں بازو ڈالے بتانے لگی۔ پاپا بہت ہی حلیم و شفیق طبیعت کے مالک تھے۔ میں نے کبھی بھی ان کو انتہائی غصے میں نہیں دیکھا تھا مگر جب میں نے ان کے چہرے کی طرف دیکھا تو وہاں غیظ و غضب کی بجلیاں چمک رہی تھیں۔ مجھے دیکھتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کے ایک طرف صوفے پر کسی اور کو بھی دیکھ کر حقیقتاً میں پریشان ہو گئی۔ وہ شخص بے باک نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔ میں اس کی نظروں سے ڈر کر ایک دم پیچھے ہٹ گئی۔

”بیٹا! آپ باہر جائیے۔ اس وقت میں مصروف ہوں۔“ پاپا کے چہرے کی طرح ان کی آواز بھی بہت سپاٹ تھی۔ میں فوراً باہر بھاگی، بعد میں پاپا نے پوزیشن کے بارے میں پوچھا تو میں انہیں خوش خوش ساری صورت حال بتانے لگی۔ وقتاً فوقتاً مجھے وہ نظریں پریشان کرتی رہی تھیں مگر میں ہر بار سر جھٹک کر خود کو مطمئن کر لیتی تھی۔ یہ ایک معمول کی حرکت تھی۔ اکثر ایسا ہو جاتا ہے مگر وہ شخص مجھے پریشان کر رہا تھا۔ جس کی وجہ سے میرے پاپا پریشان تھے۔ پاپا نے آئندہ مجھے یوں بلا جھجک کمرے میں داخل ہونے سے منع کیا تھا۔ میں وجہ نہ سمجھ سکی۔ مجھے اپنی اس چھوٹی سی غلطی کا احساس اور معاملے کی نزاکت کا علم اس وقت ہوا جب تین چار دن بعد رات کو ماما پاپا کے کمرے میں چائے کے مگ اٹھانے آئی تھی۔ اندر سے آنے والی آوازوں نے میرے قدم باہر ہی جکڑ لیے۔

”آپ ٹرانسفر کروا لیں۔ آخر کب تک وہ شخص ہمیں بلیک میل کرے گا؟“ ماما پاپا کو مشورہ دے رہی تھیں، ان کی آواز بھی کافی متفکر تھی۔

”ٹرانسفر کروانا اتنا آسان نہیں ہے، جتنا تم سمجھ رہی ہو۔ میں نے درخواست دے رکھی ہے۔ دیکھو کیا ہوتا ہے۔ فی الحال تو اصل مسئلہ اس شخص کا ہے۔ میں نے اپنی ساری سروس کے دوران ایک روپے کا گھپلا نہیں کیا کہاں اڑھائی کروڑ......! وہ مسلسل دباؤ ڈال رہا ہے کہ میں اس کے کاغذات کلیئر کر دوں۔ اب تو جب سے اس نے پری کو دیکھا ہے بلیک میلنگ کر رہا ہے۔ الٹی سیدھی دھمکیاں دے رہا ہے۔ حتیٰ کہ اغواء کروانے کا بھی کہہ رہا ہے۔“

”پریشان مت ہوں۔ میں تو سوچ رہی ہوں پری کو اسلام آباد بھائی صاحب کے پاس بھجوا دیں۔ کیا پتا اس بدمعاش کا، کچھ کر نہ دکھائے۔ اتنے تو تعلقات ہیں اس شخص کے۔ عام شخص تو ہے نہیں وہ۔“ ماما پاپا اور بھی نجانے کیا کیا کہہ رہے تھے میرا ذہن خود پر مرکوز دو بے باک نظروں میں الجھنے لگا۔

اگلے تین چار دنوں میں پاپا نے میرے اور ماما کے اسلام آباد جانے کے تمام انتظامات کروا دیئے۔ نائمہ مشتاق میری بہت اچھی دوست تھی۔ لاہور آ کر ہی میری اس سے دوستی ہوئی تھی۔ امتحانات کے بعد اس کی شادی طے تھی۔ اس نے بطور خاص مجھے فیملی کے ساتھ مدعو کیا تھا۔ ہمارے آپس کے تعلقات گھریلو سطح پر قائم تھے۔ جب اسے علم ہوا کہ میں اس کی شادی میں شرکت نہیں کر رہی بلکہ اسلام آباد جا رہی ہوں تو وہ اپنی ماما کے ساتھ ہمارے گھر آئی تھی۔ ہماری روانگی سے صرف تین دن بعد اس کی شادی تھی۔ اس نے ماما پاپا سے خاص طور پر تاکید کی تو پاپا نے شادی میں شرکت کی اجازت دے دی۔ میں بھی بہت خوش تھی کہ میں بھی اپنی عزیز از جان دوست کی شادی میں شرکت کر سکوں گی۔ ابو نے پہلی ٹکٹیں کینسل کروا کر شادی کے بعد کی سیٹیں بک کروا دیں۔ جس دن شادی تھی پاپا بہت مصروف رہے تھے۔ میں اور ماما ہی شادی میں گئے تھے۔ رات کی تقریب تھی، پاپا رات کو بھی فارغ نہ تھے۔ کوئی پارٹی آئی ہوئی تھی اسی لیے پاپا ادھر مصروف تھے۔ واپسی کے لیے پاپا نے ڈرائیور کو گاڑی دے کر بھیجا تھا۔ ابھی آدھا راستہ ہی طے ہوا ہو گا جب ہمیں محسوس ہوا کہ کوئی مسلسل ہماری گاڑی کا پیچھا کر رہا ہے۔ ماما کے کہنے پر ڈرائیور نے گاڑی سنسان سڑک سے مصروف شاہراہ کی جانب موڑ لی۔ ابھی تھوڑا ہی فاصلہ کٹا ہو گا کہ کہیں سے اچانک کسی گاڑی

نے ہمارا راستہ روک دیا تھا۔ ایک گاڑی پیچھے سے آموجود ہوئی۔ اردگرد کی ٹریفک متاثر ہونے لگی۔ ہماری گاڑی درمیان میں پھنس گئی تھی' صورت حال کا کچھ اندازہ نہیں ہورہا تھا۔

''اترو جلدی کرو......'' ایک نقاب پوش آدمی نے اپنی گاڑی سے نکل کر میری طرف کا دروازہ کھول کر میرا بازو کھینچا۔

''چھوڑو میری بچی کو' کہاں لے جارہے ہو؟'' ماما نے مجھے مضبوطی سے تھام لیا۔ ڈرائیور بھی ہکا بکا سب دیکھ رہا تھا۔ اردگرد لوگ اب متوجہ ہوچکے تھے۔ مگر کسی کو بھی آگے بڑھنے کی ہمت نہیں ہورہی تھی۔ ڈرائیور اور ماما مسلسل مجھے جکڑے ہوئے تھے۔

''یار ان دونوں سے تو جان چھڑواؤ۔'' ان میں سے ایک نے دوسرے کو دہاڑ کر کہا تھا۔ دوسرے ہی لمحے انہوں نے ان دونوں پر گولیوں کی بوچھاڑ کردی تھی۔ میری آنکھوں کے سامنے میری روتی چیختی ماما اور ڈرائیور نے دم توڑا تھا۔ میں اتنی بدنصیب تھی کہ کچھ نہ کرسکی۔ دور تک ان کو مرتے ہوئے دیکھتی رہی۔''

روتے ہوئے لائبہ نے اپنے گھٹنوں سے سر اٹھایا تھا۔ چپ سادھے اپنے سامنے بیٹھے فوزان کو دیکھا۔

''مجھے اندازہ تھا جب پاپا کو ماما اور ڈرائیور کی موت کی خبر ملی ہوگی تو ان پر کیا بیتی ہوگی۔ میرے پہاڑ سا حوصلہ رکھنے والے پاپا ریزہ ریزہ ہوگئے۔ جس بات کا انہیں ڈر تھا وہ ہوگیا۔ ضوفی بھابی' بھیا اور تایا ابو کے ہمراہ فوراً اسلام آباد سے لاہور آ گئی۔ وہ بہت روئی تھی۔ بھابی بتاتی ہیں وہ بے ہوشی میں بھی صرف مجھے اور ماما کو پکارتی تھی۔ یکدم ہماری ہنستی مسکراتی روشنی سے لبریز دنیا اندھیر ہوگئی۔ پاپا ڈھے گئے۔ پولیس اور اللہ کا محکمہ متحرک ہوگیا۔ زوہیب شاہ نے پھر وہی ڈیمانڈ کی۔ پاپا اپنا سب کچھ ہار کر بھی اپنے موقف سے نہ ہٹے۔ زوہیب شاہ نے میرے عوض اڑھائی کروڑ کا معاملہ کلیئر کرنے کی شرط رکھی تھی۔'' لائبہ نے دوپٹے سے اپنی آنکھیں صاف کیں۔

''مجھے تو کچھ خبر نہیں تھی کہ میرے پیچھے پاپا نے کیسے کیسے لوگوں کو ہینڈل کیا ہوگا۔ میں تو چیخ رہی تھی جب ایک شخص نے کلوروفام سے بھیگا ہوا رومال میری ناک اور منہ پر رکھ دیا تھا۔ اس کے بعد مجھے کچھ پتا نہیں تھا۔ نجانے میں کب تک بے ہوش رہی تھی اور کس جگہ مجھے لے جایا گیا تھا۔ مجھے کچھ علم نہ تھا' جب قیامت گزر جانے کے بعد ہوش آیا تو میں ایک امپورٹڈ آرائش وزیبائش والے کمرے میں دبیز نرم گدے والے بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی۔ ایک آدمی وہاں صوفے پر براجمان اخبار منہ کے سامنے پھیلائے ہوئے تھا۔

''میں کہاں ہوں......؟ کون ہو تم؟'' اچانک اندھیرے سے روشنی کی طرف لوٹنے سے میں سمجھ نہ سکی کہ میرے ساتھ کیا ہوا ہے اسی لیے انتہائی خوف سے سوال کر بیٹھی۔ میری آواز پر اس آدمی نے اپنے منہ کے سامنے سے وہ اخبار ہٹا کر میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے وحشت ٹپک رہی تھی اور ہونٹوں پر کمینی سی مسکراہٹ' میں پوری جان سے کانپ اٹھی۔

''تم طلسم کدے میں ہو اور میں تمہارا قدردان ہوں۔'' اخبار رکھ کر وہ عجیب نظروں سے دیکھتے ہوئے میری طرف آ گیا۔ پل میں مجھ پر بہت بڑی حقیقت کا ادراک ہوا۔ میں اس قدر ڈری ہوئی تھی کہ کوئی حرکت بھی نہ کرسکی۔ وہ تو وہی تھا' زوہیب شاہ' جس نے پاپا کو اڑھائی کروڑ روپے کا گھپلا کرنے کو کہا تھا۔ پاپا کے انکار پر میں آج اس کی دسترس میں تھی۔ وہ ہوس بھری نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ وہ میرے ساتھ کچھ بھی کرسکتا تھا۔ خوف سراسیمگی میری آنکھوں سے چھلک رہے تھے۔ میرے اعصاب جواب دے رہے تھے۔ ستم یہ تھا کہ میں اس کمرے کی چار دیواری سے باہر بھی نہیں نکل سکتی تھی۔ اس نے میرے خوف سے بالکل ساکت وجود کو اپنے بازو کے گھیر میں لے لیا۔ میں بچنا چاہتی تھی' اس نے اور میرے چیختے اعصاب نے میری ساری توانائیاں مفلوج کر کے رکھ دیں۔ مجھے اس وقت اپنا آپ روبوٹ کی مانند لگا۔ میں نے خوف سے آنکھیں بند کرلی تھیں اور صرف ایک ہستی کو پوری جان سے پکارا۔''

''اللہ!'' میرے ساکت ہونٹوں سے بے آواز آہ نکلی تھی اور اللہ نے میری پکار سن لی۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی شیطانی کھیل شروع کرتا کسی نے دروازہ زور وشور سے بجایا۔

''ایڈیٹ......اسٹوپڈ......اسے یہ مداخلت بہت ناگوار گزری تھی۔ وہ مجھے خوں خوار نظروں سے گھورتے ہوئے دروازہ کھولنے لگا۔ ''کیا ہے......؟'' وہ آنے والے پر برس پڑا تھا۔

''معاف کیجیے گا شاہ جی! مجبوری تھی۔'' آنے والے نے بہت بے چارگی سے کہا۔

''کیا مجبوری تھی' کون مر گیا ہے؟ جب میں نے کہا تھا کہ کچھ بھی ہوجائے ادھر مت آنا تو پھر کیوں ڈسٹرب کیا ہے مجھے۔''

''معاف کردیں شاہ جی' یہاں پولیس کی ریڈ ہوگئی ہے۔ آپ جلدی سے یہاں سے نکلیے۔'' آنے والا خاصا حواس باختہ تھا۔ تیزی سے بتا رہا تھا۔ میں تو بس دیکھ رہی تھی۔

''اچھا......تم اس لڑکی کو لے کر دوسرے رستے سے نکلو......اور ہاں سنو' اسے پہلے بے ہوش کرلو تاکہ بعد میں کوئی مسئلہ نہ ہو پہلے ہی دو قتل کرچکے ہو تم لوگ......کوئی کام تم سے دھیان سے نہیں ہوتا۔'' وہ اطلاع دینے والے پر برستا ہوا باہر نکل گیا۔ میں ایک دفعہ پھر بے ہوش کردی گئی تھی۔ جب دوبارہ ہوش آیا تو اس ویرانے میں تھی۔ مسلسل دن رات بے ہوش رہنے سے میں ہلنے سے بھی قاصر تھی۔ وہاں ان تینوں آدمیوں نے مجھے کچھ نہیں کہا تھا۔ میں ان سے کوئی

سوال پوچھتی بھی تو کوئی جواب نہیں دیتے تھے۔ میں نے کچھ کھایا پیا بھی نہیں تھا۔ جب موت بالکل قریب دکھائی دی تو ان کا دیا گیا کھانا حلق سے اتارا۔ مجھے وہاں تیسرا دن تھا۔ جب مسلسل گریہ زاری پر اللہ نے آپ کو میری مدد کے لیے بھیج دیا۔ آپ میرے لیے بالکل انجان اجنبی تھے پھر بھی میں نے آپ پر بھروسا کرلیا۔ مجھے یہی لگا کہ آپ میرے لیے خدا کی طرف سے بھیجے گئے کسی رحمت کے فرشتے سے کم نہیں۔" وہ آنسو بہاتی اب خاموش ہوگئی تھی۔ فوزان خاموشی سے اس کی ساری بات سنتا رہا۔

"وہاں سے نکلنے کے بعد جب دوبارہ ہاسپٹل کے کمرے میں ہوش آیا تو پہلا خیال آپ کی طرف ہی گیا تھا۔ آپ وہاں نہیں تھے' وہاں ڈاکٹر کی ساتھ رضوان صاحب تھے۔ سادہ کپڑوں میں دو اور پولیس والے تھے۔ رضوان صاحب مجھ سے میرے متعلق دریافت کرنے لگے۔

"آپ کا کیا نام ہے؟" میں نقاہت سے آنکھیں کھولے انہیں دیکھنے لگی۔

"لائبہ افتخار۔" بہت مشکلوں سے میرے لبوں سے یہ جملہ نکلا تھا۔ پھر وہ مجھ سے میرے متعلق تفصیل سے پوچھتے رہے۔ بڑی مشکلوں سے میں انہیں اپنے متعلق سب کچھ بتا پائی تھی۔ میرا بیان ریکارڈ کروانے کے بعد ڈاکٹر نے دوبارہ مجھے ٹرینکولائزر کے حوالے کردیا تھا۔ میں مسلسل کئی دن تک ہوش اور بے ہوشی کی کیفیت میں رہی تھی۔ اس حادثے نے میرے اعصاب کو بہت بری طرح تباہ کردیا تھا۔ جب مکمل طور پر ہوش آیا تو اپنے پاس بھیا' بھابی تایا ابو پاپا اور ضوفی کو دیکھ کر میرا ضبط جواب دے گیا۔ مجھے لگا جیسے ابھی امی مجھے چھوڑ کر گئی ہیں پھر میں بہت روئی تھی' اپنے دل کا سارا غبار نکالا تھا۔

میرے پاپا ایک حق پرست انسان تھے۔ انہوں نے ساری زندگی دیانت داری میں گزار دی۔ وہ ملک سے وفاداری اور فرض شناسی کے قائل تھے ان کی اسی فرض شناسی نے ان کی بیٹی کو زمانے بھر کی نظروں میں معتوب ٹھہرادیا تھا اور ایک غمگسار ہمدرد بیوی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان سے دور کردیا۔ جب زوہیب شاہ نے میرے اغواء کے بعد پاپا کو معاملہ کلیئر کرانے کو کہا تو پاپا نے اسے جواب دیا کہ وہ اس وطن اور پیشے کی خاطر اپنی دس بیٹیاں بھی قربان کرسکتے ہیں مگر انہیں یہ گوارا نہیں کہ وہ جس گھر میں رہ رہے ہیں اس کی دیواریں کھوکھلی کردیں۔ وہ اگر اپنی اولاد کی قربانی دے کر آئندہ کئی نسلوں کے لیے اس گھر کو مضبوط رکھ سکتے ہیں تو انہیں یہ سودا مہنگا نہیں اور پاپا نے وطن کی خاطر معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا۔ زوہیب شاہ کا خیال تھا کہ وہ ڈر ادھمکا کر یا پھر مجھے رسوا کرکے پاپا کو جھکا لے گا مگر اس کی یہ خام خیالی ہی رہی۔ میں اللہ کی عنایت سے اپنی عزت بچا آئی بلکہ پاپا کو مزید رسوا ہونے سے بھی بچالیا۔ میں جتنے دن ہاسپٹل میں رہی' رضوان صاحب اور ان کے ساتھیوں کی تحویل میں رہی۔ انہوں نے بہت تعاون کیا۔ اپنی طرف سے انہوں نے مجھے پریس کی خبر نہ بننے کی پوری کوشش کی تھی۔ دوسری طرف زوہیب شاہ نے اپنے تمام ذرائع استعمال کرکے میرے اور پاپا کے متعلق جھوٹی کہانیاں پریس کو مہیا کیں۔ میری ماما اور ڈرائیور کے قتل کو بھی غلط رنگ دیا گیا۔ میڈیا نے اس کیس کو بہت اچھالا تھا۔ میری ذات پر طرح طرح کے الزامات لگائے گئے۔ زوہیب شاہ نے پوری کوشش کی کہ پاپا خاموش ہوجائیں مگر وہ خاموش نہ ہوئے۔ اس کی تمام حرکتیں بھی پاپا کو فرض شناسی سے نہ ہٹا پائیں۔ وہ اس کھیل کا منجھا ہوا کھلاڑی تھا اس کے آگے انسان کی اہمیت کٹھ پتلی سے زیادہ نہیں۔ وہ لڑکیوں کو ٹشو پیپرز کی طرح یوز کرتا تھا۔ پولیٹیکل فیلڈ کی ایک بھرپور شخصیت' اس نے اپنی حیثیت سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے سب حالات کو اپنے حق میں ہموار کرلیا تھا۔ پاپا کا انتہائی شان دار کیریئر شک کی لپیٹ میں آ گیا اور پھر انہوں نے نہایت دلبرداشت ہوتے خود ہی ریٹائرمنٹ لینے کا فیصلہ کرلیا۔

"اسپتال سے فارغ ہونے کے بعد بھیا' بھابی اور تایا ابو مجھے اور ضوفی کو اسلام آباد لے آئے تھے۔ یہاں لوگوں کو میڈیا کے ذریعے میرے اغواء کی خبر ہوگئی تھی۔ عجیب وغریب کہانیاں مشہور ہوگئی تھیں۔ باہر قدم رکھتی تو لوگ عجیب عجیب نظروں سے دیکھنے لگتے۔ ایک طرف لوگوں کا رویہ دوسری طرف ماما کی موت کا صدمہ اور پاپا کے تنہا رہ جانے کا دکھ۔ ریٹائرمنٹ تک پاپا تنہا ہی لاہور میں رہ رہے تھے۔ میرا دل ہر لمحہ ان کے لیے پریشان رہتا تھا۔ دنیا ہوس پرستوں سے بھری ہوئی ہے' لاہور میں گزارے گئے آخری ایام اس کا سب سے اہم ثبوت تھے۔ زندگی نے اس طرح آزمایا کہ میرا زندگی سے اعتبار اٹھ گیا تھا۔ بھابی بھیا اور تایا ابو نے میرا بھرپور ساتھ دیا۔ میرے اندر امید کی کرن روشن کی' مجھے زندہ رہنے کا سبق پڑھایا تو میں نے ایم اے انگلش کے لیے یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا۔ پاپا کی درخواست منظور کرلی گئی تھی۔ وہ بہت کچھ کھو کر دوبارہ اسلام آباد چلے آئے۔ یہاں وہ میرے اور ضوفی کی خاطر دوبارہ جینا چاہتے تھے کہ وہ سب کچھ ہوگیا جس نے ان سے جینے کی خواہش کیا زندگی بھی چھین لی۔" ایک دفعہ پھر پھوٹ پھوٹ کر روتے اس نے سر گھٹنوں میں رکھ لیا۔ وہ کافی دیر تک خود کو سنبھالتی رہی تھی۔ بولنے کا حوصلہ پیدا کرتی رہی۔ جتنی دیر تک وہ خاموش رہی فوزان کے اندر بھی زندگی ڈوبتی ابھرتی رہی۔

"لائبہ……" کافی دیر تک بھی اس نے سر نہ اٹھایا تو فوزان نے اسے پکارا۔ اپنی سرخ سوجی آنکھیں اٹھا کر فوزان کو دیکھا۔ پھر سر ہلا دیا۔

"ماما کی وفات' پاپا کی برسوں کی نیک نامی صرف میری وجہ سے سولی پر چڑھ گئی۔ یہ ایسا دکھ تھا مجھے کسی بھی لمحے سکون لینے نہیں دیتا تھا۔ بڑی مشکل سے میں نے حوصلہ کیا تھا۔ دوبارہ جینا چاہا مگر سارے حوصلے جواب دے گئے۔ پھوپو اور رمیز کینیڈا تھے۔ یہاں پاکستان میں جو کچھ ہوا پاپا اور تایا ابو نے قصداً انہیں کچھ بھی بتانے سے گریز کیا۔ وہ میری آئندہ زندگی کے بارے میں سوچ رہے تھے اسی لیے انہوں نے خاموشی کی ردا اوڑھ لی۔ پھر ایک دن پھوپو کا فون آیا تھا جو پاپا نے ہی ریسیو کیا تھا۔ وہ نجانے پاپا کو کیا کچھ کہتی رہیں کہ پاپا کا رنگ متغیر ہوتا گیا پھر ان کے ہاتھ سے فون چھوٹ گیا تھا۔ پھوپو کو نجانے کیسے اس حادثے کی خبر ہوگئی تھی۔ بجائے اس کے کہ وہ ہمیں ماما کی موت کا پرسہ اور حوصلہ دیتیں انہوں نے تو ہمارے رہے سہے حوصلے ہی توڑ دیئے۔ انہوں نے برسوں کی محبت کو لفظوں کے نشتروں سے چھید کر رکھ دیا۔ محبت' مروت' تعلق' رشتہ داری کسی بھی بات کا لحاظ نہ کیا۔ انہیں میری ذات پر شبہ تھا۔ میرے کردار پر شک تھا' پاپا کی نیک نامی اور دیانت داری دھوکا دینے لگی۔ انہوں نے ہر تعلق ختم کردینے کی نوید سنائی تھی۔ پہلے ہی دکھوں' غموں کے بوجھ تلے دبے پاپا اس نئے دکھ کا اتنا بوجھ سہہ نہیں پائے تھے۔ انہیں فالج کا اٹیک ہوگیا۔ تایا ابو اور بھیا انہیں اسپتال لے گئے۔ میں اور ضوفی مردوں سے بھی بدتر ہوگئیں۔ دن رات پاپا کی زندگی کی دعائیں مانگتی رہتی تھی۔ پاپا آہستہ آہستہ صحت یاب ہونے لگے پھر ایک دن وہ گھر آ گئے ہم

بہت خوش تھے۔ مگر ابھی اس خوشی کو دل سے منا بھی نہیں سکے تھے جب پورے ایک ماہ بعد رمیز نے مجھے طلاق بھجوادی تھی۔ طلاق کے کاغذات میں نے ہی وصول کیے تھے' پاپا لان میں بیٹھے ہوئے تھے میرے ہاتھ سے کاغذ لے کر وہ بھی دیکھنے لگے۔ وہ بے یقینی سے کبھی کاغذوں کو اور کبھی میرے چہرے پر روانی سے بہنے والے آنسوؤں کو دیکھ رہے تھے پھر کاغذ ان کے ہاتھ سے چھوٹ گئے' وہ جب زمین پر گرے تھے تو دوبارہ نہ اٹھ سکے۔ میں نے ان کے سینے پر سر رکھ کر بہت آوازیں دی تھیں۔ اپنے اور ضوفی کے تنہا رہ جانے کے واسطے بھی دیئے تھے۔ ہم لوگوں کی نظریں' گھٹیا جملے اور فحش باتیں نہیں سہہ پائیں گی' میں پاپا کے کانوں کے قریب ہو کر بتایا مگر انہوں نے میری ایک آواز نہ سنی۔ وہ پتھر ہوگئے تھے۔ ان کی نبض بند ہوگئی تھی۔ زندگی ہم سے ہمیشہ کے لیے روٹھ گئی۔" اس نے صوفے کی پشت گاہ سے سر ٹکادیا۔ چہرے پر اتنا کرب تھا کہ فوزان صدیقی نے نظریں پھیر لیں۔

"میں لائبہ افتخار جس نے آج تک کوئی مکھی نہیں ماری' پاؤں زمین پر رکھتے ہوئے ڈرتی ہوں کہ کوئی چیونٹی خدانخواستہ اگر پاؤں کے نیچے آ کر کچلی گئی تو کل قیامت کے روز مجھے جواب دہ ہونا ہوگا۔ زندگی اتنی سیدھی اور صاف گزاری ہے کہ تلخیاں تو تصور میں بھی نہیں تھیں۔ میں بے قصور ہونے کے باوجود قصوروار قرار پاگئی۔ رمیز نے مجھے طلاق دے دی۔ وہ جو کہتا تھا کہ تم مجھے بھول نہ جانا۔ اس نے سب رشتے ناتے توڑ لیے۔ جو قسمیں کھاتا تھا کہ میرے تصور سے اس کی دنیا آباد ہے' وہ میری دنیا اندھیر کر گیا۔ وہ جو کہتا تھا میری تصویر دیکھ دیکھ کر اس کا دل دھڑکتا ہے۔ وہ میری ساری دھڑکنیں مردہ کرگیا۔ وہ کہتا تھا میرا خیال اسے جنت کی طرف دھکیل دیتا ہے وہ مجھے دوزخ میں دھکیل گیا۔ محبت صرف میں نے تنہا نہیں کی تھی وہ میرا ہاتھ تھامے میرے قدم بہ قدم تھا۔ پھر میں نے تنہا سزا کیوں کاٹی؟ وہ کہتا تھا' جس دن وہ مجھے بھول گیا' وہ مر جائے گا' وہ تو زندہ رہا۔ مجھے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مار گیا۔ طلاق نامے کے ساتھ آیا ایک چھوٹا سا خط جس پر چند سطریں تحریر تھیں۔ مجھے ابھی بھی نہیں بھولتا۔ اس نے لکھا تھا کہ اسے مجھ پر شک ہے' اپنی نظر میں میں لاکھ بے قصور سہی مگر ان لوگوں کی نیت تو صاف نہ تھی۔ اس کو تو یہ بھی یقین نہیں کہ میں جھوٹ بول رہی ہوں یا سچ...... اور جس مقصد کے لیے وہ لوگ مجھے لے کر گئے تھے...... انہوں نے نجانے میرے ساتھ کیا کیا ہوگا۔ اگر اسے مجھ سے رشتہ ختم کرنا تھا تو کچھ بھی کہہ لیتا' بغیر وجہ کے تعلق ختم کر لیتا میں اس کی بے وفائی پر ساری عمر تقدیر کا لکھا سمجھ کر روتی رہتی مگر اتنی گھٹیا زبان استعمال نہ کرتا' اتنے فحش الزام نہ لگاتا۔ میں نے تو صرف محبت کی تھی پر خلوص وفا اور وہ اس میں ملاوٹ شامل کر گیا' مجھے میری ہی نظروں سے گرا گیا۔" لائبہ کے رونے میں اب شدت آ گئی تھی۔

"میری ماں کسی اور نے چھین لی اور باپ میرے طلاق یافتہ ہونے پر اس دنیا سے ہی آنکھیں پھیر گیا۔ مجھے اور ضوفی کو لوگوں کے نشتروں کے حوالے کرکے بے یار و مددگار...... رمیز کی بے وفائی کا زخم اتنا گہرا تھا کہ کئی بار جی چاہا میں بھی ماما پاپا کی طرح خاموشی سے چلی جاؤں۔ جس دن پاپا کا جنازہ اٹھایا گیا تھا اسی رات میرا نروس بریک ڈاؤن ہوگیا۔ پے در پے صدمات نے مجھے اندر سے بالکل کھوکھلا کردیا تھا اور کچھ زندہ رہنے کو میرا اپنا دل بھی نہیں چاہتا تھا۔ یہ تو بھابی بھیا اور ضوفی تایا ابو کی محبت تھی کہ میں زندگی کی طرف لوٹنے پر مجبور ہوگئی۔ صرف اور صرف ضوفی کی خاطر...... جن دنوں پاپا پر فالج کا اٹیک ہوا تھا وہ مجھ سے ضوفی کے متعلق باتیں کرتے رہتے تھے۔ اس کے لیے انہوں نے بہت سے وعدہ لیے تھے۔ میرے لیے صرف اور صرف ضوفی کی ذات مقدم ہوگئی جسے ان حادثات نے وقت سے پہلے بہت بڑا کردیا تھا۔ میری ذہنی حالت سنبھلی تو پھر یونیورسٹی دوبارہ جانے کو دل نہ چاہا۔ وہاں لوگ مجھے جس طرح سے دیکھتے تھے' وہ مجھ سے برداشت نہیں ہوتا تھا میں نے بھیا' بھابی کے کہنے پر صرف اور صرف ضوفی کی خاطر پرائیویٹ انگلش میں پیپرز دے دیئے۔ میں نے بہت محنت کی تھی میری سیکنڈ پوزیشن آئی تھی' بعد میں میں نے سی ایس ایس کا امتحان کلیئر کرلیا اور ٹیچنگ ڈیپارٹمنٹ میں چلی آئی۔ لوگ اب بھی باتیں کرتے ہیں' طلباء مجھے دیکھ کر ایک دوسرے کے کانوں میں چہ مگوئیاں کرتے ہیں مگر میں خود نظر انداز کردیتی ہوں۔ وقت نے بہت حوصلہ دیا ہے مگر کبھی کبھی دل چاہتا ہے سب کچھ چھوڑ چھاڑ ماما پاپا کے پاس چلی جاؤں مگر ضوفی کا خیال آجاتا ہے اور پھر ہمت بندھنے لگتی ہے۔" اپنا چہرہ صاف کرکے اس نے فوزان صدیقی کو دیکھا۔ وہ اس سارے عرصے میں بالکل خاموشی سے سن رہا تھا۔ نا اس نے کہیں کوئی سوال اٹھایا تھا اور نا کسی بیان کی تصدیق چاہی تھی ایک دفعہ اسے متوجہ کرنے کو اس کا نام لے کر پکارا تھا۔ لائبہ نے یونہی وال کلاک کی طرف دیکھا تو وہ رات کے اڑھائی بجا رہا تھا۔

"میں آپ کی بہت عزت کرتی ہوں فوزان صدیقی صاحب۔ میں نے اپنی زندگی کا حرف حرف آپ کے سامنے کھول دیا ہے۔ رمیز کی میری زندگی میں کبھی کیا حیثیت تھی میں نے جھوٹ نہیں بولا۔ اب وہ کیا ہے آپ نے اندازہ لگالیا ہوگا۔ آپ جیسے اچھے انسان کی محبت کی تو میں قابل ہی نہیں۔ میں بہت گنہگار ہوں۔ بہت کمتر۔" فوزان صدیقی نے لائبہ افتخار کی رندھی ہوئی آواز سنی تھی پھر خاموشی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ صرف سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ امید تھی وہ کچھ ضرور کہے گا شاید ایک دو تسلی کے لفظ ہی یا پھر کوئی انکار۔

"میں چلتا ہوں' کافی رات ہوگئی ہے۔" کلائی پر بندھی گھڑی دیکھتے وہ بولا بھی تو کیا...... وہ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ وہ لاؤنج کے بیرونی دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ بھی ایک سانس خارج کرتے اس کے پیچھے چل دی۔ چوکیدار گیٹ پر ہی تھا۔ اس نے گیٹ کھول دیا تھا۔ وہ لان کی سیڑھیوں پر کھڑی تھی۔ ایک منٹ رک کر اس نے لائبہ کو دیکھا پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا لان عبور کرکے گیٹ پار کرتا باہر نکل گیا۔ چوکیدار نے گیٹ بند کردیا تھا۔ اب وہ اپنی کوٹھڑی کی طرف جارہا تھا۔ اپنی کپکپاتی ٹانگوں کا بوجھ نہ سہارتے ہوئے وہ وہیں لان کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئی۔ گھٹنوں میں منہ چھپا کر نہ جانے کتنے پل خود فراموشی کے گزر گئے۔ وہ کیا کرتی' اس نے رمیز کے بعد کبھی کسی پر اعتبار نہیں کیا تھا۔ یہ واحد شخص تھا جس پر اس کا اعتبار خود بخود قائم ہوا تھا۔ اب یہ بھی اسے جھٹلا دے گا۔ اس کی محبت صرف یہاں تک ہی تھی۔ وہ دل گرفتگی سے سوچ رہی تھی۔ اور شاید اس دفعہ وہ اپنا آپ یوں جھٹلائے جانا سہہ نہیں سکے گی۔ نجانے کتنا وقت یونہی گزر گیا تھا۔

"پری......! اٹھیے' اندر چلیے۔" بڑی دیر بعد ضوفی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے زہریلی سوچوں سے باہر نکالا۔ وہ اسی خاموشی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ کن انکھیوں سے ضوفی کی جانب دیکھا وہ نظریں جھکائے جانے کن سوچوں میں گم تھی۔ اس کے یوں دیکھنے پر ایک لمحے کو دیکھتی رہی پھر مسکرا

0345-3612251, 0315-7554051

کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

”پری! جو ہو گیا ہے اسے بھولنے کی کوشش کریں۔ انسان کی زندگی میں نشیب و فراز آتے رہتے ہیں۔ یہ دنیا ہے بڑی ظالم، سفاک اور بے رحم اس کے ہاتھوں میں پتھر ہیں، اب ہمیں خود اپنا آپ بڑے سبھاؤ سے ان پتھروں سے بچانا ہے۔ آپ خود کو کیوں ہلکان کرتی رہتی ہیں؟ میری ماں، بہن، باپ دوست سب کچھ اب آپ ہیں۔ میری خاطر ہی تو جی رہی ہیں پھر میرے کہنے پر اپنے آنسو بھی صاف کرلیں۔“ وہ بہت محبت سے سمجھانے کی کوشش کررہی تھی۔

”ضوفی! یہ سب بہت مشکل ہے۔ رمیز نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا؟ ساری دنیا کچھ بھی کہہ لیتی، وہ یوں نہ کرتا، کیسے جیوں گی؟ کیسے کسی اور پر اعتبار کروں گی۔ میں نے تو صرف اس سے محبت کی تھی۔“ وہ آج پہلی دفعہ رمیز کا نام لے کر اس کے سامنے رو رہی تھی، سوال کررہی تھی، ضوفی کو ہمیشہ کی طرح اب بھی رمیز سے سخت نفرت محسوس ہوئی۔ اس کی ساری رات بے پناہ اذیت میں گزری تھی۔

ماضی بے پناہ خوشگوار لگتا ہے اسی لیے کہ وہ بعض لوگوں کو تلخ حال کے خلاف ایک خوب صورت پناہ مہیا کرتا ہے۔ ایسی خوب صورت پناہ جس سے انسان ذہنی آسودگی حاصل کرتا ہے۔ ماضی کی وادیوں میں گھومتے گھامتے وہ حال کی تلخیوں کو فراموش کر بیٹھتا ہے۔ دنیا کا سب سے بڑا ادب ماضی اور گزشتہ یادوں وواقعات سے منسلک ہوتا ہے۔ ”Man of imagination“ دوسروں کی نسبت زیادہ بہتر طور پر زندگی کے تلخ صدمات برداشت کرسکتا ہے۔ جبکہ لائبہ افتخار کے ساتھ معاملہ بالکل الٹ تھا۔ اس کے لیے ماضی ایک ایسے خوفناک ناگ کی مانند تھا جس کا تصور کرتے ہی وہ ہاتھ پاؤں چھوڑنے لگتی تھی، نڈھال ہو جاتی تھی۔ وہ جب بھی ماضی میں وقت گزارتی اسے ماں باپ جیسی نعمت سے محروم ہو جانے کا احساس اور شدت سے چٹکیاں کاٹنے لگتا تھا۔ آج رات بھی یہی ہوا تھا۔ کبھی اچانک آنکھ لگتی بھی تو ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھتی۔ امی کی چیخیں اسے ہولائے دیتیں۔ پاپا کا چہرہ یاد آ کے اسے رونے پر مجبور کردیتا۔ وہ زندگی میں کب اس واقعے کے بعد پرسکون ہو کر سو سکی تھی۔ کتنی ہی ایسی بے پناہ راتیں تھیں جو بے خوابی میں گزر جاتیں۔ وہ اپنی روح پر اذیت کا پہاڑ سہہ سہہ کر چکنا چور ہونے لگتی تھی۔ جسم پھنک رہا تھا بستر سے آج اٹھنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ ضوفی کو کالج جانا تھا۔ اس کا احساس کر کے کمرے سے باہر نکل آئی۔ یونیفارم کی بجائے وہ گھر والے کپڑوں میں ہی کچن کے کاموں میں الجھی ہوئی تھی۔ چادر کو اچھی طرح اپنے گرد لپیٹ کر وہ اس کے قریب چلی آئی۔

”ضوفی! کالج نہیں جاؤ گی؟ جاؤ تیاری کرو۔ میں یہ نمٹالوں گی۔“ ہاتھ دھو کر اس کے ہاتھ سے آٹے کا پیڑا تھام لیا۔ ضوفی کا ہاتھ جیسے ہی اس کے ہاتھ سے چھوا وہ پریشان ہوگئی۔

”پری! آپ کو تو بہت تیز بخار ہے۔ آپ رہنے دیں۔ میں یہ سب کرلوں گی۔“ اس نے دوبارہ اس کے ہاتھ سے پیڑا تھاما۔

”یہ بخار تو زندگی کا حصہ ہے، تم جاؤ شاباش تیار ہو جاؤ۔“ اس نے اچھی خاصی بے پروائی کا مظاہرہ کیا مگر ضوفی مان کے ہی نہیں دے رہی تھی۔

”بس میں کالج نہیں جارہی، آپ جا کر آرام کریں۔ میں آپ کے لیے ناشتا تیار کرتی ہوں۔“ ضوفی نے اسے زبردستی باہر دھکیلا۔ وہ لاؤنج میں صوفے پر آ کر بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر بعد ضوفی بھی ناشتا لے کر آ گئی۔ ناشتا کر کے، چائے پی کر دوا بھی لی پھر ادھر صوفے پر ہی لیٹ گئی تھی، ضوفی گھر کے کاموں میں مصروف ہو گئی۔ کتنی دفعہ اٹھنے کے باوجود بھی ضوفی نے اسے کوئی کام نہیں کرنے دیا تھا بلکہ کمبل دے کر صوفے پر زبردستی لیٹنے پر مجبور کردیا۔ دوپہر کے قریب بھابی بھی ادھر آ گئیں۔

”کتنی بے مروتی کا مظاہرہ کیا ہے تم دونوں نے...... تم بخار میں پھنک رہی ہو اتنا نہیں کیا کہ ہمیں بتادو۔ کوئی دوا بھی لی ہے یا نہیں......“ وہ بہت اپنائیت بھری خفگی سے پوچھ رہی تھیں۔ ان کی بات پر وہ پھیکی سی ہنس دی۔

”صبح ضوفی نے دوا دی ہے۔ کافی افاقہ ہوا ہے۔“

”رہنے دو، یہ دو دو روپے کی ٹکیوں سے بھی کچھ ہوا ہے؟ میں تمہارے بھائی کو فون کرتی ہوں وہ تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے جائیں گے۔“ وہ اٹھ کر فون کی طرف بڑھیں تو اس نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔

”رہنے دیں بھابی! بس تھوڑی دیر بعد ٹھیک ہو جاؤں گی۔“

”پھر بھی تمہیں ڈاکٹر کو دکھا لینا چاہیے۔ اتنی بے پروائی اچھی نہیں ہوتی۔“ انہوں نے فکرمندی سے کہا۔

”دکھالوں گی مگر ابھی بالکل بھی دل نہیں چاہ رہا۔ بھائی کو پریشان مت کریں شام میں آئیں گے تو ان کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس ہو آؤں گی۔“ اس نے کہا تو وہ بیٹھ گئیں۔

”رات فوزان آیا تھا پھر کیا بات ہوئی؟“ بھابی نے پوچھا۔

”پہلے یہ بتائیں آپ اور بھیا ساری صورت حال جانتے تھے تو مجھے کیوں اندھیرے میں رکھا؟ میں خوامخواہ اس بے چارے پر برہم ہوگئی۔“ اس نے کافی افسردگی سے پوچھا۔

”فوزان نے ہی تاکید کی تھی کہ تمہیں کچھ نہ بتایا جائے۔ خوامخواہ پریشان ہو گی۔“ وہ ہلکے سے ہنس دی۔

”لائبہ! فوزان اچھا لڑکا ہے نا؟“ بھابی کا انداز کافی دوستانہ تھا وہ چونک گئی۔

”ہاں...... وہ رات مجھ سے کافی دیر تک باتیں کرتا رہا تھا۔“ وہ ایک لمحہ کو رکی پھر ضوفی کو دیکھا۔

”وہ اپنے بھائی زبیر صدیقی کے لیے اپنی ضوفی کا کہہ رہا ہے۔“ ضوفی ابھی نارمل تھی بھابی ایک لمحے کو چونکیں پھر بے اختیار خوش ہو گئیں۔

”ارے واہ! یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے پھر تم نے کیا جواب دیا۔“

”زبیر اچھا لڑکا ہے، شہود بھائی دونوں بھائیوں کو جانتے ہیں۔ ہر لحاظ سے معقول ہے۔ انکار کی تو گنجائش ہی نہیں جو بھی فیصلہ ہوگا آپ اور بھیا کو ہی کرنا ہے۔ ویسے فوزان صدیقی کہہ رہا تھا کہ چند دنوں میں اس کے گھر والے ہم سے اس سلسلے میں بات کریں گے۔ آپ پلیز بھیا سے بات کرلیجیے گا۔“ بھابی بے پناہ خوش تھیں انہوں نے فوراً سر ہلایا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اسے اپنا خیال رکھنے کی تلقین کرتی ہوئی چلی گئی تھیں۔ ان کے جانے کے بعد وہ گم صم انداز میں آنکھوں پر بازو لیے لیٹی رہی۔ کہنے کو تو اس نے بھابی سے کہہ دیا تھا مگر جس انداز میں رات وہ خاموشی سے بغیر کچھ کہے اٹھ کر چلا گیا تھا اس کی یہ خاموشی اسے کافی متوحش کررہی تھی۔ اندر سے وہ پریشان بھی تھی۔ کافی دیر تک یونہی سونے کا تاثر دیئے لیٹی رہی۔

اچانک ہی اسے یوں محسوس ہوا کہ کوئی ہچکیوں میں رو رہا ہے۔ دل عجیب سی کیفیات کی زد میں آ گیا۔ گھبرا کر آنکھیں کھولیں تو کشن پر ضوفی کو چپ و ساکت بیٹھے دیکھا۔ اس کے سامنے کارپٹ پر البم کھلا ہوا تھا، آنکھوں سے آنسو متواتر بہہ رہے تھے۔ ہچکیوں کو

Mob: 0345-3812251, 0315-7554951

روکنے کی کوشش میں اپنے ہونٹوں کو بری طرح کچلتی ہوئی اپنی اس کوشش میں ناکام ہوئی جارہی تھی۔

''ضوفی! کیا ہوا ہے...... کیوں رو رہی ہو؟'' وہ تڑپ کر اس کی طرف بڑھی تھی۔ پاگلوں کی طرح جھنجوڑنے لگی۔ جب نظریں تصویروں پر اٹکیں تو جم کر رہ گئیں۔ یہ اس کے نکاح کی تصویریں تھیں۔ درمیان میں وہ اور رمیز بیٹھے ہوئے تھے۔ دائیں بائیں ماما پاپا تھے۔ سرخ جوڑے میں وہ خود تھی، اور ساتھ میں بلیک تھری پیس سوٹ میں گلے میں پھولوں کا ہار ڈالے وہ مسکرا رہا تھا۔ ماما پاپا دونوں اس تصویر میں بہت خوش دکھائی دے رہے تھے۔ وہ کئی لمحے اس تصویر کو دیکھے گئی۔ آہستہ آہستہ سارے البم کی تصویریں ہی دیکھ ڈالیں لیکن تشنگی تھی کہ بڑھتی ہی جارہی تھی، مٹتی ہی نہیں تھی دل کی تختی پر لکھا گیا۔ پہلا نام شاید اتنی آسانی سے مٹ بھی نہیں سکتا تھا اور نام بھی وہ جو دل کی بستی پر قابض ہونے کے پورے اختیار رکھتا تھا۔ کتنا مقدس اور خوب صورت رشتہ تھا دونوں کا...... ''رمیز!'' کتنا پرکشش تھا یہ نام مگر اس نام نے اب اس سے اختیارات چھین لیے تھے۔ اب تو اچانک کوئی سوچ ذہن میں سمائی تو وہ خود سے لڑتے لڑتے تھک جاتی تھی۔ دل کی لوح پر لکھا یہ نام شاید کبھی نہیں مٹ سکتا تھا مگر بھلایا تو جاسکتا تھا، وہ ایک عرصے سے بھلانے کی کوشش بھی کررہی تھی مگر سب لاحاصل تھا۔ اس کی آنکھیں بہہ پڑیں۔

''پری! جب آپ کا رمیز سے نکاح ہوا تھا تو ماما پاپا بہت خوش تھے پھر ہمارے اس ہنستے بستے مسکراتے کھلکھلاتے آنگن میں ایسی ہوا چلی کہ سب خوشی کے پھول دکھوں کی آندھی اڑا کر لے گئی اور خزاں کا موسم ہمیشہ کے لیے ہمارے آنگن کا نصیب بن گیا۔ آخر یہ ہر بار ہمارے ساتھ ہی کیوں ہوتا ہے؟ کبھی کوئی زوہیب شاہ سانپ بن کر ڈستا ہے تو کبھی کوئی رمیز؟ کالی بھیڑ بن کر ہمارے گھر کے آنگن میں نقب لگا لیتا ہے۔ کتنا پیارا تھا ہمارا یہ گھر...... کتنی رونق ہوتی تھی اس گھر میں...... ماما پاپا کے مسکراتے روشن چمکتے دمکتے پرسکون چہرے، میں کتنی شرارتی ہوا کرتی تھی۔ ماما، پاپا اور آپ کتنا ڈانٹا کرتی تھیں مجھے میری شرارتوں پر...... میں ہر وقت ہر احساس سے عاری ہر سوچ سے آزاد اس گھر میں چہچہاتی پھرتی تھی۔ اور آپ ہر وقت خوش و مگن کتابوں، ماما پاپا کی ذات اور کچن کے کاموں میں دلچسپی لیے رکھتیں۔ اور اب تو یوں لگتا ہے جیسے ہمارے اس ویران خاموش آنگن میں برسوں سے ہنسی کی ایک چہکار نہیں گونجی، کوئی پھول نہیں مہکا، کوئی ہنستا جھومتا ساون نہیں اترا، بس بجلی کڑکتی ہے، مصیبتوں، تکلیفوں اور غموں کے اولے پڑتے ہیں اور سب ختم ہوجاتا ہے۔ جب مطلع صاف ہوتا ہے تو صرف اس چار دیواری کے اندر ہم دونوں کا سسکتا، تڑپتا روتا وجود رہ جاتا ہے اور جنہیں بس بھیا، بھائی وقاص کی محبتیں جینے پر مجبور کیے رکھتی ہیں۔ آخر ہم خوش کیوں نہیں رہ سکتیں، بالکل پرسکون ہوکر ہر غم سے آزاد، میرا کبھی کبھار اس شدت سے دل چاہتا ہے کہ میں ماما پاپا کو کہیں سے ڈھونڈ لاؤں، ان کی انگلی تھام کر پھر سے اپنے گھر کے صحن میں چہل قدمی کروں۔ آپ پہلے ہی کی طرح ہنستی مسکراتی خوش رہا کریں، لیکن یہ سب نہیں ہوسکتا۔ آخر پری! خوشیوں پر ہمارا بھی تو حق ہے، ہمیں بھی خوش ہونا چاہیے۔ ہے نا!'' بولتے ہوئے وہ روئے جارہی تھی۔ لائبہ کچھ بھی نہ بول سکی۔ ساری رات کی گریہ وزاری سے بھی نین خشک نہیں ہوئے تھے، رہی سہی کسر اب پوری ہونے لگی تھی۔

''تم کیوں ان تصویروں کو دیکھتی ہو۔ جانتی ہو نا ہم یہ برداشت نہیں کرسکتے، پھر کیوں دوبارہ وہی اذیت ناک منظر میری آنکھوں میں لے آتی ہو؟ کتنی دفعہ کہا ہے تمہیں کہ ان کو جلادو، پھاڑ دو یا کہیں رکھ کر بھول جاؤ۔ بس اب یہ اذیت ناک دور ختم ہوجانا چاہیے۔ ضوفی! میں یہ سب سہتے سہتے، جلتے کوئلوں پر چلتے چلتے اب بہت تھک چکی ہوں۔ اب ایک جگہ بیٹھ کر ستانا چاہتی ہوں۔ ہر خوف سے عاری ہوکر آزادی کا سانس لے کر جینا چاہتی ہوں۔'' وہ ضوفی کے کندھے سے لگ کر سسکنے لگی۔ اسے تو ویسے بھی رونے کے لیے بہانا چاہیے تھا، آنکھوں میں درد کا ایک گہرا سمندر بہہ رہا تھا جسے وہ ضوفی کے کندھے سے لگ کر بہا دینا چاہتی تھی۔ فوزان صدیقی برسوں سے رستے زخموں کو پھر کرید گیا تھا۔ جس منظر کو بھلانے کی وہ برسوں سے کوشش کررہی تھی وہ پھر تازہ کرگیا تھا۔ جو اس کی روح کو ہمیشہ چھید چھید دیتا تھا۔ اندر تک زخمی کردیتا تھا مگر کبھی آنکھوں سے اوجھل ہی نہیں ہو پاتا تھا۔

''آپ بھائی کی بات مان لیتیں، شام تک تو کافی دیر ہوجائے گی، ایسا نہ ہو شام کو بخار اور تیز ہوجائے۔'' ضوفی آنکھوں کو پونچھتی، تصویریں اکھٹی کرتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی پھر اس کی طرف سے جواب کا انتظار کیے بغیر اندر کمرے میں چلی گئی۔ جب واپس آئی تو گیٹ پر کال بیل ہورہی تھی۔ لائبہ برستی آنکھوں کو صاف کرتے ہوئے ضوفی کو باہر جاتا ہوا دیکھتی رہی۔ جب واپس آئی تو اس کے ہمراہ مسز ریاض اور مسز جبار تھیں۔ دونوں ان کے محلے کی ہی رہنے والی تھیں۔ کسی زمانے میں ماما پاپا کی ان لوگوں سے اچھی خاصی علیک سلیک تھی۔ اب تو ان کو ہر کوئی شک کی نگاہ سے ہی دیکھتا تھا۔

''آپ بیٹھیے!'' سلام کے بعد لائبہ نے دونوں کو کہا تو وہ دونوں بیٹھ گئیں۔ ضوفی بھی اس کے پاس آ کر دوسری طرف بیٹھ گئی۔

''لائبہ! تم برا مت منانا۔ ہم دونوں تم سے بات کرنا چاہتے ہیں۔'' مسز ریاض نے گفتگو کا آغاز کیا۔

''جی کہیے آنٹی! ہم نے بھلا پہلے کب کسی کی بات کا برا مانا ہے، جواب مانیں گی۔'' وہ تلخی سے ہنستے ہوئے ان کی جانب دیکھنے لگی۔

''دیکھو لائبہ! یہ شریفوں کا محلّہ ہے، میری تین بیٹیاں ہیں اور آنسہ بیگم (مسز جبار) کی چار، اس کے علاوہ محلے میں ہر گھر میں دو دو، تین یا چار لڑکیاں تو ضرور ہوں گی......'' وہ دونوں رک کر دونوں بہنوں کے الجھے چہروں کی جانب دیکھنے لگیں۔

''جی آنٹی! ہم یہ بھی اچھی طرح جانتے ہیں۔ آپ جس مقصد کے لیے آئی ہیں کھل کر کہیں۔'' لائبہ کی بجائے ضوفی نے انہیں کافی تلخی سے کہا تو وہ پھر گویا ہوئیں۔

''ہے تو یہ تم لوگوں کا ذاتی معاملہ مگر محلّہ دار ہونے کی حیثیت سے پوچھنا ہمارا حق بنتا ہے کہ تم سے پوچھیں کہ تم دونوں بہنوں کا اس انسپکٹر سے کیا تعلق ہے۔ وہ رات کے دس، گیارہ ڈھائی بجے تک کیا کرتا ہے؟ چوری صرف ایک دفعہ ہوئی تھی وہ معاملہ ختم ہوگیا، پھر ہر دوسرے دن اس کا تمہارے گھر کے چکر لگانا کیا مقصد ہے۔'' لائبہ کے تو اوسان خطا ہوگئے۔ وہ صرف چار دفعہ ان کے ہاں آیا تھا۔ صرف رات کو ہی تو لیٹ ہوگیا تھا۔ اسے ساری صورت حال بتاتے ہوئے دونوں کو وقت گزرنے کا احساس تک نہ ہوا تھا مگر دونوں کو اندازہ نہ تھا کہ لوگ کس کس طرح ان پر نظر رکھتے ہیں۔

''آنٹی آپ غلط سمجھ رہی ہیں، وہ بہت اچھے انسان ہیں۔ شہود بھائی کے دوست ہیں اور صرف چند بار ہی تو آئے ہیں، کبھی ہم سے بھی ملاقات ہوجاتی ہے۔''

لائبہ نے بمشکل اپنے حواس بحال کرتے ہوئے وضاحت پیش کی۔

"شہود کا دوست ہے تو اس کے گھر جائے' تمہارے ہاں کیا کرتا ہے؟ جب وہ شہود سے ملتا ہے تو اسی تک رہے' یہاں کیوں آتا ہے؟ ہم نے اک عمر گزاری ہے دھوپ میں بال سفید نہیں کیے۔ تمہیں بتادوں اس معزز معاشرے میں جو لڑکی ایک دفعہ معتوب ٹھہرادی جاتی ہے' وہ گنگا بھی نہالے تو کبھی باکردار نہیں ہوتی۔" باتیں تھیں یا زہر میں بجھے ہوئے نشتر جو اس کی روح کو اندر تک گھائل کرتے جارہے تھے۔ وہ یہ سب باتیں پہلی دفعہ نہیں سن رہی تھی مگر جس شخص کے حوالے سے اسے یہ سب کہا جارہا تھا' اس کی ذات نامعتبر ٹھہرائی جارہی تھی' وہ سب اس کے لیے ناقابل برداشت تھا۔

"آنٹی پلیز! میں آپ کی بہت عزت کرتی ہوں' صرف اس لیے کہ جب میرے والدین زندہ تھے تو ہم لوگوں میں رشتہ داروں سے بھی بڑھ کر خوشگوار تعلقات تھے ورنہ آپ لوگ اور آپ کی باتیں اس قابل تو نہیں کہ آپ کے منہ لگا جائے' ہم آپ لوگوں کے سامنے پلے بڑھے ہیں جوان ہوئے ہیں' اگر آپ نے واقعی دھوپ میں بال سفید نہیں کیے تو ہمیں بھی اچھی طرح جاننا چاہیے کیا سمجھ رکھا ہے آپ نے ہمیں؟ جس طرح جی چاہے ہمیں بے عزت کرکے ذلیل اور رسوا کردیں۔ خدا کے قہر سے ڈریے' آپ کے اپنے گھر میں بھی بیٹیاں ہیں۔ خدانخواستہ کل ان میں سے کسی ایک کے ساتھ ہم جیسا سلوک ہوجائے تو پھر آپ کیا کریں گی؟ پلیز ڈریے اس وقت سے......" ضوفی' لائبہ کے پیلے زرد چہرے کو دیکھ' بنا لحاظ کیے ٹوک بیٹھی۔

"ہم خدا کے قہر سے ہی تو ڈر رہے ہیں جو تم دونوں بہنیں ابھی تک محلے میں موجود ہو۔ ورنہ جس طرح وہ انسپکٹر رات گئے تک تم دونوں کے پاس تھا چاہتے تو رات کو ہی سارے محلے سمیت رنگے ہاتھوں پکڑتے۔"

"تو پھر پکڑا کیوں نہیں...... رات کو ہی کیوں نہیں آئے آپ لوگ......؟ آتے دیکھتے تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوجاتا۔" ضوفی نے اب بھی تڑخ کر بات کاٹ دی تھی۔

"صرف اس لیے کہ یہ شریفوں کا محلّہ ہے' ایسی بے حیائی برداشت نہیں کرسکتا۔"

"ہونہہ! شریفوں کا محلّہ!" ضوفی نے کافی غصے سے دیکھا۔

"میں نے یا آنسہ بیگم نے اسے رات ڈھائی بجے کے قریب تمہارے گھر سے نکلتے نہیں دیکھا تھا اور بھی بہت سے لوگ تھے جنہوں نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ ہم لوگوں کو تمہاری ماں کی نیک نامی' اور باپ کی شرافت روکے رکھتی ہے ورنہ تم دونوں بہت عرصے پہلے یہاں سے اپنی غلاظت سمیٹ کر کہیں اور چلی گئی ہوتیں۔" لائبہ یہ الفاظ سنتے سنتے بے دم سی ہوتی جارہی تھی۔ اسے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے کوئی تیز دھار آلے سے اس کے بدن کے حصے بڑی بے دردی سے کاٹتا جارہا ہو۔

"چپ کرجائیں آنٹی پلیز! چپ کرجائیں۔ اگر آپ عزت والے ہیں تو بے غیرت ہم بھی نہیں۔ یہ شریفوں کا محلّہ ہے تو کیا ہم چور اچکے' بدمعاش ہیں؟ اگر آپ کو ہمارے باپ کی شرافت اور ماں کی نیک نامی روکے ہوئے ہے تو ادب ولحاظ ہماری زبان بھی پکڑے ہوئے ہے۔ اگر عزت اور نیک نامی کے چار قاعدے آپ نے پڑھ رکھے ہیں تو یقیناً دو ہم نے بھی پڑھے ہوئے ہیں۔ اتنا اپنے مقام سے مت گریں کہ کل کو خدا کے سامنے جوابدہ ہوتے ہوئے بھی شرمندگی ہو۔ آپ خود دونوں خواتین ایمان سے بتائیں۔ اس محلے میں ایسی کون سی لڑکی ہے جو نیک نامی عزت شرافت کے تقاضوں پر پورا اترتی ہے؟ یقیناً ماسوائے ہمارے کوئی نہیں ہوگی۔ اگر آپ نے آنکھیں کھلی رکھی ہیں تو بند ہماری بھی نہیں ہیں' بس فرق یہ ہے آپ انسانیت کو بھول رہی ہیں اور ابھی ہمیں انسانیت کا پاس ہے۔ ورنہ دیکھا جائے تو اس محلے میں ایسی کون سی باپردہ ملانی بی بی ہے جس کی کسی لڑکے سے راہ ورسم نہ ہو جس کا گھر سے باہر کالج یونیورسٹی کے نام پر کسی لڑکے سے افیئر نہ چل رہا ہو۔ آپ اپنی آنکھیں پوری طرح کھول کر صرف اپنے گھروں تک محدود رکھیں تو علم ہوگا۔ آپ کی بیٹیاں بھی انہی لڑکیوں میں شامل ہیں۔" وہ ڈرے دبے بغیر کہہ رہی تھی۔ "ہم باعزت ہیں اس کے لیے ہمیں آپ کی طرف سے یا اس نام نہاد معاشرے کی طرف سے کسی بھی قسم کی "نیک نامی" کے سرٹیفکیٹ کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم اپنے اللہ کی نظروں میں معتبر ہیں تو ہمیں بس اسی کی رضا کافی ہے اگر اس محلے سے نکالنے میں اس اللہ کی کوئی مصلحت ہے تو پھر جایئے جو جی میں آتا ہے کردیکھیے۔ ہم بے غیرت نہیں بلکہ آپ ہیں۔ جو جھوٹی عزت اور شان کا لبادہ اوڑھے جی رہے ہیں۔ آپ جیسے لوگ ہی ہم جیسے لوگوں کو مرجانے پر مجبور کردیتے ہیں۔ یہ معاشرہ کیا ہے...... کیا حدود ہیں اس کی...... ذرا اس کے بارے میں سوچیے! آپ جیسے معزز ومحترم معاشرے کے عزت دار لوگ ہی بہتان بازی کرنے والوں میں سرفہرست ہوتے ہیں جبکہ غلاظت کے ڈھیر آپ لوگوں کے اپنے گھروں میں ہی وافر مقدار میں موجود ہوتے ہیں......" ضوفی غم وغصے سے بولنا شروع ہوئی تو پھر رکی نہیں تھی۔ بلا لحاظ کہے گئی تھی۔

"ضوفی پلیز چپ کرو......" بیگم ریاض کی باتوں پر بپھر کر بولتی ہوئی ضوفی لائبہ کو ہراساں کرتی جارہی تھی۔ اس کی جان پر بن آئی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ضوفی کی غصے سے آگ اگلتی زبان کو کسی طرح روک کر چپ کروادے۔

"کہنے دیں پری مجھے......!" اس نے ایک جھٹکے سے لائبہ کے ہاتھ سے اپنا بازو چھڑوایا۔ "آخر کیا انوکھا دیکھ لیا ہے انہوں نے ہم میں یا فوزان صدیقی میں......؟ کچھ بھی تو نہیں ہے ہم میں۔ دراصل یہ لوگ ہمیں ذلت ورسوائی کے تابوتوں میں بند سسک سسک کر مرتے دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہمیں ہر حال میں مصیبت میں مبتلا رکھنا چاہتے ہیں جبکہ وہ شخص ان کی طرح ذلت ورسوائی کی زبان ونظر استعمال کیے بغیر بڑے خلوص سے انسانیت کا پاس کرتے ہماری مصیبت دور کرنا چاہتا ہے تو اب یہ ان نام نہاد معزز شریف معاشرے کے معتبر لوگوں کو برداشت نہیں ہوا۔ خدا کا خوف تو بالکل ہی ختم ہوگیا ہے ان کے دلوں سے...... یہ لوگ کسی پر بہتان تراشی کرتے ہوئے اپنے گھروں میں کیوں نہیں دیکھتے ہر کوئی صرف ہمیں نشانہ بنانے چلا آتا ہے۔ صرف اس لیے کہ ہم پر صرف ایک دفعہ دھبا لگا تھا ہماری نیک نامی صرف ایک دفعہ شک کی لپیٹ میں آئی تھی مگر یہ ہمارا باطن کیوں نہیں دیکھتے؟" وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ دونوں خواتین کا مقصد شاید پورا ہوچکا تھا۔ لائبہ کا جی بھر آیا۔

"زیادہ زبان چلاتی ہو تم...... مسز جمیلہ صحیح کہتی ہیں کوئی لحاظ نہیں ہے تمہیں۔ ہماری بیٹیوں پر الزام لگاتی ہو' بے حیا کہیں کی......! ہم تو صرف شہود کی وجہ سے خاموش تھے جو تم تک آئے لیکن لگتا ہے اب کوئی نہ کوئی بندوبست محلے والوں کو کرنا ہی پڑے گا۔" اس دفعہ آنسہ

Mob: 0345-3812251, 0315-7554095

Mob: 0345-3812251, 0315-7554951

بیگم اپنی زبان کے جوہر دکھا رہی تھیں۔ آنکھوں کو صاف کرکے ضوفی نے تاسف بھری نظروں سے دیکھا۔

”کہہ تو دیا ہے میں نے آپ کو‘ جو جی میں آئے آپ لوگ کریں‘ جس مسز جمیلہ کا آپ ذکر کررہی ہیں انہیں بھی میں اچھی طرح جانتی ہوں اور آپ کو بھی…… لیکن خدا کا ہی خوف کرلیں اور اس وقت ہمارے گھر سے نکل جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ میں مزید بدتمیزی کرجاؤں کیونکہ آپ جیسی خواتین عزت کروانے کے قابل ہیں بھی نہیں۔“ وہ بھی غصے وحقارت بھری نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ لائبہ تو بت بنی صرف دونوں طرف سے زبان اور آنکھوں سے اگلتی آگ کو دیکھ رہی تھی۔

”ہمیں یوں بے عزت کرکے گھر سے نکال کر بہت برا کررہی ہو۔ سوچا تھا‘ زبان سے سمجھائیں گے تو اثر ہوجائے گا۔ بات مردوں تک نہ جائے‘ مگر تم لوگ تو کچھ اور ہی چاہتی ہو‘ بھلا بے غیرتوں پر بھی کچھ اثر ہوتا ہے۔“ بیگم ریاض آگ بگولا انداز میں ضوفی کو دیکھ رہی تھیں۔ تاک کر آخر میں وار کیا تھا۔ ضوفی بلبلا اٹھی۔ اس کی زخمی انا ایک دم مجروح ہوئی تھی۔

”خاموش رہیں اور دفع ہوجائیں آپ دونوں یہاں سے اور جو جی چاہے خوشی سے کریں لیکن اس سے پہلے اپنی بیٹیوں کا انجام بھی یاد رکھیے گا۔ بقول آپ کے ہم بے غیرت ہیں نا تو دھیان رکھیے گا کہیں واقعی میں ہم بے غیرت پن کا مظاہرہ نہ کر بیٹھیں۔ اور یہ بھی یاد رکھیے گا‘ اللہ بڑا انصاف کرنے والا ہے۔ ہم نے اپنا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا ہے۔ اس دنیا میں نہیں تو اس دنیا میں وہ انصاف ضرور کرے گا۔ وہ سب دیکھ اور سن رہا ہے۔“ وہ دوٹوک اور غضب ناک لہجے میں سب کہتی گئی پھر چند قدم آگے بڑھ کر لال بھبوکا چہرہ لیے انہیں باہر کا رستہ دکھا رہی تھی۔ دونوں دھمکیاں دیتی‘ تن فن کرتی باہر کی جانب لپکی تھیں۔ ضوفی گیٹ بند کرکے آئی تو اسے اسی طرح بت بنے دیکھ کر فوراً اس کے پاس آبیٹھی۔

”پری! کیا ہوا ہے آپ کو؟ ٹھیک تو ہیں نا آپ……!“ اس نے لائبہ کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

”پری!“ وہ اس کی بند ہوتی آنکھوں کو دیکھ کر زور زور سے روتی چیخنے لگی تھی۔ ”پری ہوش کریں…… دیکھیں کچھ نہیں ہوگا۔ کچھ نہیں کریں گے یہ لوگ…… آپ پلیز خود کو سنبھالیں۔“ وہ لائبہ کی ہتھیلیاں رگڑتے اسے بار بار پکار رہی تھی‘ رخسار تھپتھپا رہی تھی۔ لائبہ کی اس بے سدھ بت بنی حالت میں کوئی فرق نہ پڑا تو وہ بھائی کے پورشن کی جانب سرپٹ بھاگی تھی۔ جب وہ بھائی سمیت واپس لوٹی تو لائبہ مکمل طور پر بے ہوش ہوچکی تھی۔

* * *

ضوفی نے شہود بھائی اور بھابی کو سب بتادیا تھا اور اس نئی افتاد پر دونوں بہت پریشان ہوئے۔ بیگم ریاض اور بیگم جبار کی دی گئی دھمکیاں شام گئے تک درست ثابت ہوچکی تھیں۔ جب اسے ہوش آیا تو اس وقت شہود بھائی اور بھابی اپنے گھر میں اکھٹے محلے کے لوگوں کو مطمئن کرنے کی کوشش میں تھے۔ ضوفی کی بھی ان لوگوں کے سامنے پیشی ہوئی تھی اور لائبہ‘ وہ اس نئی صورت حال سے یکسر بے خبر تھی۔ وہ ہوش میں آنے کے بعد کتنی دیر تک کسی کی آمد کی منتظر رہی جب کافی دیر تک ضوفی‘ بھیا‘ بھابی وغیرہ میں سے کوئی بھی اس کے پاس نہ لوٹا تو وہ خود ہی بے جان ہوتی ٹانگوں کو گھسیٹتی باہر آگئی۔ سارا گھر خالی تھا۔ وہ صوفی کی تلاش میں بھیا کے پورشن میں آگئی لیکن وہاں لوگوں کا ایک جمگھٹا دیکھ کر اور بھانت بھانت کی آوازیں سن کر پھر چکرانے لگی۔

”شہود علوی! ہم تمہاری عزت کرتے ہیں مگر اس شخص کی یوں لڑکیوں کے گھر میں آمد کا آخر کیا مقصد تھا؟“ وہاں موجود لوگوں میں سے ایک بہت تیکھے انداز میں بولا تھا۔ منٹوں میں گزشتہ گزری اذیت لائبہ کو یاد آنے لگی۔

”جی انکل جی! میں آپ کو پہلے بھی بتا چکا ہوں میری اس شخص سے کافی گہری دوستی ہے۔ بھائیوں جیسے تعلقات ہیں آپس میں…… جب ہمارے گھر میں چوری ہوئی تھی تو اس نے ہی یہ کیس سنبھالا تھا۔ ایک دو دفعہ اس کی بچیوں سے رسماً ملاقات ہوئی تھی یا دو دفعہ وہ صرف کیس کے سلسلے میں یہاں آیا تھا۔ وہ جب بھی یہاں آیا ہے مجھے اطلاع دے کر اور میری موجودگی میں آیا ہے۔ مجھے اس پر بھی اعتماد ہے اور اپنی بچیوں پر بھی۔ کل رات بھی جب وہ آیا تھا تو اس وقت لائبہ بہن کی طبیعت کافی خراب تھی‘ میں اور ماہ جبیں ادھر ہی تھے۔ وہ ہمارے پاس ہی ادھر آگیا۔ کافی دیر میں اس سے باتیں کرتا رہا تھا جبکہ بچیاں اندر ہی تھیں۔ وہ بہت شریف النفس اور نیک انسان ہے۔“ بھیا نے دوٹوک انداز میں کہا۔

”میرا خیال ہے اب آپ کو میری بات سے مطمئن ہوجانا چاہیے‘ اگر آپ ثبوت مانگتے ہیں تو معاف کیجیے گا‘ آپ کو چاہیے تھا کہ آپ رات کو ہی ادھر کا رخ کرتے اور سب دیکھ لیتے۔ اسی وقت سب معاملہ صاف ہوجاتا۔ نہ میں اب اس وقت یہ لمبی چوڑی تاویلیں اور وضاحتیں پیش کررہا ہوتا اور نہ آپ معزز شریف حضرات میرے اس غریب خانے پر جمع ہونے کی زحمت فرماتے۔ جہاں تک بچیوں کی کفالت کا تعلق ہے تو وہ میری ذمہ داری ہیں اور میں اپنی ذمہ داری سے بہ احسن واقف ہوں‘ آپ لوگوں کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں بھی کوئی گیا گزرا عام انسان نہیں ہوں اگر آپ کوئی انوکھا نرالا قدم اٹھائیں گے تو میں بھی مجبور ہوجاؤں گا۔ اگر ہماری بچیوں کا بال بھی بیکا ہوا تو نتیجہ آپ کو بھی بھگتنا پڑے گا۔ میں یہ صرف کہہ ہی نہیں رہا‘ اگر آپ نے میری بات اور معذرت قبول نہیں کی تو میں یہ عملاً بھی کر دکھاؤں گا۔ جس شخص کے حوالے سے آپ سب یہ کہہ رہے ہیں اس کا بھی اس معاشرے میں ایک خاص مقام ہے۔ اس ایریے کا پورا کنٹرول ہے اس کے پاس…… میں اگر اسے ایک اشارہ کروں تو یقیناً آپ کو غیر مناسب نہیں لگے گا ورنہ میں صرف اپنی بچیوں کی وجہ سے خاموش ہوں۔“ شہود بھائی بہت نپے تلے دبنگ لہجے میں کہہ رہے تھے۔ ان کے دھمکی آمیز انداز پر موجود لوگوں پر بالکل خاموشی طاری ہوچکی تھی۔ اس سے زیادہ سننے کی اب لائبہ کے اندر ہمت بھی نہیں تھی۔ بہت ہی تکلیف سے وہ جیسے پرخار راستوں پر چلتے واپس اپنے کمرے میں لوٹی تھی۔ جس شخص کے حوالے سے ان کے ساتھ یہ سب کہا جارہا تھا وہ شخص نجانے کیا سوچ بیٹھا تھا۔ مگر افسوس یہ ظالم دنیا……!

وہ یوں بستر پر گری جیسے برسوں کی بیمار‘ ضعیف اور لاغر ہو۔

(جاری ہے)

(گزشتہ اقساط کا خلاصہ)

پارس عرف پری عدم توجہی اور سوتیلے رشتوں کی بدسلوکی کا شکار ہے۔ دادی جان اس کے لیے گھر بھر میں واحد محبت کرنے والی شخصیت ہیں جبکہ اپنے والد فیاض صاحب سے اس کا رابطہ واجبی سا ہے۔ فیاض صاحب کی دوسری بیوی صباحت فطرتاً حاسد، فضول خرچ اور طمع پرست ہیں۔ ان کے یہی اوصاف ان کی بیٹیوں عادلہ اور عائزہ میں بھی بہ درجہ اتم موجود ہیں۔ البتہ پری اور دادی جان کی حیثیت گھر بھر میں

قسط نمبر 7

بھیگی پلکوں پر

اقراء صغیر احمد

قرب کے نہ وفا کے ہوتے ہیں
سارے جھگڑے انا کے ہوتے ہیں
بھول جاتے ہیں مت برا کہنا
لوگ پتلے خطا کے ہوتے ہیں

مضبوط ہے۔ دادی جان سے پری کا اختلاف اس وقت ہوتا ہے جب آسٹریلیا سے ان کے پوتے طغرل کی بمعہ فیملی آمد کی اطلاع پر دادی پری کو اپنا کمرا طغرل کے لیے خالی کرنے کو کہتی ہیں جو اپنے کمرے سے دلی وابستگی کے سبب پری انکار کرتی ہے۔ بعدازاں آمادہ ہوجاتی ہے۔

رجاء ایک باپردہ اور حسین و جمیل لڑکی ہے جس کا تعلق مذہبی اور پابند گھرانے سے ہے۔ اس کی دوست اسے اپنے کزن سلمان عرف سنی کی جانب مائل کرنے میں کامیاب ہوجاتی ہے۔ وردہ گاہے بہ گاہے رجاء کے گھر کے پابند اور گھٹے ہوئے ماحول کی مخالفت کر کے رجاء کو اس سے متنفر کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ رجاء کے محلے میں ماہ رخ نامی ایک حسین و جمیل خاتون کے چرچے ہیں جو کردار کے حوالے سے مشکوک کہلائی جاتی ہے۔

طغرل کی آمد خاصی ہنگامہ خیز ثابت ہوتی ہے۔ پری کے ذہن میں طغرل اور اپنی بچپن کی لڑائیاں تازہ ہیں۔ پرانی چپقلش اور طغرل سے عناد کے باعث وہ طغرل کی آمد کے بعد بھی کافی عرصہ اس سے چھپ کر رہتی ہے مگر ایک روز طغرل اسے اپنے سامنے لانے میں کامیاب ہوجاتا ہے البتہ پری کی طغرل سے رکھائی برقرار رہتی ہے۔ عادلہ، طغرل پر ملتفت ہے اس کی وجاہت اور اس کے اسٹیٹس کے سبب۔

پری کی والدہ فیاض صاحب سے علیحدگی کے بعد اپنے خالہ زاد صفدر جمال سے شادی کر چکی ہیں جو ایک

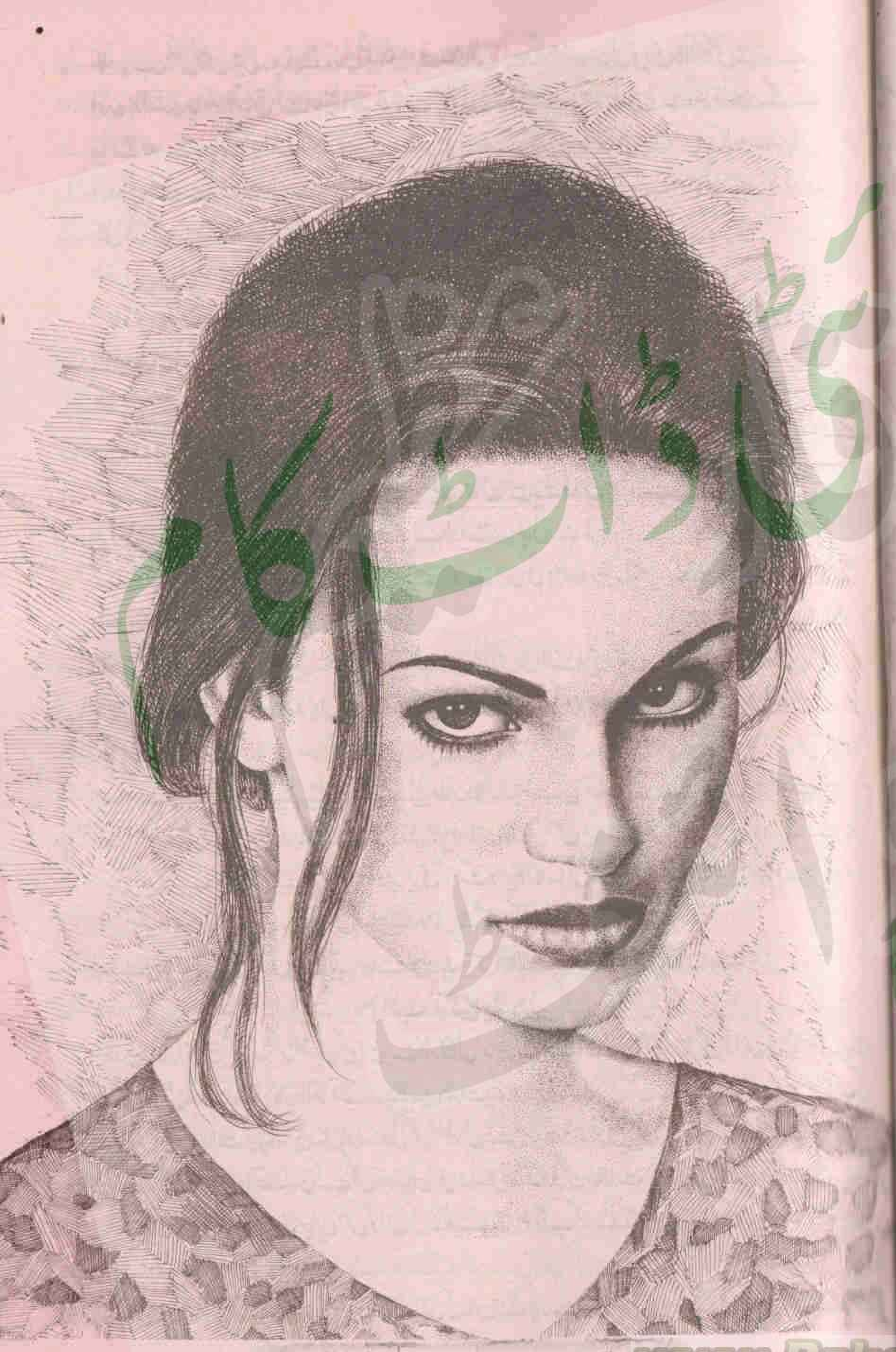

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
Mob: 0345-3812251, 0315-7554051

کامیاب بزنس مین ہیں۔ پری کے لیے مثنیٰ کی محبت لازوال ہے۔ مگر صفدر جمال کو پری کا ذکر بھی ناپسند ہے۔

وردہ بالآخر رجاء کو سلمان سے باضابطہ ملاقات پر آمادہ کر لیتی ہے۔ مگر سلمان سے ملاقات کے لیے جاتے ہوئے رجاء کا حوصلہ ڈگمگانے لگتا ہے‘ جس پر وردہ کے تیور بگڑ جاتے ہیں۔ جس کے سبب رجاء پر وردہ کی اصلیت آشکار ہوتی ہے اور وہ اس کے چنگل سے فرار ہونے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ وردہ اور سنی کا تعلق ایسے گروہ سے ہے‘ جو معصوم لڑکیوں کو ورغلا کر......!

طغرل‘ پری کی خود سے رکھائی پر حیران اور اس بابت اس سے استفسار کرتا ہے۔

رجاء سنی اور وردہ کے چنگل سے فرار ہو کر ماہ رخ کے گھر پناہ لیتی ہے۔ ماہ رخ‘ رجاء کو سنی اور وردہ کی اصلیت بتاتی ہے اور بحفاظت رجاء کو اس کے گھر چھوڑ کر آتی ہے۔

طغرل کے والد فیاض صاحب کی مدد سے پاکستان میں ہی کاروبار جمانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ طغرل ان سے مدد کی درخواست کرتا ہے۔

مثنیٰ کے اکثر اوقات بے گانگی کے مظاہرے پر صفدر جمال ان سے شاکی ہو جاتے ہیں۔

پری ایک بار پھر طغرل کی شرارت کا شکار ہو کر بے وقوف بن جاتی ہے۔

رجاء کو پیش آنے والے حادثے سے سبق سیکھتے ہوئے اس کی والدہ رضیہ بیگم نے اس کی شادی کر دی جس میں ماہ رخ پیش پیش رہیں۔

ماہ رخ ماضی میں جا پہنچتی ہیں۔ جہاں وہ ایک سبزی فروش کی لاڈلی بیٹی تھیں۔ ان کے قدم زمین پر مگر نگاہیں بلندی پر تھیں اور بلندیوں کی چاہ نے اسے اس کا مقام بھی بھلا دیا تھا اور اپنے کزن گلفام کی چاہت بھی۔

صباحت کی بھابی نے اپنے بیٹے فاخر کے لیے عائزہ کا رشتہ طلب کیا تھا۔ فیاض صاحب نے صباحت کو نرم لفظوں میں پہلے پری اور عادلہ کی موجودگی کا احساس دلایا‘ جس پر دونوں کی تکرار میں صباحت نے پری اور مثنیٰ کے حوالے سے نازیبا گفتگو پر پری کو سخت دھچکا لگا۔ اس نے اسی وقت یہ گھر چھوڑ دینے کا عزم کیا۔ تاہم اماں جان نے فیاض صاحب کو اس رشتے کے لیے راضی کر لیا۔

رات کی تاریکی میں طغرل نے ایک سائے کو سوٹ کیس تھامے گھر سے فرار ہوتے دیکھا۔

(اب آگے پڑھیے)

کار کی رفتار اتنی تیز تھی کہ اگر طغرل گیراج سے کار نکال کر سڑک تک لانے کی سعی کرتا بھی تو اس کی نگاہوں سے لمحوں میں اوجھل ہونے والی کار کا تعاقب بے کار ہی ثابت ہوتا۔ پری کے اس فعل نے کہ جس طرح گھر والوں کی عزت پامال کر کے رات کی تاریکی میں فرار ہوئی تھی‘ طغرل کے غیرت مند خون میں شعلے بھڑک اٹھے تھے۔ پہلی بار وہ اس کے لیے افسردہ ہوا تھا۔ آج سے قبل وہ جان ہی نہ سکا تھا کہ وہ کن حالات سے آج تک نبرد آزما رہی ہے۔ کل جب اس کو معلوم ہوا تھا چچا جان اس کو اس کی نانو کے ہاں ڈراپ کرنے نہیں جائیں گے۔ کس قدر ڈسٹرب ہو گئی تھی۔ ملول اداس اور آزردہ!

پھر آج جو کچھ صباحت آنٹی نے اس کے اور اس کی ماں کے بارے میں کہا‘ کتنی سنگ دلی اور لاتعلقی سے آنٹی اس کے بارے میں گفتگو کر رہی تھیں‘ ان کا لہجہ‘ ان کے الفاظ بہت تکلیف دہ تھے۔ وہ باتیں‘ وہ نفرتیں اس کے لیے تھیں‘ جب اسے ازحد ناگواری اور دکھ کا احساس ہوا تو پری کو کتنی تکلیف ہوئی ہوگی؟ کتنا دکھ ہوا ہوگا۔ وہ بے آواز رو رہی تھی‘ اس کا حوصلہ نہ ہوا کہ رک کر کوئی بول تسلی کے کہہ دیتا‘ ہمدردی سے اس کے آنسو پونچھ دیتا۔ وہ خاموشی سے وہاں سے آ گیا تھا اور پھر ایک بوجھل سا احساس اس کو خاصا مضطرب کر گیا تھا۔ خاصا وقت گزارنے کے بعد بھی نیند اس کی آنکھوں سے اوجھل تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کسی طریقے سے صباحت آنٹی اور پری کے درمیان نفرت کے تعلق کو محبت کے تعلق میں تبدیل کیا جائے لیکن......!

دو رشتوں کے تعلق کو باہم جوڑنے کے لیے بنانے والے پل کی بنیاد پہلے ہی زمین بوس ہو چکی تھی۔

”پری! تم نے اس طرح رات کی تاریکی میں فرار ہو کر اچھا نہیں کیا‘ تمہیں صباحت آنٹی سے شکایت تھی‘ چچا جان سے گلے تھے‘ عادلہ‘ عائزہ سے ناراضگی تھی‘ ٹھیک ہے میں مانتا ہوں‘ خودداری اور عزت نفس مجروح ہو‘ یہ کوئی برداشت نہیں کرتا۔ غصہ آ جاتا ہے‘ جھگڑا بھی ہو جاتا ہے ایسے میں...... مگر یہ سب گھر کے اندر ہوتا ہے‘ گھر سے فرار کہیں بھی ممکن نہیں ہے۔ یہ مسائل کو سلجھانا نہیں الجھانا ہے۔“

وہ ڈھیلے ڈھیلے قدموں سے واپس آ رہا تھا‘ گیٹ بند کرتے ہوئے اس کو اندازہ ہوا کہ لان کی لائٹس منصوبے کے تحت بند کی گئی تھیں۔ وہ بیڈ پر آ کر دونوں ہاتھوں میں سر تھام کر بیٹھ گیا۔ سوچوں کا ایک طوفان تھا‘ جس نے اس کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔

”صبح جب سب کو معلوم ہوگا پری رات کو کہیں چلی گئی ہے تو کیسا کہرام مچے گا‘ شاید اس کے اس طرح جانے سے صباحت آنٹی پر کوئی اثر نہ ہو‘ بلکہ وہ خوش ہوں کہ وہ یہی چاہتی تھیں کہ پری اس گھر سے چلی جائے۔ چچا جان کا رویہ کس طرح کا ہوگا یہ میں نہیں جانتا۔ مجھے فکر ہے تو دادی جان کی...... دادی جان اس خبر کو کس طرح برداشت کریں گی؟ انہوں نے سب سے زیادہ پری سے محبت کی ہے اور کرتی ہیں۔ وہ اس کے بغیر رہ نہیں پائیں گی۔ جانے کہاں ہوگی وہ اور کس کے ساتھ...... اگر دادی کو کچھ ہوا تو پری! میں تمہیں شوٹ کر دوں گا۔ تم کہیں بھی ہو‘ تمہیں ڈھونڈ نکالوں گا‘ نہیں معاف کروں گا تمہیں......“

* * *

”ماہ رخ! تم وین سے آئی ہو؟“ اس کی کلاس فیلو جویریہ نے اسے وین سے اترتے دیکھ کر حیرانگی سے دریافت کیا۔ ایک تو وین بھری ہوئی ملی تھی‘ دوسرے گرمی کے مارے برا حال تھا اور تیسری مصیبت جویریہ کی صورت میں اس کے سامنے کھڑی تھی۔

”نہیں...... نہیں میں کار میں آئی تھی‘ کالج سے ایک اسٹاپ پہلے ہی کار میں کچھ خرابی ہو گئی‘ ڈرائیور نے کہا بھی کہ دوسری کار لے آتا ہوں میں نے ہی منع کر دیا کہ تم ٹائم لگاؤ گے‘ ایک اسٹاپ کی ہی تو بات ہے‘ میں وین میں چلی جاتی ہوں۔ ذرا ایڈونچر ہی ہو جائے گا۔“ اس کے دماغ کی زرخیزی نے بے حد تیزی سے کام دکھایا۔

”اوہ سویٹ! کبھی کبھی ایسے ایڈونچرز کرتے رہنا چاہیے۔“

”آج کیا تم بھی کار میں نہیں آئی ہو؟“ وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھ رہی تھی‘ کالج کچھ دور تھا۔

”ہاں! آج بھائی کو جلدی جانا تھا‘ دیر ہونے کی وجہ سے میں یہیں اتر گئی تھی‘ ان کو کسی فارنر دوست کو ائر پورٹ

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
Mob: 0345-3812251, 0315-7554951

سے ریسیو کرنا ہے۔"

"ہاں بھئی! یہ فارنرز بہت وقت کے پابند ہوتے ہیں۔ میرے پپا کے دوستوں میں زیادہ تر فارنرز ہی ہیں۔ مجھے پتا ہے ان کے مزاجوں کا۔" وہ بے حد پُر اعتماد و مطمئن تھی۔

"اوہو! پھر تو تم بہت سے ممالک گھوم چکی ہوگی؟" جویریہ اس سے خاصی مرعوب دکھائی دے رہی تھی۔ ویسے بھی ماہ رخ کے حسن کے چرچے پورے کالج میں تھے وہ بی اے کے آخری سال کی طالبہ تھی۔ یہ شہر کا وہ کالج تھا جس میں متمول گھرانے کی لڑکیاں پڑھتی تھیں۔

ماہ رخ جو سبزی فروش کی بیٹی تھی۔ اس کا گھرانا خوش حال لوگوں میں شمار نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن وہ آسودہ حال لوگوں میں ضرور شامل کیے جا سکتے تھے۔ وہ شروع سے باپ کی بے حد لاڈلی تھی تو چچا کی اس میں جان تھی۔ سب کی خوشیوں کا مرکز بھی اور اپنی اس قدر و قیمت سے وہ واقف بھی تھی' اس لیے خوب بڑھ چڑھ کر خواہشیں کرنا اور ان کو منوانا اس کی عادت بن چکی تھی۔ ہمیشہ اس نے اعلیٰ تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کی تھی اور اب بھی وہ اس کالج میں ضد کرکے ہی آئی تھی۔ یہاں آ کر بھی اس نے حسب عادت خود کو ایک بہت امیر و کبیر فیملی سے ظاہر کیا تھا' یہاں آنے تک اپنی بڑی ساری چادر جو وہ گھر سے اوڑھ کر نکلتی تھی اور گھر سے کچھ فاصلے پر آ کر وہ بیگ میں رکھ دیا کرتی تھی۔ ریشمی نما دوپٹا شانے پر ڈال کر وہ خود کو سنوار کر کالج بڑے اسٹائلش انداز میں پہنچتی تھی۔ اگر گھر کا کوئی فرد اس کو اس حلیے میں دیکھ بھی لیتا تو فوراً شناخت نہیں کر سکتا تھا۔

"اے رخ! تم نے جواب نہیں دیا' بتاؤ نا! کن کن ملکوں کی سیر کی ہے...... کہاں کہاں گئی ہو؟" اس کو خاموش دیکھ کر جویریہ نے پوچھا۔

"یار! یہی تو گن رہی ہوں کہ کہاں کہاں گئی ہوں۔"

"اوہ میرے خدا! تم نے اتنے ملکوں کی سیر کی ہے کہ تم کو یاد ہی نہیں ہے؟" جویریہ کے لہجے میں رشک آمیز حیرت تھی۔

"بے شک مائی ڈیئر! اب تو شاید ہی کوئی ملک رہ گیا ہو۔" وہ شانے اچکا کر شاہانہ انداز میں گویا ہوئی۔ "جو میں نے دیکھا نہ ہو اور یقین کرو۔ اب پپا مما کہتے بھی ہیں کہ ساتھ چلو گرمیوں کا موسم ہم کسی اور ملک میں گزاریں گے تو میں منع کر دیتی ہوں۔"

"تم تو بہت خوش قسمت ہو رخ...... ! کاش میں بھی اتنی خوش قسمت ہو جاؤں۔"

❁......☆......❁

صفدر جمال نے سگار پیتے ہوئے اپنی نگاہوں کو ثنی کے چہرے پر مرکوز کیا ہوا تھا۔ ثنی چیئر پر بیٹھی سیل پر محو گفتگو تھیں' ان کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔ وہ کسی کو کچھ سمجھانے کی سعی کر رہی تھیں مگر دوسری جانب کوئی ماننے کو تیار نہ ہوا تو انہوں نے سیل آف کر کے رکھ دیا تھا۔

"کیا ہوا ہے...... بہت فکرمند لگ رہی ہیں؟" صفدر نے پوچھا۔

"وہی سعود کی بے جا اور فضول ضد...... جس کی رٹ اس نے کئی ہفتوں سے لگائی ہوئی ہے۔" وہ دونوں ہاتھوں سے کنپٹیاں دباتے ہوئے گویا ہوئیں۔

"اتنا پریشان کیوں ہوتی ہو یار! وہ جوان ہے اس عمر میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ آپ مانو یا نہ مانو وہ وہی کرے گا جو اس کو کرنا ہے تو بہتر یہی ہوگا کہ آپ خوشی سے اس کو اجازت دے دیں۔" سگار کا دھواں خارج کرتے ہوئے وہ نرم مزاجی سے سمجھانے لگے۔

"صفدر! آپ کو معلوم ہے آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"جی! میں یہی کہہ رہا ہوں' سعود شادی کرنا چاہتا ہے تو کرنے دیں۔ لو میرج کوئی گناہ کی بات تو نہیں ہے۔ آپ تو یہ بھی اچھی طرح جانتی ہیں۔" ان کے نرم لہجے میں طنز کی دھیمی سی کاٹ تھی۔ وہ کاٹ جو مرد کی زبان سے کسی تیر کی طرح نکلتی ہے اور عورت کی روح میں پیوست ہو جاتی ہے۔ ثنی بھی تیر کھا کر گھائل تو ہوئیں مگر "آہ" اندر ہی سسکنے لگی۔

"جی ٹھیک کہا آپ نے......" وہ مضبوط و ٹھہرے ہوئے لہجے میں گویا ہوئیں۔ "میں یہ جانتی ہوں' لو میرج کرنا کوئی گناہ کی بات نہیں ہے...... مگر آپ کو معلوم ہے سعود ابھی اسٹڈی کر رہا ہے' اس طرح وہ کیسے اور کس طرح سنبھال سکے گا اپنی پڑھائی اور شادی شدہ زندگی کو......؟"

"پڑھائی اس کی چند دنوں میں مکمل ہو جائے گی۔"

"پھر وہ چند دنوں تک صبر کر لے ایسا بے قرار کیوں ہو رہا ہے؟"

"اس کو محبت ہو گئی ہے اور یہ اسٹڈی تو صرف ایک وقتی ضرورت یا اسٹیٹس سمبل ہے ورنہ میرے بیٹے کو ڈگریوں کی ضرورت نہیں ہے' میری ساری دولت کا اکلوتا وارث ہے وہ......" صفدر جمال کے لہجے میں اپنی دولت و مرتبے کا فخر و سرشاری تھی۔

"آپ ہر معاملے کو اسٹیٹس سمبل کیوں سمجھتے ہیں؟ آپ کے اس اسٹیٹس سمبل نے سعود کو کتنی برائیوں میں مبتلا کر دیا ہے' یہ معلوم نہیں ہے آپ کو صفدر...... ! ہر خواہش جائز نہیں ہوتی اور نہ ہی ہر ضد پوری کی جاتی ہے۔ ہم کتنے ہی ماڈرن ہو جائیں اور کتنے ہی آزاد خیال...... مگر ہماری اساس' ہماری شناخت ہمارے مذہب سے ہوتی ہے۔ ہم اللہ کو اپنا معبود مانتے ہیں دل و جان سے' پوری صداقت سے ہم اپنے ربّ کو تسلیم کرتے ہیں اور اس کی عطا کردہ حدود و قیود کے پابند ہیں۔" وہ ٹھوس لہجے میں روانی سے کہتی چلی گئیں۔ صفدر جمال نے اٹھ کر سگار ایش ٹرے میں بجھایا۔

"آپ اس قدر مذہبی کب سے ہو گئی ہیں؟"

"میرے خیال میں اتنا مذہبی تو ہر مسلمان ہی ہوتا ہے۔"

"ثنی! حدود اس وقت تک حدود رہتی ہیں جب کہ دوسروں کی خواہشوں کا بھی احترام کیا جائے اور جہاں اپنی منوانے کی ضد پکڑ لی جائے تو...... وہ حدود نہیں انتہا پسندی کہلاتی ہے اور میں نہیں چاہتا آپ کی اس انتہا پسندی کی نذر میرے بیٹے کی خوشیاں ہو جائیں۔"

"تو کیا آپ سعود کو اس ہندو لڑکی سے شادی کی۔ اجازت دے دیں گے؟" ثنی نے متوحش انداز میں پوچھا۔ اور جواب میں اک گمبھیر خاموشی چھا گئی!

❁......✣......❁

طغرل کے لیے رات کا ایک ایک لمحہ گویا ٹھہر ٹھہر کر گزرتا تھا' وہ ایک پل سو نہ سکا تھا۔ عجیب وحشت تھی اور

Mob: 0345-3812251, 0315-7554951

We at Paksociety.com giving you the facility to download urdu novels,monthly digest,imran series etc with direct links and alternatively 21 other mirrors.
for complaint about site not opening contact us @

admin@paksociety.com or

message at 0336-5557121

اضطراب تھا۔ وہ کس کو بتاتا رات کے آخری پہر اس گھر کی عزت سیاہ رات کی سیاہی پھیلا کر اس گھر سے فرار ہو چکی ہے...... کہاں...... اور کس کے ساتھ......؟ یہ سوال ساری رات اس کو ڈستا رہا تھا۔ وہ جانتا تھا بات بے بات' کام ہو یا نہ ہو' دادو کی عادت ہے پری کو پکارنے' اس سے ہر چھوٹے بڑے کام کرانے کی اور جب صبح وہ اس کو گھر میں نہ پائیں گی تو......!

اس سے آگے سوچ کر اس کی سانسیں بند ہونے لگتی تھیں۔

صحرا میں بھٹکتے کسی مسافر کی طرح وہ کمرے میں چکر لگاتا رہا' سوچتا رہا۔

پری کہاں جاسکتی ہے؟ کس کے پاس جاسکتی ہے؟ کون ہے ایسا ہمدرد اس کا؟

وہ سب گھر والوں کے بیدار ہونے سے قبل ہی پری کو اس گھر میں لانا چاہتا تھا۔ بلاشبہ ان دونوں کے تعلقات ایک دوسرے سے ہمیشہ کی طرح آج بھی خراب تھے' اس کی گڈ بک میں آج بھی پری کا نام نہ تھا۔ بے شک وہ کبھی اس کے لیے اتنا فکر مند نہ ہوتا اگر وہ ایسی پست حرکت نہ کرتی تو......! وہ بہت گھٹیا حرکت کر گئی تھی۔ معاً اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا اور اسے یاد آگیا وہ کل پری کو اس کی نانی کے ہاں ڈراپ کرنے گیا تھا۔

وہ وہیں جاسکتی ہے' اس گھر کے علاوہ اس کا اور کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ یہ خیال آتے ہی اس کے اندر ایک برق سی دوڑ گئی تھی۔

موسم میں خنکی بڑھ گئی تھی۔ اس نے جیکٹ پہنتے ہوئے کھڑکی سے باہر نگاہ دوڑائی تھی' ابھی رات نے دھیرے دھیرے اپنا سیاہ آنچل سمیٹنا شروع کیا تھا' کار کی چابی اٹھا کر وہ بہت غیر محسوس انداز میں چلتا ہوا جوتے پہن کر پارکنگ لاٹ میں آیا تو باہر تیزی سے دھند پھیل رہی تھی' جس سے خنکی کا احساس مزید بڑھ گیا تھا' مگر وہ موسم کے اس تیور سے بالکل متاثر نہیں ہوا تھا۔ اس کے اندر جو آگ دہک رہی تھی' یہ خنکی اس آگ کو بجھانے کے لیے قطرے کی حیثیت رکھتی تھی۔ اس کی کار سڑک پر پوری رفتار سے دوڑ رہی تھی۔

صبح ابھی نمودار نہیں ہوئی تھی۔ اکا دکا گاڑیاں سڑکوں پر رواں دواں تھیں۔ وہ بہت جلد پری کی نانو کے بنگلے پر پہنچ گیا تھا' چوکیدار نے اپنے کیبن کی کھڑکی کھول کر اسے دیکھا اور پہچان کر سلام کیا۔

''خان بابا! بیگم صاحبہ سے ملنا ہے۔''

''صاب! بیگم صاب تو کل سے شہر سے باہر گیا ہوا ہے۔'' چوکیدار کے جواب نے اس کے اوسان خطا کر ڈالے۔

''کس کے ساتھ......؟ کیا پری بھی تھی ان کے ساتھ؟'' اگلا جواب اس کے ہوش اڑانے کے لیے کسی بم سے کم نہ تھا۔

''نہیں صاب! بیگم صاب اکیلا گیا ہے۔''

''تم نے خود دیکھا ہے؟'' اس کی عجیب حالت تھی۔

''جی صاب! ام نے خود دیکھا ہے اپنا ان گناہ گار آنکھوں سے......'' طغرل کو ساری دنیا گول گول گھومتی محسوس ہوئی۔

⁂

نیم کے درخت پر دھوپ سونا نچھاور کر رہی تھی۔ شریر چڑیاں اس کی شاخوں پر ایک دوسری سے اٹھکھیلیاں کرنے میں مصروف تھیں۔ ان کی چہکار سے آنگن گونج رہا تھا۔ گھر میں اس وقت بے حد خاموشی تھی اور اس سناٹے میں گونجتی چڑیوں کی چہکار وہاں پلنگ پر بیٹھے گلفام کو بہت سکون پہنچا رہی تھیں۔ اس نے جیب سے نوٹ

نکالے اور گننے لگا۔

"سو...... دوسو...... ایک ہزار تین سو پچاس روپے...... اتنے کم روپوں میں ایک خوب صورت انگوٹھی بھی نہیں آئے گی' میں چاہتا ہوں اپنی رخ کو سونے کا پورا سیٹ لاکر دوں۔ کتنی خوش ہوگی وہ' جب میں اس کو سونے کا سیٹ لاکر دوں گا۔ وہ حیران ہوجائے گی اور جب وہ حیران ہوتی ہے تو اور بھی حسین دکھائی دیتی ہے۔" وہ ہاتھوں کو تکیہ بنا کر چارپائی پر لیٹ کر اس کے تصور میں گم ہوگیا۔

"رخ...... غصے میں بھی اتنی حسین لگتی ہے جتنی مسکراتے ہوئے لگتی ہے' وہ مجھ سے تو ہر وقت خفا رہتی ہے اور مجھے پسند بھی نہیں کرتی۔ ضروری تو نہیں وہ مجھے اچھی لگتی ہے تو میں بھی اسے اچھا لگوں۔" وہ مسکراتے ہوئے خود کلامی میں مصروف تھا۔ "ضروری تو یہ ہے وہ مجھے اچھی لگتی ہے اور ساری زندگی اچھی لگتی رہے' محبت میں لین دین نہیں چلتا۔ محبت سودا تو نہیں ہے کہ ایک بیچتا ہے' ایک خریدتا ہے۔ محبت تو ایک قلعہ ہے' اس کو فتح کرنا آسان کام نہیں ہوتا اور میں رخ کے دل کے دروازے پر اس وقت تک دستک دیتا رہوں گا' جب تک وہ دروازہ میرے لیے وا نہیں ہوجاتا۔"

فاطمہ نماز سے فارغ ہوکر باہر آئیں تو گلفام کو اس طرح لیٹے دیکھ کر پیار سے گویا ہوئیں۔

"گلفام! اس طرح کیوں لیٹے ہو بیٹے! میں تکیہ لاکر دیتی ہوں' آرام سے لیٹو۔" وہ تکیہ لانے کے لیے مڑیں۔

"نہیں نہیں تائی جان! میں جا رہا ہوں' آپ تکیہ مت لائیں۔" وہ ان کو دیکھتے ہی احتراماً اٹھ گیا۔

"نائٹ ڈیوٹی کے بعد ابھی آئے ہو' اب کہاں جا رہے ہو؟ کچھ دیر آرام کرلینا پھر چلے جانا۔ کسی دوست کی طرف ہی جانا ہوگا نا!"

"نہیں تائی جان! دوست کی طرف نہیں جاؤں گا۔ اب تو دوستوں سے کبھی کبھی آتے جاتے ملاقات ہوجاتی ہے بس۔"

"پھر کہاں جانے کا ارادہ ہے' جس کی خاطر تم آرام بھی نہیں کر رہے ہو؟" فاطمہ حیرت سے گویا ہوئی۔

"وہ...... میں نے ایک سپر اسٹور پر بات کی ہے' دن میں وہاں پر نوکری کروں گا۔ معقول تنخواہ مل جائے گی یہاں سے تو میری تنخواہ دگنی ہوجائے گی۔"

"گلفام! انسان ہو تم...... مشین نہیں ہو جو چوبیس گھنٹے کام کرو گے۔ بندہ اپنی استطاعت کے مطابق ہی کام کرے تو بہتر ہے ویسے بھی ہم کو ایسی کوئی ضرورتیں تنگ نہیں کر رہی ہیں' جن کی خاطر تم خود کو مشین بنالو۔"

"تائی جان! آپ کو کیا معلوم یہ سب کس کی ضرورت کے لیے اور اپنی خواہش پوری کرنے کے لیے ہی تو کر رہا ہوں......" وہ دل ہی دل میں ان سے مخاطب ہوا تھا۔

"ایک تو ماہ رخ سے بہت تنگ ہوں میں......" وہ آنگن میں پھیلے نیم کے پتے جھاڑو سے سمیٹتے ہوئے بڑبڑائیں۔

"کوئی غلطی ہوگئی اس سے؟" ماہ رخ کے نام پر اس کا دل دھڑکا تھا۔

"غلطی نہیں' غلطیاں کہو' اس عمر میں لڑکیاں گھر داری سیکھتی ہیں' گھر کو بناتی سنوارتی ہیں اور وہ پڑھائی میں لگی رہتی ہیں۔" انہوں نے جھنجلا کر کہا تھا۔ وہ مسکرا کر اٹھ گیا۔

❖

وہ گھر سے فرار حاصل کرنا چاہتا تھا تبھی بلا مقصد کار مختلف سڑکوں پر دوڑائے پھر رہا تھا۔ وہ سب برداشت کرسکتا تھا' ہر دکھ جھیلنے کا حوصلہ رکھتا تھا مگر دادو کو کوئی تکلیف پہنچے...... وہ آزردہ ہوں' ان کا دکھ کسی قیمت پر وہ برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ اس کی نگاہیں تیزی سے اِدھر اُدھر سے گزرنے والی ہر لڑکی کے چہرے پر پڑ رہی تھیں کہ شاید ان میں سے کوئی پری ہو۔

صبح سے شام ہوگئی تھی۔ اس نے ان جگہوں کو بھی چھان مارا تھا' جہاں کبھی اس کا گزر بھی نہیں ہوا تھا۔ وہ کہیں نہیں تھی۔ پری شاید کسی پرستان کی پری کی طرح اوجھل ہوگئی تھی۔ بوجھل قدموں کے ساتھ اب وہ گھر کی طرف لوٹ رہا تھا۔

اندر قدم رکھتے ہی سب چہروں کو اس نے پریشان و متفکر پایا تھا۔ دونوں پھوپیوں کو فیملیز کے ساتھ موجود پاکر اسے سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ پری کے فرار کی خبر ان تک بھی پہنچ گئی ہے۔

"کہاں چلے گئے تھے طغرل!" بے حد پریشانی سے فیاض صاحب اس کے قریب آکر سنجیدگی سے گویا ہوئے۔

"دادی جان کیسی ہیں؟" وہ آہستگی سے گویا ہوا۔

"طبیعت بگڑ گئی تھی ان کی......"

"پھر...... ! کیا وہ اسپتال میں ہیں؟" وہی ہوا تھا جس کا خدشہ اس کو اب تک ستا تا رہا تھا۔ بھلا دادی اتنا بڑا صدمہ کس طرح برداشت کرسکتی تھیں' وہ ان کی بات قطع کرکے بولا۔

"نہیں...... ڈاکٹر گھر پر ہی چیک اپ کرکے گیا ہے۔ اب ان کی طبیعت بہتر ہے' وہ نیند کے انجکشن کے باعث سو رہی ہیں۔"

"شکر ہے اللہ کا!" اس نے گہرا سانس لیا۔

"آپ فریش ہوکر آئیں' ضروری بات کرنی ہے آپ سے۔" انہوں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر تھپتھپاتے ہوئے کہا تو اس کو خیال آیا وہ سارا دن نائٹ سوٹ میں مختلف جگہوں پر مارا مارا پھرتا رہا تھا' اس کو نہ اپنے لباس کا خیال رہا تھا نہ بے ترتیب حلیے کا...... وہ ہر بات سے بے پروا بس پری کو ڈھونڈنے میں سرگرداں رہا تھا۔

"سارا دن کہاں رہے طغرل! ہم سب اتنے پریشان تھے۔" کھانے کی ٹیبل پر آصفہ پھوپو نے استفسار کیا۔

"اچھا ہوا تم آگئے' ہم گھبرا کر مذنب بھابی کو کال کرنے والے تھے۔" چھوٹی پھوپو عامرہ نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"پری کی وجہ سے میری بچی کی پہلی خوشی میں رکاوٹ پڑ گئی ہے' نا معلوم کس منحوس گھڑی میں جنم لیا تھا اس لڑکی نے۔" صباحت کا مزاج بُری طرح بگڑا ہوا تھا' دوسروں کے چہروں پر بھی تاثرات کچھ اچھے نہ تھے' کھانا خاموشی میں کھایا گیا۔

"ارے کتنا کم کھایا ہے تم نے؟" اسے اٹھتا دیکھ کر صباحت نے کہا۔

"بھوک نہیں ہے آنٹی!" اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"اماں جان کی فکر ہوگئی ہے تم کو۔"

"جی...... میں ان کے پاس جا رہا ہوں۔"

Mob: 0345-3812251, 0315-7554951

''وہ سو رہی ہیں ابھی۔''

''میں ایک نگاہ ان کو دیکھنا چاہتا ہوں۔''

وہ وہاں سے سیدھا ان کے کمرے میں آ گیا' دادی بے خبر سو رہی تھیں۔ ان کے سوئے ہوئے چہرے پر بھی فکر و دکھ کی پرچھائیاں دیکھی جاسکتی تھیں' وہ گم صم کھڑا کافی دیر تک ان کے چہرے کو دیکھتا رہا۔ پھر اس کی نظر اس طرف پڑی دادی کے برابر میں جہاں پری سوتی تھی' وہ جگہ خالی تھی۔ چادر اس حصے کی بے شکن تھی۔ اس کے خون میں پھر ابال اٹھنے لگے۔ وہ رات کو اس کی نگاہوں کے سامنے فرار ہوئی تھی۔ وہ سمجھ رہا تھا صباحت آنٹی کی باتوں سے دل برداشتہ ہو کر وہ اپنی نانو کے گھر چلی گئی ہوگی مگر وہاں صبح چوکیدار نے بتایا کہ اس کی نانو پہلے ہی کسی اور جگہ جا چکی تھیں۔

وہ وہاں نہیں گئی تو کہاں گئی ہے؟

''طغرل! اماں سو رہی ہیں۔ آئیں کچھ باتیں کرتے ہیں۔''

فیاض صاحب کے آنے کی اسے خبر نہ ہو سکی تھی ان کی دھیمی آواز پر وہ چونک کر پلٹا اور ان کے ساتھ کمرے سے نکل آیا۔ وہ اس کو لے کر ٹیرس پر آ گئے جہاں کرسیاں اور ٹیبل رکھی تھیں۔ بوگن ویلیا کی بیلیں گرل سے خوب صورت انداز میں لپٹی ہوئی تھیں اور اک جانب رکھے گملوں میں پودے لگے ہوئے تھے جن کے پھولوں کی بھینی بھینی خوش بوئیں فضا کو معطر کر رہی تھیں۔

اس جگہ پر اس نے اکثر پری کو بیٹھے دیکھا تھا۔

''کیا ایسی ایمرجنسی تھی بیٹے! جو آپ بنا کچھ کہے صبح سے گھر سے غائب تھے؟ میں کچھ دیر قبل گھر آیا تو معلوم ہوا آپ صبح سے گھر میں نہیں ہیں' آپ کا سیل فون بھی کمرے میں تھا۔ یہاں آپ کے کسی سے تعلقات نہیں ہیں جو ہم سوچتے کہ آپ وہاں ہوں گے' رابطہ بھی نہیں کر سکتے تھے کہ سیل فون گھر میں ہی موجود تھا۔''

''آپ رات گھر پر نہیں تھے چچا جان!'' ان کے اندازِ گفتگو سے طغرل کو محسوس ہوا وہ شاید ابھی گھر پر گزرنے والی قیامت سے لاعلم ہیں۔

''جی! رات ایک دوست کا فون آیا کہ اس نے مچھلی کے شکار کا پروگرام بنایا تھا اور بھی دوست تھے' میں نے سوچا چلتے ہیں' کچھ وقت گھر سے دور رہ کر طبیعت فریش ہو جائے گی۔ یہاں آیا تو معلوم ہوا آپ صبح اپنے کمرے میں نہیں تھے' کار لے کر کہیں گئے ہیں' سیل فون بھی آپ کے پاس نہیں ہے تو میں گھبرا گیا۔''

''سوری چچا جان! آپ سب کو تکلیف ہوئی' دراصل میں صبح ہی آؤٹنگ پر نکل گیا تھا اور راستہ بھول بیٹھا تھا۔''

اس کو مناسب نہ لگا ان کو خود بتانا' جو ہوا!

❖

''جویریہ! تمہاری برتھ ڈے پر میں نہیں آ سکتی' سوری!'' کالج سے واپسی پر وہ معذرت کرنے لگی۔

''یہ کیا بات ہوئی' یہ کیسی دوستی ہے ہماری کہ نہ تم میرے گھر آتی ہو اور نہ مجھے بلاتی ہو' کتنی پارٹیز پر تمہیں بلایا ہے تم نے ہر بار بہانہ کر دیا ہے' میں جانتی ہوں شاید ہم لوگ تم جتنے امیر نہیں ہیں' تمہاری نسبت ہمارا اسٹیٹس کم ہے' مگر دوستی امیری غریبی کب دیکھتی ہے؟ میں تمہیں اپنے منگیتر سے ملوانا چاہتی ہوں۔'' جویریہ اس کے انکار سے خاصی دل برداشتہ تھی۔

''مائی ڈیئر! پلیز مائنڈ مت کرو۔ اب تم تو جانتی ہی ہو نہ پپا کا حلقہ احباب اتنا وسیع ہے کہ ہر روز ہی کہیں نہ کہیں انوائٹ ہوتے ہیں اور آج بھی پارٹی میں جانا ضروری ہے ورنہ پپا خفا ہوں گے۔'' اس کے معذرتی لہجے میں بڑی مٹھاس تھی۔

''نامعلوم کیوں' جس دن میں تمہیں کسی پارٹی میں انوائٹ کرتی ہوں' اس دن ہی تمہارا کہیں جانا انتہائی ضروری ہوتا ہے۔''

''میری جان! میری زندگی ایسے اتفاقات سے بھری پڑی ہے۔'' وہ فخریہ انداز میں مسکرائی پھر شوخی سے گویا ہوئی۔ ''فکر مت کرو' میں آؤں گی نہیں مگر گفٹ ضرور دوں گی۔''

''تم میری برتھ ڈے پر آتیں وہ ہی میرا گفٹ ہوتا' اب میرے لیے گفٹ لائیں بھی تو میں دوستی ختم کر دوں گی۔''

''اچھا ہے...... میری ٹینشن دور کر دی۔'' وہ دل میں اس سے مخاطب ہوئی تھی۔

''تمہاری گاڑی ٹھیک نہیں ہوئی ہے میرے ساتھ چلو' میں تمہیں ڈراپ کر دوں گی' شوفر گاڑی لا چکا ہے۔'' اس کو اسٹاپ کی طرف جاتے دیکھ کر جویریہ نے پیش کش کی۔

''ارے نہیں...... نہیں میں وین میں چلی جاؤں گی۔'' وہ ایک دم ہی پریشان ہو کر کہنے لگی۔

''کیا میں اس لائق بھی نہیں ہوں کہ تمہیں تمہارے گھر تک ڈراپ کر دوں؟ چلو اندر مت بلانا' میں باہر سے ہی تمہارا محل دیکھ لوں گی۔'' جویریہ کا سادہ لہجہ طنز سے پاک تھا' وہ اس سے محبت بھی کرتی تھی اور اس کی خوب صورتی سے مرعوب بھی بہت زیادہ تھی۔

''تم بالکل غلط سمجھ رہی ہو جویریہ! میرے گھر کے دروازے تمہارے لیے ہمیشہ کھلے رہیں گے' تم کبھی بھی شوق سے آؤ۔''

''کبھی بھی کیوں' ابھی کیوں نہیں......؟'' جویریہ بھی آج اس کے صبر کا امتحان لے رہی تھی اور وہ کبھی ایسی صورت حال کا سوچ بھی نہ سکی تھی کہ جھوٹ پر جھوٹ کی اینٹوں سے بنا اس کا تصوراتی محل یوں بھی ٹوٹنے تک بھی آ جائے گا۔

''ارے! کیا ہو گیا؟ تم اتنا گھبرا کیوں رہی ہو رخ؟''

''میں سوچ رہی ہوں گھر والے سب انکل کے ہاں گئے ہوئے ہیں اور وہاں سے ہی ان کی شادی کی سالگرہ میں شرکت کریں گے' مجھے بھی وہاں جانا ہے' گھر میں ملازموں کے سوا اور کوئی نہ ہوگا۔''

''کوئی بات نہیں' میں تمہیں وہیں ڈراپ کر دیتی ہوں' مائنڈ مت کرنا میں اندر نہیں چلوں گی' گھر جا کر مجھے پارلر بھی جانا ہے۔''

''ارے نہیں! میں جانتی ہوں تمہیں بھی برتھ ڈے کی تیاری کرنی ہے۔'' رخ کے چہرے پر سکون در آیا تھا۔ گاڑی اس نے ڈیفنس کے سب سے خوب صورت بنگلے کے آگے رکوائی اور اس وقت تک کھڑی جویریہ کو ہاتھ ہلاتی رہی جب تک اس کی کار نگاہوں سے اوجھل نہ ہو گئی۔ پھر بڑی سرعت سے اس نے شانوں پر پھیلے خوب صورت تراشیدہ بالوں کو لپیٹ کر جوڑے کی شکل دی تھی پھر بیگ سے شال نکال کر اوڑھی اور اسٹاپ کی طرف چل پڑی۔ وہاں سے اسے اس کے علاقے کی بس ملنی تھی جو ڈیفنس سے بہت فاصلے پر واقع تھا۔ یہاں سے اسے دو بسیں

Mob: 0345-3812251, 0315-7554051

بدلنی پڑتیں۔

وہ گھر پہنچی تو شام ڈھل رہی تھی' فاطمہ اس کے انتظار میں دروازے کے چکر لگا رہی تھیں اس کو گھر میں داخل ہوتے دیکھ کر انہوں نے غصے میں اتنی دیر سے آنے کی وجہ پوچھی تو وہ چڑ کر بولی۔

''امی! میں گورنمنٹ بس میں آتی ہوں' ابو نے میرے لیے کوئی کار نہیں لے رکھی جو مجھے ٹائم پر پہنچائے گی پبلک ٹرانسپورٹ میں تو دیر سویر ہو ہی جاتی ہے۔''

''ہاں ہاں...... اب اپنے باپ کو کہہ وہ چوری کرے' ڈاکے ڈالے تاکہ مہارانی کے لیے کار اور ڈرائیور رکھے آج کار کی آرزو جاگی ہے' کل ہوائی جہاز کی فرمائش کرنا' ناشکری لڑکی۔''

ان کے جاجز انداز پر وہ اندرونی کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

❋ ...... ✣ ...... ❋

مثنیٰ کا موڈ آج بہت بہتر تھا۔ صفدر جمال کے ساتھ بھی انہوں نے خوش گوار وقت گزارا تھا۔ سارا دن انہوں نے گھر سے باہر گزارا تھا تفریحی مقامات پر' پھر رات کو ڈنر ایک اعلیٰ چائنیز ریسٹورنٹ میں کیا تھا' گھر واپسی پر جب وہ بیڈ پر دراز ہوئیں تو صفدر جمال نے کہا۔

''پہلی بار آپ کو اتنا خوش اور مطمئن دیکھ کر مجھے بے حد مسرت ہو رہی ہے' آخر اس خوشی کا راز کیا ہے؟''

''راز معلوم کرنا ضروری ہے کیا؟''

''جی جناب! تاکہ وہ راز معلوم ہو جائے تو ہم آپ کو تاحیات اسی طرح ہنستا مسکراتا' زندگی سے لطف اٹھاتے دیکھتے رہیں۔'' صفدر جمال کے لہجے میں محبت ہی محبت تھی۔

''جو راز معلوم ہو جائے' وہ راز پھر راز کہاں رہتا ہے؟''

''ہم کسی خزانے کا راز تو نہیں مانگ رہے آپ سے جناب! ہم تو وہ راز مانگ رہے ہیں جو خوشیوں کے خزانے ہماری زندگی میں بھر دے اور ہم اس طرح ہی خوش و مطمئن رہیں۔''

مثنیٰ جواباً مسکراتے ہوئے گویا ہوئی تھیں۔

''سعود نے اپنی ضد چھوڑ دی ہے' اس ہندو لڑکی سے شادی کرنے کی' آپ نہیں جانتے اس کی اس ضد نے مجھے کس قدر الجھا رکھا تھا۔''

''آپ سے کس نے کہا...... سعود نے اپنی ضد چھوڑ دی ہے؟'' یک دم ہی صفدر جمال کے مسکراتے چہرے پر سنجیدگی در آئی تھی' ان کے بدلتے لہجے میں کچھ ایسا اسرار ضرور تھا کہ مثنیٰ عجیب سی بے چینی کا شکار ہو کر اٹھ بیٹھی تھیں۔

''مجھ سے کس نے کہا...... مگر وہ بار بار کالز کر رہا تھا' میلز آ رہی تھیں اس کی اور اب ایک ہفتے سے خاموشی ہے اس کا مطلب ہے اس کو سمجھ آ گئی ہے وہ ایک غیر مذہب کی لڑکی سے شادی کر کے پریشانی کے علاوہ کچھ اور حاصل نہ کر پائے گا اس لیے یہ نہ کالز کر رہا ہے اور نہ میلز!''

''مثنیٰ! میں اس منطق کو نہیں مانتا جس کے سبب مذہب کے نام پر دو دلوں کو ملنے نہیں دیا جائے۔ سعود پوجا سے محبت میں بہت آگے نکل چکا ہے۔'' مثنیٰ ناگوار انداز میں صفدر جمال سے بولی تھیں۔

''یہ بات فلاسفی کی نہیں ہے' ہماری مذہبی حدود کی ہے' ہماری شناخت کی ہے۔ ہم اپنی ذاتی پسند ناپسند میں سمجھوتا کر سکتے ہیں مگر مذہب کا معاملہ جہاں پر آ جاتا ہے وہاں ہم سمجھوتا نہیں کر سکتے۔''

''اچھا...... آج تک میں نے تمہیں کبھی نماز تک تو پڑھتے نہیں دیکھا۔'' وہ طنزیہ انداز میں ان سے مخاطب ہوئے۔

''نماز اللہ کے لیے ہوتی ہے اور اس کے لیے ہی ادا کی جاتی ہے ضروری نہیں جو نماز پڑھتا نظر نہ آئے وہ نماز ہی نہیں پڑھتا اور میں شکر کرتی ہوں اپنے رب کا' جس نے مجھے مسلمان پیدا کیا اور میری دعا ہے میرا خاتمہ بھی ایمان پر ہی ہو۔'' ان کا لہجہ عام دنوں سے مختلف اور مضبوط تھا۔

''میں مانتا ہوں' ہم مسلمان ہیں' اس پر ہمیں فخر ہے مگر......'' صفدر جمال اب متردد ہو چکے تھے۔

''مگر...... مگر...... کیا......؟''

''دیکھو ڈیئر! کبھی' ہمیں اس جگہ پر بھی سمجھوتا کرنا پڑتا ہے جہاں کچھ ممکن نہیں ہوتا۔'' وہ ان سے نرمی سے گویا ہوئے۔

''مطلب......؟'' وہ ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے گویا ہوئیں۔

''سعود شادی کر چکا ہے۔''

مثنیٰ کو لگا ان کی سانسیں بند ہونے لگی ہیں' دل پر زبردست ضرب لگی تھی' وہ گہری گہری سانسوں کے درمیان گویا ہوئیں۔

''کس کی اجازت سے یہ سب ہوا......؟''

صفدر جمال نے فوری جواب نہیں دیا پہلے ایک گلاس میں ٹھنڈا پانی لائے اور ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''ریلیکس...... پلیز...... پہلے پانی پی لیں۔''

''میرے دل میں جو آگ لگی ہے وہ پانی سے بجھنے والی نہیں ہے۔'' انہوں نے گلاس دور اچھال دیا' وہ اس وقت شدید غصے میں تھیں۔

''میں پوچھ رہی ہوں' اس کو اجازت کس نے دی ہے؟ ابھی وہ ہماری دی گئی پاکٹ منی پر زندگی گزار رہا ہے شادی کی ذمہ داری وہ ہماری سپورٹ کے بغیر نہیں اٹھا سکتا پھر یہ سب کس طرح ہوا؟'' وہ صفدر جمال کے مقابل کھڑی ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھ رہی تھیں۔

''میں نے اجازت دی ہے' میں پچھلے ہفتے امریکا ہی گیا تھا۔''

مثنیٰ عجیب سی نظروں سے انہیں دیکھتی رہ گئی تھیں۔ ان کی نظروں میں بہت کچھ تھا' بے رنج' غصہ' ملامت......!

❋ ...... ✣ ...... ❋

آج دوسرا دن تھا' وہ دادی جان کا سامنا کرنے سے کترا رہا تھا۔ پرسوں رات سے کل سارا دن اور رات گئے تک وہ اس کو ڈھونڈنے میں لگا رہا تھا اور ہر جگہ ڈھونڈنے کے باوجود بھی ناکامی اس کا مقدر ٹھہری تھی' گھر میں کس کو پری کی فکر تھی جو اس کے لیے تلاش کا ذریعہ بنتا اور اس کو ملال اس بات پر بھی تھا کہ اتنی بڑی بات فیاض چچا سے چھپائی گئی تھی۔ رات بھی جب وہ اس سے بات کر رہے تھے تو ان کے انداز میں ایسی کوئی بے چینی و اضطراب نہ تھا جو اس قسم کی صورت حال میں محسوس ہوتا ہے جب کہ وہ خود اس کے لیے فکر مند تھے کہ وہ صبح سے بنا بتائے غائب ہو گیا تھا اور دوسری طرف ان کو دادی جان کی اچانک بگڑنے والی طبیعت کی فکر تھی' ان کی گفتگو میں پری کا کوئی ذکر نہ تھا۔

اس نے بھی عہد کر لیا تھا کہ جب تک وہ پری کو ڈھونڈ نہیں لے گا' تب تک سکون سے بیٹھے گا نہیں۔ یہ ارادہ

Mob: 0345-3812251, 0315-7554951

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

کر کے وہ صبح ہی تیار ہوا جب کہ ابھی گھر میں کوئی بیدار بھی نہیں ہوا تھا۔ ملازمہ کچن میں ناشتے کی تیاری کر رہی تھی اس کو ہی بتا کر وہ وہاں سے نکل آیا تھا کہ صباحت آنٹی سے کہہ دے وہ کام سے گیا ہے۔ کل کی طرح پھر اس کی خواری شروع ہو چکی تھی۔ دو راتوں سے اس کی نیند پوری نہیں ہو رہی تھی، وہ آرام نہیں کر پا رہا تھا۔ اس کے باوجود وہ تھکن محسوس کر رہا تھا نہ بے آرامی کا احساس تھا۔ لگن تھی تو بس ایک، جستجو تھی تو صرف یہ کہ ایک بار پری کا ہاتھ پکڑ کر دادی جان کے سامنے لے جائے پھر دادی کی مرضی جو سزا دیں اس کو اس گھٹیا اور پست حرکت کی جو اس نے کی اور جس کی خاطر دادی کی طبیعت ناساز ہوئی۔

صبح دوپہر کے دامن میں چھپ چکی تھی۔ زندگی پوری طرح رواں دواں تھی۔ سڑک، پارک، شاپنگ سینٹرز، فٹ پاتھ غرض ہر جگہ لوگوں کا ہجوم تھا، ان گنت چہرے تھے۔ سیاہ، سفید، گندمی رنگت والے ان چہروں میں ایک وہ چہرہ نہ تھا جس کی اسے تلاش تھی، جس کی کھوج میں وہ مارا مارا پھر رہا تھا۔

”اوہ......!“ اس نے ایک دم گاڑی کو بریک لگائے تھے اچانک بریک لگانے سے ٹائر کی آوازیں گونج اٹھی تھیں۔ اردگرد سے گزرتے لوگ متوجہ ہوئے تھے مگر اس کو پروا نہیں تھی کسی کی بھی۔ اس نے دوبارہ غور سے دیکھا...... وہ پری ہی تھی جو خراماں خراماں وہاں سے جا رہی تھی۔ گو کہ وہ سڑک کی دوسری طرف تھی۔ اردگرد سے بے نیاز سوچوں میں گم تھی۔ مگر اسے ایک نظر دیکھ کر طغرل کے چہرے پر سخت خشونت چھا گئی تھی، اس نے تیزی سے کار کو ریورس کیا اور ہواؤں سے باتیں کرتا اس سڑک پر مڑا تھا جہاں فٹ پاتھ پر وہ چل رہی تھی اچانک کار کو قریب رکتے دیکھ کر وہ گھبرا کر رکی تھی، اسی لمحے طغرل کار سے باہر نکل آیا۔

”یہ کیا طریقہ ہے؟“ وہ تیزی سے دھڑکتے دل سے بولی۔

”مجھے طریقہ سکھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ چلو میرے ساتھ......“ طغرل کی آنکھوں سے ہی نہیں، لہجے سے بھی شعلے نکل رہے تھے۔

”کیا...... کیا ہوا؟ آپ مجھ سے کس انداز میں بات کر رہے ہیں؟“ وہ ششدر رہ گئی تھی اس کے انداز اور لہجے پر۔

”یہ مجھ سے پوچھ رہی ہو کیا ہوا؟“

”میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے، اس انداز میں کیوں گفتگو کر رہے ہیں آپ؟ طغرل بھائی! پلیز ہوا کیا ہے آخر......“ وہ اس کا جارحانہ انداز دیکھ کر خوف زدہ ہو گئی تھی۔

”آؤ میرے ساتھ...... بتاتا ہوں کیا ہوا ہے؟“ وہ غصے میں اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہوا لایا اور گاڑی کے اندر دھکیل کر دروازہ بند کر کے دوسری طرف سے آ کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا تھا۔ اس کے چہرے کے ہر تاثر سے غصہ و سرد مہری جھلک رہی تھی، ہر دم ہنسنے ہنسانے شوخیاں کرنے والے طغرل کا یہ روپ بے حد خطرناک تھا۔ ظالم، سفاک، بے رحم۔ وہ خود پر قابو پا کر استفسار کرنے لگی۔

”شٹ اپ! خاموش رہو۔“ وہ کار اسٹارٹ کرتا ہوا دہاڑا۔

”آپ کون ہوتے ہیں، مجھے اس طرح لے جانے والے......؟“ اس نے بھی غصے سے کہتے ہوئے اسٹیئرنگ پکڑ لیا۔

”میں تمہارے منہ لگنا نہیں چاہتا بہتر ہو گا خاموش بیٹھو۔“ اس نے ایک جھٹکے سے اس کا ہاتھ اسٹیئرنگ سے ہٹا کر کار اسٹارٹ کر دی۔ اس کے چہرے پر سخت تناؤ تھا۔

”آپ مجھ پر کس خوشی میں دھونس جما رہے ہیں؟ میرا آپ سے ایسا کوئی رشتہ نہیں ہے جس کی بنا پر آپ میرا ہاتھ پکڑیں۔“

”میں تم جیسی لڑکی کے ساتھ کوئی ایسے رشتے کی خواہش بھی نہیں رکھتا، جس کی بنا پر تمہارا ہاتھ پکڑ سکوں، سمجھیں تم!“ اس کے لہجے میں اتنی نفرت تھی اور تضحیک تھی کہ لمحے بھر کو پری تذلیل کے احساس سے نگاہ نہ اٹھا پائی مگر دوسرے لمحے وہ چیخ اٹھی۔

”کار روکیں...... میں نے کہا کار روکیں...... ورنہ میں چلتی کار سے کود جاؤں گی۔“

”جو حرکت تم نے کی ہے اس کے بعد تو تمہیں گاڑی سے کودنا نہیں چاہیے، گاڑی کے نیچے آ کر مر جانا چاہیے۔ اس وقت مجبوری غیرت پر غالب آ گئی ہے، دادی جان کی زندگی کے صدقے میں تمہیں زندہ رکھنا پڑ رہا ہے ورنہ جو حرکت تم نے گھر سے فرار ہونے کی کی ہے اس پر تمہیں شوٹ کرنا چاہیے تھا۔“

”یہ...... کیا کہہ رہے ہیں آپ...... ؟ فرار...... !“

”بکواس مت کرو، میں تمہاری آواز سننا بھی پسند نہیں کرتا۔“

”طغرل بھائی پلیز......!“

”خاموش! میرا ہاتھ اٹھ جائے گا، جس پر مجھے شرمندگی بھی نہیں ہو گی۔“ وہ اس کی بات کاٹ کر دہاڑا تھا۔

اس کی سمجھ نہیں آ یا یہ کیا ماجرا ہے...... طغرل کا لہجہ سخت اہانت آمیز تھا کہ وہ بے اختیار رونے لگی اور گھر آنے تک اس کا رو رو کر برا حال ہو چکا تھا مگر راستے بھر وہ کٹھور بنا رہا بالکل بے گانہ انداز تھا اس کا۔ گھر آ کر اس کی طرف دیکھے بغیر گویا ہوا۔

”اپنا چہرہ درست کر کے آنا دادو کے پاس۔“ پھر کار سے نکلتے ہوئے طنزیہ انداز میں تیر مارا تھا۔ ”ویسے چہرہ دکھانے کے قابل تم رہی نہیں ہو مگر پھر بھی......“ وہ تیر پر تیر چلا کر چلا گیا۔

پری کا ذہن ماؤف ہو گیا تھا، اس کی سمجھ نہیں آ رہا تھا یہ سب کیا ہو رہا ہے......؟ وہ کب اور کہاں فرار ہوئی......؟ طغرل کس فرار کی بات کر رہا ہے......؟

وہ اس بات سے بے خبر تھی کہ اوپر کمرے کی کھڑکی سے صباحت ان کو ساتھ آتے دیکھ کر سکتے میں رہ گئی ہیں۔ ان کا یہ سکتہ زیادہ دیر قائم رہ نہ سکا تھا کہ غم و غصہ فوراً ہی ان کو حواسوں میں لے آیا تھا اور وہ دھم دھم کرتی نیچے آ کر اس کی راہ میں حائل ہو گئیں۔ کاریڈور میں ان کو سامنے دیکھ کر پری حق دق رہ گئی۔

”اچھا...... یہ بات ہے؟ گھر میں ایک دوسرے سے دشمنی کے ڈرامے کیے جاتے ہیں اور باہر ہی باہر گلچھرے اڑائے جاتے ہیں۔“

یہ دوسری مصیبت اس کے سامنے تھی، وہ سخت ہراساں تھی۔

”طغرل کے ساتھ آئی ہو؟“ وہ اپنے آپ پر قابو کر چکی تھیں۔

”جی......!“

”روتی رہی ہو؟“ وہ تیز نگاہوں سے اس کا جائزہ لے رہی تھیں۔ ”کچھ کہا طغرل نے......؟“

''جی......؟'' وہ بُری طرح گھبرا گئی تھی۔

''کچھ تو کہا ہوگا نا' جو تم اس قدر روئی ہو کہ آنکھیں سوج گئی ہیں۔ تم اتنا خوامخواہ تو نہیں رو سکتی ہو؟''

''جی نہیں' کچھ نہیں کہا' میرے سر میں درد ہے۔''

''کان کھول کر سن لو' میرے گھر میں یہ بے حیائی نہیں چلے گی' میرا بیٹیوں کا ساتھ ہے اور میں نہیں چاہتی تمہارے چلن دیکھ کر میری بیٹیوں پر کوئی انگلی اٹھائے' بہن تو تم ان کی کہلاتی ہونا! نہ بھلے سوتیلی سہی......'' وہ اسے گھورتی ہوئی چلی گئیں۔

⁂

دادی جان نے اسے سینے سے اس طرح لگایا جیسے برسوں بعد ملاقات ہوئی ہو۔

''کیسی قیامت بیت گئی میری جان پر طغرل!'' وہ اسے سینے سے لگائے زار و قطار رونے لگیں اور طغرل نے تڑپ کر ان کو اپنی حصار میں لیا تھا اور نرمی سے آنسو صاف کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''مت روئیں دادی جان! میں سب برداشت کر سکتا ہوں مگر...... آپ کے آنسو میں نہیں دیکھ سکتا' پلیز دادو! اب ٹھیک ہو گیا ہے سب۔''

''کیا کیا وسوسے دل میں نہ آئے' بُرے بُرے خیالوں نے ادھ موا کر دیا تھا مجھے' اللہ کرے کبھی کسی کے ساتھ ایسا نہ ہو۔'' وہ کہہ رہی تھیں۔

''پری! دادی کو کچھ ہو جاتا تو میں تمہیں جان سے مار دیتا۔''

''کبھی کوئی ایسا کرتا ہے کیا؟ یہی تربیت ہے میری؟''

''پری پر آپ کی تربیت کا نہیں' اپنی ممی کی ذہنیت کا اثر آیا ہے۔''

''صبح جب عادلہ نے بتایا تم کمرے میں نہیں ہو' تمہارا موبائل بھی وہیں ہے' صبح سے دوپہر' دوپہر سے شام ہو گئی تو میرے حواس' میرا حوصلہ' میری ہمت سب جواب دے گئی اور مجھے ہوش ہی نہ رہا...... سب جگہ فون کیے عامر' آصفہ گھبرائی ہوئی آ گئیں' تمہاری گمشدگی کا سن کر فیاض الگ پریشان رہا اور تو اور عائزہ کے سسرال والے اسی دن آنے والے تھے رسم کرنے کے لیے ان سے معذرت کی گئی۔''

''یہ کیا کہہ رہی ہیں دادو!'' اس کے سر پر بم بلاسٹ ہوا تھا۔ ''پرسوں سب میری وجہ سے پریشان تھے؟ آپ کی طبیعت میری وجہ سے خراب ہوئی تھی......؟'' اس کے ذہن میں آندھیاں چلنے لگی تھیں۔

''خراب نہ ہوگی؟ حالات دیکھ رہے ہو یہاں کے؟ پھر تمہاری عادت ہے مجھے بتا کر جاتے ہو کہیں بھی جاؤ اور فون بھی بار بار کرتے ہو۔ تمہارا اس طرح جانا وہ بھی شب خوابی کے لباس میں بغیر موبائل کے ہم سب کو ہی بے حد پریشان کر گیا تھا' میں تو ہوش و حواس کھوئے بیٹھی تھی' عامرہ نے بتایا تم آئے بھی تو بہت پریشان و تھکے ہوئے تھے۔ کھانا بھی تم نے برائے نام ہی کھایا اس لیے کسی نے کچھ باز پرس کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ آج بھی دو دن بعد تمہاری یہ پیاری سی صورت دیکھ رہی ہوں میں۔''

دادی پوری روئیداد سنا رہی تھیں اور اس کے ذہن میں شور تھا۔

''دادو! پری کا معلوم ہے' وہ کہاں ہے؟''

Mob: 0345-3312251, 0315-7554051

''وہ اپنی نانو کے ہاں گئی ہوئی ہے' جس صبح تم غائب ہوئے تھے اس کی شام کو میں نے اس کو اس کی نانو کے ہاں بھیج دیا تھا' وہ چند دنوں کے لیے وہاں رہنا چاہتی تھی۔'' دادی کے پاس زیادہ بیٹھا نہ گیا اس سے۔ وہ وہاں سے آ کر لاؤنج میں صوفے پر بیٹھ گیا تھا اس کے اندر افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔

کس گورکھ دھندے میں پھنس گیا تھا وہ......!

رات کی تاریکی میں جو اس نے دیکھا وہ اس کی نگاہوں کا دھوکا ہرگز نہ تھا' سیاہ چادر میں منہ چھپائے لڑکی کو لان سے گزر کر گیٹ سے باہر جاتے اس نے دیکھا تھا۔ وہ ننگے پاؤں اس کے پیچھے بھاگا تھا مگر وہ اس سے زیادہ برق رفتار ثابت ہوئی تھی جو اس کے گیٹ سے باہر نکلنے سے قبل کار میں جا چکی تھی اور اس کو یقین تھا وہ پری ہی تھی جو صباحت آنٹی کی باتوں سے دل برداشتہ ہو کر گھر چھوڑ کر چلی گئی تھی مگر اب دادو گواہی دے رہی ہیں' پری کو اس کی خواہش پر اس کی نانو کے ہاں ڈرائیور چھوڑ آیا تھا۔

گھر میں عادلہ' عائزہ موجود تھیں' عائزہ اپنے نئے رشتے سے بہت خوش تھی اور عادلہ بھی بہن کی خوشی میں خوش تھی پھر وہ کون تھی جو رات اس گھر سے گئی اور بھرپور پلاننگ سے گئی کیونکہ جانے سے قبل اس نے تمام لائٹس آف کر دی تھیں اور گیٹ کے آٹومیٹک لاک کو پہلے ہی سیٹ کر رکھا تھا۔

''وہ جو کوئی بھی تھی' جہنم میں جائے! میں نے پری کے ساتھ بہت زیادہ زیادتی کر ڈالی ہے' وہ پوچھتی رہی' اپنا گناہ معلوم کرتی رہی اور میں اس وقت اتنا جذباتی اور دیوانہ ہو رہا تھا' اگر اس وقت میرے پاس ریوالور ہوتا تو میں شاید اس کو شوٹ کر دیتا۔'' اس نے سر ہاتھوں میں تھام لیا۔

⁂

آسمان ستاروں سے بھرا چمک رہا تھا۔ چاند بھی خوب روشن اور مکمل تھا' دھیرے دھیرے چلتی ہوا سے نیم کے پتے شوخیاں کر رہے تھے۔ فاطمہ اور فیض محمد کہیں شادی میں مدعو تھے۔ ثریا زیاد محمد کے لیے روٹیاں بنا رہی تھی' وہ چارپائی پر لیٹی آسمان کو تک رہی تھی۔ دل میں بے پناہ خواہشوں کا ہجوم تھا' وہ خواہشوں کا جہاں رکھتی تھی۔

خواہش وہ پاتال ہے' جس کی گہرائی ختم نہیں ہوتی ہے۔

زندگی ختم ہو جاتی ہے' خواہشیں ختم نہیں ہوتی ہیں۔

خوب سے خوب تر کی تلاش میں انسان خاک نشین ہو جاتا ہے۔

آہٹ پر اس نے مڑ کر دیکھا' گلفام آ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر بےزاری پھیل گئی وہ منہ بناتے ہوئے اٹھ بیٹھی۔

''سبحان اللہ! آج دو چاند ایک ساتھ روشن ہیں ایک آسمان پر دوسرا زمین پر۔'' گلفام کا لہجہ محبت سے چور تھا۔ وہ اس کے سامنے دوسری چارپائی پر بیٹھتے ہوئے گویا ہوا۔

''سیاہ فام! بکواس شاعری مت کیا کرو۔'' اس نے تڑخ کر کہا۔

''میں شاعری نہیں کر رہا' سچ کہہ رہا ہوں ایمان سے۔''

ماہ رخ نے کوئی جواب نہیں دیا' بے پروائی سے بیٹھی پاؤں ہلاتی رہی۔ اس کا دوپٹا گود میں پڑا ہوا تھا جس کو دیکھ کر گلفام نے کہا۔

''رخ! اپنی اوڑھنی کو درست کرو اور سر پر پھیلاؤ۔''

''اوہ! تم مجھ کو حکم دے رہے ہو؟''

اپنے آگے دبے دبے رہنے والے گلفام کی نرمی سے کہی گئی بات اس کو پتنگے لگا گئی، بجائے شرمندہ ہونے کے ڈھٹائی سے غرائی تھی۔

''نہیں نہیں، میری ایسی کہاں جرأت؟ میں تو کہہ رہا ہوں اوڑھنی درست کرلو، تم جب اوڑھنی سر پر اوڑھتی ہو تو بہت اچھی لگتی ہو۔''

''ہونہہ! تمہیں معلوم ہے جہاں میں پڑھنے جاتی ہوں، وہاں تو لڑکیاں اوڑھنی اوڑھ کر ہی نہیں آتیں۔'' دوپٹا درست کرتے ہوئے اس نے فخریہ انداز میں جتایا تھا۔ گلفام نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

''پھر وہ لڑکیاں تمہاری طرح خوب صورت نہیں ہوں گی۔'' وہ نظروں میں دل رکھ کر بول رہا تھا مگر اس نے نخوت سے سر جھٹک دیا۔

❖ …… ❖ …… ❖

خاصی دیر تک وہ ٹھنڈے پانی سے منہ دھوتی رہی تھی۔

''نامعلوم آج کا دن میرے لیے کیوں اتنی آزمائش لے کر آیا ہے؟ میں نانو سے کہہ کر آئی تھی کہ کچھ شاپنگ کر کے ڈرائیور کو کال کردوں گی، پپا ڈرائیور کو بھیج دیں گے اور دادی کے پاس چلی جاؤں گی پھر میں شاپنگ سینٹر پہنچی بھی نہ تھی کہ طغرل مل گیا تھا۔ مل کیا گیا تھا شاید وہ مجھے ہی تلاش کرتا پھر رہا تھا مگر کیوں......؟'' وہ منہ دھوتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

''وہ کتنا غصے میں تھا، کتنے غلط الفاظ استعمال کررہا تھا، وہ کیا کہہ رہا تھا، کس کے فرار کی بات کررہا تھا؟ کیوں کہا اس نے کہ میں دادی کو چہرے دکھانے کے قابل نہیں رہی ہوں؟''

اس نے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا ہر زاویے سے مگر...... کچھ دکھائی نہ دیا ماسوائے اس نشان کے جو اس سنگ دل کا ہی دیا ہوا تھا۔

''مما بھی کیسی باتیں کرتی ہیں۔ لفظ عام لیکن انداز بہت گھٹیا! شاید وہ سمجھ رہی ہیں میں اس شخص کے ساتھ باہر گھومتی پھرتی ہوں، جس کو انسان کہنا انسانیت کی توہین ہے۔'' وہ بد دلی سے سوچتی ہوئی واش روم سے نکل کر راہداری عبور کر کے کمرے کی طرف جارہی تھی جب اچانک ہی ایک جانب سے نکل کر طغرل اس کے سامنے راستہ روک کر کھڑا ہوگیا۔

''پری! پلیز میری بات سنو۔'' اس کے لہجے کی گھن گرج، نفرت و حقارت التجائیہ لہجے میں بدل گئی تھی۔

پری نے اس کو لمحے بھر حیرت سے دیکھا پھر طنزیہ گویا ہوئی۔

''آپ کی یادداشت اتنی کمزور ہے طغرل بھائی! کچھ دیر قبل ہی آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ آپ میری آواز سننا بھی پسند نہیں کرتے۔''

''سوری...... ویری سوری...... میں بہت......'' وہ اس کی بات قطع کر کے اسی کے انداز میں گویا ہوئی تھی۔

''مجھے آپ کے سوری کی ضرورت نہیں ہے اور آپ میری بات یاد رکھیے گا، آپ کو میری آواز پسند نہیں ہے اور مجھے آپ پسند نہیں ہیں۔''

''جانتا ہوں، تم مجھے پسند نہیں کرتیں، میرے لیے یہ نئی اطلاع نہیں ہے لیکن اس وقت بات پسند ناپسند کی نہیں ہورہی ہے ایک مسئلہ ہوگیا ہے میں چاہتا ہوں ہم دونوں مل کر اسے حل کریں۔ ابھی تم دادو کے پاس ہو کر آجاؤ، ان کو یہ مت بتانا کہ ہمارے درمیان کچھ غلط فہمی ہوئی ہے۔''

اس وقت وہ بہت الجھا الجھا بے حد پریشان تھا، اگر ان کے درمیان وہ کچھ نہ ہوا ہوتا جو کچھ دیر قبل ہوا تھا تو وہ اس کی تمام حرکتیں بھلا کر اس کی بات سنتی اور شاید مدد بھی کرتی مگر...... اس وقت اس کے دل میں طغرل کے لیے اتنی کدورت تھی کہ وہ حقیقتاً اس کی جانب دیکھ بھی نہیں رہی تھی۔

''جتنی مجھے دادی سے محبت ہے اتنی محبت تو کوئی ان سے کر ہی نہیں سکتا اور وہ سب گھٹیا گفتگو میں دادی کو بتا کر کسی صدمے سے دوچار نہیں کرنا چاہتی۔'' وہ بھی زبانی تیر اندازی میں طغرل سے کم نہ تھی۔

''میں بحث کے موڈ میں نہیں ہوں، جلدی آؤ، میں انتظار کررہا ہوں اپنے کمرے میں۔'' اس کے لہجے میں سنجیدگی تھی۔

پری کے شفاف چہرے پر بے حد گریہ وزاری سے سوجی ہوئی آنکھیں نمایاں ہورہی تھیں۔ ستواں ناک بھی سرخ تھی۔ وہ بے حد شرمندہ تھا۔

''قیامت تک انتظار کرتے رہیں، میں نہیں آؤں گی۔'' وہ کہہ کر چلی گئی۔

❖ …… ❖ …… ❖

''خیریت تو ہے مثنیٰ! تم اس وقت آئی ہو وہ بھی سوٹ کیس لے کر؟'' عشرت جہاں نے جو انہیں رات کے وقت دگرگوں حالت میں گھر آتے دیکھا تو بے چین ہو کر رہ گئی تھیں۔ ''صفدر جمال کہاں ہیں...... کیا ان سے جھگڑا ہوا ہے تمہارا......'' وہ ان کے قریب بیٹھ کر پریشانی سے پوچھ رہی تھیں۔

''نام مت لیں میرے سامنے اس دوغلے شخص کا...... چھوڑ آئی ہوں میں اس کو اور اس کے گھر کو بھی۔'' وہ حتمی انداز میں کہہ رہی تھیں۔ عشرت جہاں ہول کر رہ گئیں۔

''ہوا کیا ہے آخر! کچھ بتاؤ بھی تو، گھر چھوڑنا آسان نہیں ہوتا عورت کے لیے، جو تم کہہ رہی ہو گھر چھوڑ آئی ہو؟'' وہ ان کے قریب بیٹھتے ہوئے رسانیت سے سمجھانے لگیں۔

''مما! چھوڑنا صرف عورت کے لیے ہی کیوں مشکل ہوتا ہے۔ مرد کے لیے تو سب آسان ہوتا ہے، گھر توڑنا، دل توڑنا، اعتبار توڑنا اور رشتے توڑنا...... سب مرد کے لیے ہی کیوں آسان ہے؟'' مثنیٰ اس وقت بری طرح بکھری ہوئی تھیں۔

''صفدر جمال سے مجھے ایسی کوئی امید نہیں ہے کہ وہ کوئی ایسا کام کرے گا، جس سے میرے اعتبار و اعتماد کو کوئی ٹھیس پہنچے۔''

''مما! عورت خواہ ماں ہو یا بیوی، اس کی سب سے بڑی کمزوری یہی ہے کہ وہ مرد کو قابلِ اعتبار سمجھتی ہے، اس پر بھروسا کرتی ہے اور مرد ہماری اسی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ہمارے جذبوں سے کھیلتے ہیں، ہماری خوشیوں کو قتل کرتے ہیں، ہماری آرزوؤں کو پامال کرتے ہیں، یہی ان کی فطرت ہے، یہی ان کی اصلیت ہے۔''

''ٹھیک ہے...... ٹھیک ہے میری جان! ہم صبح بات کریں گے۔ ابھی تم آرام کرو، بہت پریشان لگ رہی ہو۔ آؤ

میں تمہیں کمرے تک چھوڑ آؤں۔" وہ پیار سے ان کا ہاتھ پکڑ کر بیڈ روم میں لا کر ان کے بال سہلانے لگیں۔

"مما! مجھے خوشیاں راس کیوں نہیں آتیں؟ جب بھی میں ہنستی ہوں تو رونا پڑتا ہے مجھے۔" آنسو خاموشی سے ان کے رخساروں پر بہہ رہے تھے۔

"تم کچھ مت سوچو بس سو جاؤ' میں ہوں نا تمہارے پاس..... تمہاری ماں!"

"آپ ہر دکھ کی دھوپ میں میرے لیے سایہ بن جاتی ہیں مما!"

"ماں اسی لیے ہوتی ہے کہ اپنے بچوں کے دکھوں کی دھوپ خود پر لے کر اپنے وجود کی چھاؤں ان کو دے دے۔" وہ ان کے آنسو صاف کر کے ممتا بھرے لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

"لیکن میں کیسی ماں ہوں؟ اپنی بیٹی کو ان ظالم لوگوں کے سپرد کر آئی۔ اپنے حصے کے دکھ و تکلیفیں اس کو دے کر' اس کے حصے کے سکھ بھی لے آئی؟ میں ماں کہلانے کی حق دار نہیں ہوں' میں ماں نہیں ہوں۔" وہ زار و قطار رونے لگیں عشرت جہاں کو ان کو سنبھالنے میں بہت دقت ہو رہی تھی مگر ان کے سونے کے بعد وہ کمرے میں آئیں تو فون بج رہا تھا۔

"ہیلو! ہاں وہ یہاں ہی آئی ہے اور کہاں جا سکتی تھی؟" دوسری طرف صفدر جمال تھے۔ "نہیں..... نہیں..... ابھی آپ مت آؤ' جب تک اس کا موڈ ٹھیک نہیں ہو جاتا اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ ورنہ وہ خود کو نقصان پہنچا لے گی۔" وہ کسی گہری سوچ میں گم انہیں روک گئی تھیں۔

❖ ...... ❖ ...... ❖

آصفہ پھوپو کے بیٹے معید سے اس کی قریبی دوستی تھی۔ اسے یقین تھا کہ وہ بھید کو پانے میں اس کی مدد کرے گا اور گھر کی بات ان دونوں کے علاوہ کسی تیسرے کی سماعتوں تک پہنچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اب وہ دونوں ساحل پر بیٹھے گفتگو کر رہے تھے۔ طغرل نے اس سے کچھ بھی نہیں چھپایا تھا ایک ایک بات ایک ایک لفظ کہہ سنایا تھا جس نے معید کو بھی پریشان کر ڈالا تھا۔

"یہ تو ایک پُر اسراری بات ہے' گھر سے رات کی تاریکی میں ایک لڑکی نکلتی ہے پوری پلاننگ کے ساتھ اور غائب ہو جاتی ہے۔ نہ لڑکی کا پتا ہے اور نہ یہ معلوم کہ وہ کس کے ساتھ گئی ہے جب کہ گھر میں تینوں لڑکیاں بھی موجود ہیں۔"

"اور گھر میں موجود قیمتی سامان اور جیولری بھی چوری نہیں ہوئی ہے۔ پہلے میں پری کو سمجھا تھا مگر وہ مسئلہ آج حل ہو گیا پھر کون تھی وہ.....؟ گھر کی ملازمہ بھی نہیں۔" طغرل نے آتی جاتی لہروں پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"مجھے دکھ ہے تم نے پری کو غلط سمجھا' تمہارا رویہ اس کے ساتھ ہمیشہ ہی خراب رہا ہے مگر آج تو تم نے حد ہی کر دی۔ جانتے ہو صباحت آنٹی اس کو گھر میں رکھنا نہیں چاہتی ہیں' ماموں جان اس کو مثنیٰ آنٹی کے پاس اس لیے رہنے کی اجازت نہیں دیتے کہ وہاں اس کا سوتیلا باپ ہے' جب یہاں آنٹی ایک عورت ہو کر اس کو برداشت کرنے کو تیار نہیں ہیں تو..... تو پھر سوچ لو سوتیلا باپ' باپ نہیں ہوتا صرف مرد ہوتا ہے۔" معید نے گہری سانس لے کر آہستگی سے کہا۔ معید کا تجربہ سو فیصد درست تھا۔ مرد کی فطرت کیا ہے وہ بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ بھی ایک مرد تھا۔

"اچھا بس ختم کرو اب اس سب کو۔" وہ اضطرابی انداز میں کھڑا ہو گیا۔

"تمہیں بھی اچھا نہیں لگا' نا مجھے بھی نہیں لگتا ہے جب آنٹی کی آنکھوں میں اس کے لیے نفرت دیکھتا ہوں' کسی کو بھی نہیں معلوم ہے پری سے میری بہت اچھی دوستی ہے' میں اکثر اس کو فون کرتا ہوں' تحائف دیتا ہوں۔ مگر بہت چھپ کر۔"

"چھپ کر کیوں؟ یہ اچھی دوستی نہیں ہے' خلوص نہیں ہے۔"

"صباحت آنٹی کو بھنک بھی پڑ گئی تو میرا کچھ نہیں ہوگا' شامت بے چاری پری کی آ جائے گی' جو میں کسی صورت نہیں چاہتا۔"

"تم اس سے محبت کرتے ہو یا وہ تم سے محبت کرتی ہے؟" نامعلوم اس وقت کیا تھا اس کی آنکھوں میں' معید چند لمحے اس کو دیکھتا رہا تھا پھر کچھ توقف کے بعد ہنسنے لگا۔

"ضروری نہیں دو کزنز ایک دوسرے سے محبت کریں تو وہ محبت لیلیٰ مجنوں والی محبت ہی ہو' محبت کے اور بھی ہزاروں پاکیزہ روپ ہیں۔"

"میرا دل کہتا ہے تمہاری یہ "مسٹر لیلیٰ" ہی اس پُر اسرار مسئلہ کو حل کروائیں گی' مگر مجھے معلوم ہے وہ میرا ساتھ کبھی بھی نہیں دے گی۔" آدھا گھنٹہ وہ سر جوڑ کر کوئی پلاننگ کرنے لگے' معید کار لے کر چلا گیا تو طغرل اس ہٹ کی طرف آ گیا جو معید نے حال میں خریدا تھا۔

کار فراٹے بھرتی آ رہی تھی ساتھ ساتھ چلتا سمندر خوب صورت لگ رہا تھا۔ معید نے ایک خوب صورت ہٹ کے قریب کار روکی تو پری نے کہا وہ اسے یہاں کیوں لایا ہے؟

"آؤ نا! موسم بہت اچھا ہے پھر ایک خاص بات کرنی ہے۔" وہ کار سے نکل کر ہٹ کی طرف بڑھ رہے تھے جو قریب ہی تھا۔

"تمہیں معلوم ہے مما کو معلوم ہو گیا تو......"

"نانو سے کہہ کر آیا ہوں' وہ معلوم ہونے نہیں دیں گی۔" اس نے ہٹ میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"ہٹ تو بہت خوب صورت ہے مگر یہ تو بتاؤ' بات کیا ہے آخر؟" وہ دونوں اندر ایک کوریڈور سے گزر کر بڑے کمرے میں پہنچے تھے۔ وہ لیونگ روم تھا جو بہت دل کش انداز میں ڈیکوریٹ کیا گیا تھا۔ وہ ستائشی نظروں سے دیکھتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی کمرے میں بھاری پردوں کے باعث نیم تاریکی تھی۔

"یہاں اتنے بھاری پردے ڈالنے کی ضرورت ہی کیا تھی معید!" گیٹ بند ہونے کی آواز پر اس نے مڑ کر دیکھا' معید غائب تھا۔ اس کا دل دھڑکنے لگا۔

"معید نے یہ کیا حرکت کی؟" ابھی وہ گیٹ تک جانا ہی چاہ رہی تھی کہ چٹ کی آواز سے پورا کمرا روشن ہو گیا اور سامنے اطمینان سے کھڑے شخص کو دیکھ کر وہ سہم کر بولی۔

"آپ.....! یہاں.....؟"

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

ایک عنایت

سلمیٰ فہیم گل

جس شہر میں جگہ جگہ پہ کئی سائباں رہے
دکھ ہے وہاں رہے بھی تو ہم بے اماں رہے
ایسے انا پرست تھے کہ مل نہیں سکے
میں دھرتی ہو کے رہ گیا وہ آسمان رہے

"یا اللہ! میں کیا کروں؟" اس نے انتہائی بے بسی سے ہاتھ اٹھا کر آسمان کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم کچھ مت کرو، سوائے اس کے کہ چلو میں پانی لو اور اس میں ڈوب مرو۔" جتنی بے بسی سے اس نے ہاتھ اٹھائے تھے اتنے ہی سکون سے شفق نے اسے مشورہ دیا تھا۔ جواباً اس نے گھور کر اس کی جانب دیکھا۔

"براہ مہربانی اپنے یہ نادر و نایاب مشورے مجھے مت دیا کرو، احسان ہوگا تمہارا مجھ پر...... کسی عقل کے اندھے کو ڈھونڈ لو جو تمہارے ان نادر و نایاب مشوروں کو کسی کام میں لاسکے۔ میرے پاس تمہارے ان فضول مشوروں کو سننے کا وقت نہیں ہے۔"

"آ...... ہاہاہا! پرائم منسٹر لگی ہو کہیں کی! وقت نہیں ہے میرے پاس۔ چلو اب اٹھو، یہاں بیٹھ کر تماشا بنوانا ہے کیا؟" اس کی نقل اتارتے ہوئے اس کا بازو پکڑ کر زور سے کھینچا۔

ان دنوں وہ نوکری کی تلاش میں سرگرداں تھی۔ اتنی ڈھیر ساری ڈگریاں اکٹھی کرنے کے باوجود خوار ہورہی تھی لیکن ابھی تک کہیں سے کوئی حوصلہ افزا جواب نہیں ملا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کی اہلیت دیکھتے ہوئے لوگ اس کا منٹوں میں تقرر کرلیں گے مگر یہ اس کی خام خیالی ہی تھی۔ اب تو وہ تھکنے لگی تھی۔

تبھی اس کی بچپن کی دوست شفق نے اسے اپنے اسکول چلنے کی پیشکش کی اور وہ کچھ سوچ کر اس کے ساتھ چلی آئی تھی مگر یہاں جو کچھ ہوا تھا وہ اسے ششدر کرنے کے لیے کافی تھا۔ شفق نے اسے یقین دلایا تھا کہ یہاں اسے نوکری ضرور مل جائے گی اور ممکن تھا کہ اس کی جاب ہو بھی جاتی مگر وہ خود غلطی کر بیٹھی اور غلطی بھی کوئی چھوٹی موٹی نہیں بہت بڑی۔ جب وہ شفق کے اسکول میں داخل ہوئی تو اسکول کی حالت دیکھ کر اس نے ناک بھوں چڑھائی تھی اور گویا ہوئی۔

"یہ...... یہ اسکول ہے؟ اف خدایا! نام دیکھو اور حالت دیکھو اس اسکول کی...... لگتا ہے کسی دور افتادہ بستی میں کوئی الگ تھلگ سا کھنڈر ہے، جس میں نیا نیا تعلیمی نظام شروع کیا جارہا ہو، جہاں صرف نام نہاد علم ہے۔ اساتذہ اور طلبہ کا کچھ اتا پتا نہیں...... کیا ہے یہ سب شفق! تم یہاں پڑھاتی ہو؟ اور تمہارے خیال میں میں یہاں جاب کروں گی؟ تم نے یہ سوچ بھی

کیسے لیا......!"

"بس کرو ماہین بہت ہوگیا۔ خبردار اب اگر مزید کچھ بولیں تو......!" شفق نے تیزی سے اس کی بات کاٹتے ہوئے کچھ جھنجلاتے ہوئے کہا۔

"کیوں نہ بولوں میں......؟ اور ایک بات تو بتاؤ تم اتنی بھاری بھرکم تنخواہ تمہیں وہ جانور ہانکنے کی دیتے ہیں کیا؟" اس کی بات پر شفق کڑے تیور لیے اس کی جانب پلٹی تھی۔

"ماہی پلیز خاموشی سے چلو اگر کسی نے سن لیا تو تمہیں تو جاب ملے نہ ملے، مجھے وہ پہلی فرصت میں ضرور فارغ کردیں گے اور جو حالات ان دنوں چل رہے ہیں، ان میں فراغت خاصی مہنگی پڑ سکتی ہے۔ یہ اسکول اچھا ہے، اسٹاف تعاون کرتا ہے، طلبہ محنتی اور تمیز دار ہیں، اور سب سے بڑھ کر تنخواہ بہت اچھی مل رہی ہے۔ جس سے ہاتھ دھونے کا فی الحال میرا کوئی ارادہ نہیں ہے۔"

"ہاں! میں تو گویا کسی ریاست کی شہزادی ہوں نا اور تمہیں یہ اسکول اچھا لگ رہا ہے؟ واہ! کیا حسن نظر ہے۔ انتہائی صفائی پسند مس شفق کمال صاحبہ کو یہ "گندگی" اچھی لگ رہی ہے۔ حیرت انگیز! ایسی کی تیسی تمہارے اس اچھے اسکول کی، تمہارے پرنسپل کی اور......" اس کی اس درجہ صاف گوئی پر شفق نے کسی قدر بے بسی سے اس کی جانب دیکھا تھا تبھی اس کی نگاہ پیچھے کھڑی شخصیت پر پڑی تھی۔ اس کی اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئی تھی۔ آنکھیں پوری کی پوری کھل گئی تھیں۔

"تمہیں کیا ہوا؟ کوئی بھوت نظر آ گیا ہے کیا؟" اس کی بھیانک شکل پر اس نے طنزاً مسکراتے ہوئے استفسار کیا تھا۔

"خدا تمہیں پوچھے ماہین! یہ تو کسی "بھوت" سے بھی بڑھ کر ہیں، یا اللہ! اب میری نوکری تو ہی بچا سکتا ہے ورنہ اس نے تو کوئی کسر نہیں چھوڑی۔" اس کی بات کا دل ہی دل میں جواب دیتے ہوئے اس نے رب کو پکارا تھا۔ شفق کو مسلسل خاموش دیکھ کر ماہین نے کسی قدر حیرانی سے پیچھے مڑ کر دیکھا تھا۔ اس کی نظروں کے عین سامنے دراز قامت شخصیت کھڑی تھی۔ خاصے بارعب اور بردبار قسم کے لگ رہے تھے۔ پچاس پچپن کے لگ بھگ عمر، سرخ و سفید رنگ جبکہ ماتھا شکن آلود تھا۔ آنکھیں لال سرخ یا تو غصے سے یا پھر تھیں ہی ایسی......! ماہین کو ان کے تاثرات خاصی حیرت میں مبتلا کررہے تھے۔ کافی دیر وہ ان کے بولنے کا انتظار کرتی رہی مگر دوسری جانب ہنوز خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ کوئی کچھ نہ بولا تو اسے ہی پہل کرنا پڑی۔

"جی فرمایئے!" خاصے شائستہ انداز میں استفسار کیا تھا۔

"میرا نام احتشام علی احمد ہے۔ میں اس اسکول کا پرنسپل ہوں اور اس کا بانی بھی ہوں۔" انتہائی سرد انداز میں انہوں نے اپنا تعارف کرایا تھا۔

"اوہ......آپ ہیں، اس اسکول کے بانی!" اس کے لہجے میں طنز سمٹ آیا تھا مگر ان کی عمر کا لحاظ کرتے ہوئے تمیز کا دائرہ عبور نہیں کیا تھا۔

"جی بالکل اس اسکول کا بانی ہوں میں......یہ جو اسکول کے نام پر جانوروں کا باڑہ دکھائی دیتا ہے اور علم کے نام پر محض دکھاوا، اسی کھنڈر نما اسکول کا بانی اور پرنسپل ہوں میں اور اس اسکول کے اساتذہ کو ہم بھاری بھرکم تنخواہیں دیتے ہیں، جانوروں کو ہانکنے کے لیے نہیں بلکہ بچوں کو بہترین تعلیم دینے کے لیے۔"

"یہاں بچے پڑھتے ہیں سر! دکھائی تو کوئی نہیں دے رہا۔" وہ ان کی بات پر استہزائیہ مسکرائی تھی۔

"کوئی دکھائی اس لیے نہیں دے رہا کیونکہ یہ اسکول نہیں ہے بلکہ یہاں کالج کے لیے عمارت تعمیر ہورہی ہے اور ساتھ ہی ہاسٹلز......میرے خیال میں مس شفق نے ابھی آپ کو اسکول دکھایا نہیں ہے۔" اس کی بات پر شفق کا دل چاہا تھا اپنا سر پیٹ لے۔ اسے ماہین کو کم از کم یہ تو بتانا چاہیے تھا کہ یہ اسکول نہیں ہے، وہ شرمندگی سے سر جھکا گئی تھی۔

"کوئی بات نہیں! آیئے میں آپ کو اسکول دکھاتا ہوں۔" ان کی اس درجہ وضاحت پر وہ کچھ پل کو نادم سی ہوگئی اور دوسرے ہی پل سر جھٹکتے ہوئے ان کے پیچھے چل دی۔

"میں نے کچھ غلط تو نہیں کہا جو دیکھا اسی پر کمنٹس دیے ہیں۔" دل ہی دل میں اس نے گویا خود کو تسلی دی تھی۔

"آیئے! مس ماہین دیکھیے یہ ہے ہمارا اسکول۔" بلند و بالا آہنی گیٹ کے سامنے رک کر وہ انہیں پیچھے آنے کا اشارہ کرتے ہوئے آگے بڑھے تو گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہی اس کے منہ سے بے ساختہ توصیفی کلمات برآمد ہونے کو بے تاب ہوئے تھے۔ سامنے ہی سرخ اینٹوں کی روش بنی ہوئی تھی، جو انتہائی صاف و شفاف اور خوب صورت تاثر دے رہی تھی۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ اینٹوں کی بنی روش ایسی خوب صورت دکھائی دے سکتی ہے۔ پورے میدان میں سبزہ ہی سبزہ تھا۔ اطراف میں پھولوں کے گملے اور قطار در قطار درخت بہت بھلے لگ رہے تھے۔ اسکول کی عمارت انتہائی شاندار تھی، وہ باہر سے ہی دیکھ کر مبہوت رہ گئی تھی۔

پورے اسکول کا ایک ایک کمرا انہوں نے اسے دکھایا تھا۔ ساتھ ساتھ طلبہ کی تعداد بتانا نہیں بھولے تھے۔ گویا ٹھنڈے میٹھے انداز میں اس کی خوب عزت افزائی کی تھی۔ جتنا طنز ان کے لہجے میں تھا، اس سے بڑھ کر مٹھاس لفظوں میں تھی اگر اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو شاید ان کے طنز کو اتنی جلدی سمجھ نہ پاتا۔ لیکن یہ سچ تھا کہ وہ شرمندہ، جی بھر کر ہوئی تھی کیونکہ وہ غلط تھی۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ ان سے سوری کہتی وہ شفق کی جانب متوجہ ہوئے تھے۔

"آپ اپنی کلاس میں جایئے مس شفق! اور آپ مس ماہین......اب آپ کی اس اسکول کے بارے میں کیا رائے ہے؟" ان کے اجازت دیتے ہی شفق شکر کا کلمہ ادا کرتے ہوئے اپنی کلاس کی جانب بڑھ گئی تھی ورنہ ابھی تک وہ خود کو یہاں سے فارغ ہی تصور کررہی تھی۔

"آئی ایم سوری سر میں غلط تھی۔ جب شفق اور میں گیٹ سے اندر داخل ہوئیں تو مجھے لگا وہی اسکول ہے اس لیے میں اتنا کچھ بول گئی۔ حالانکہ مجھے ایک دو بار شفق نے ٹوکا بھی تھا......مگر میں اپنی ہی دھن میں بولتی چلی گئی۔ آئی ایم سوری سر!" شفق کا دفاع کرتے ہوئے وہ معذرت خواہانہ لہجے میں گویا ہوئی۔

"کوئی بات نہیں۔ اب آپ جاسکتی ہیں۔" انتہائی سنجیدگی سے کہہ کر وہ اپنے آفس کی جانب بڑھ گئے جبکہ وہ ہکا بکا سی کھڑی رہ گئی۔ ان کے اس انداز کی اسے بالکل بھی امید نہ تھی۔ راہداری میں تنہا کھڑی وہ خود کو خاصا بے وقوف سا تصور کررہی تھی۔ تبھی اس کے موبائل پر میسج بیپ ہوئی تھی۔ شفق کا میسج تھا۔

میرے کمرے میں آجاؤ، بائیں ہاتھ پر کمرا نمبر دو۔" اس کا میسج پڑھتے ہی اس نے گہری سانس خارج کی اور اس کے کمرے کی جانب چل دی۔

"تم کتنا بولتی ہو ماہی! اور بولتی بھی بنا سوچے سمجھے ہو۔ دیکھ لیا نا بنا سوچے سمجھے بولنے کا نتیجہ؟ کچھ بھی اول فول بکنے سے قبل مجھ سے پوچھ تو لیتیں کہ اسکول

کون سا ہے مگر میری عقل بھی گھاس چرنے گئی ہوئی تھی، مجھے تمہیں بتانا تو چاہیے تھا، لیکن تمہاری بھی تو عادت ہے نا کسی کی سنتی تو ہو نہیں اپنا ہی راگ الاپتی رہتی ہو اب بھگتو۔"

"پلیز شفق! چپ کر و تم۔ تمہارے پرنسپل صاحب نے کیا کم سنائی ہیں کہ اب تم بھی شروع ہوگئی ہو؟ ویسے مجھے امید بھی نہیں تھی کہ یہاں مجھے جاب ملے گی۔"

"تمہیں جاب ضرور مل جاتی، مجھے پوری امید تھی، تم نے خود اپنے پیروں پر کلہاڑی ماری ہے کسی اور کا کیا قصور......!"

"اچھا نا! اب بس بھی کرو صبح سے ہی میرا دن خراب چل رہا ہے۔" "اب جو بچا ہے اسے تو خراب مت کرو۔ مجھے کوئی اچھا سا مشورہ ہی دے دو۔"

"مشورہ دیا تو ہے...... چلو بھر پانی میں ڈوب مرو۔" سنجیدگی سے کہہ کر شفق اپنا سامان سمیٹنے لگی تھی کہ پیریڈ ختم ہونے کی گھنٹی بج گئی تھی۔ ماہین بس اسے دیکھ کر رہ گئی بولی کچھ نہیں۔

کیونکہ غلطی اسی کی تھی شفق کا کہنا کچھ غلط بھی نہ تھا۔

* * *

ماہی! ماہین...... کہاں گھسی ہوئی ہو! جلدی باہر آؤ تمہارے لیے ایک اچھی خبر ہے۔ اور خاصی ناقابل یقین بھی۔" "افوہ ماہین، اب نکل بھی آؤ۔ اندر جا کر سو گئی ہو کیا!"

"کیا آفت آگئی ہے۔ صبر نہیں ہوتا۔ اوہو محترمہ شفق صاحبہ تشریف لائی ہیں۔ میں بھی کہوں یہ صبح ہی صبح آفت کا نزول کیونکر ہوگیا۔" کچن سے نکلتے ہوئے وہ دوپٹے سے چہرہ صاف کرنے لگی تھی۔

"بکواس مت کرو۔ تمہارے لیے ایک اچھی خبر ہے۔"

"ہونہہ! یہ خاصی پرانی بات ہے۔" وہ استہزائیہ مسکرائی تھی۔

"میں سنجیدہ ہوں ماہی! اس کی بات پر کسی قدر برا مانتے ہوئے شفق نے سنجیدگی سے کہا۔

"تو میں کب مذاق کر رہی ہوں؟" اس نے کندھے اچکائے۔ شفق نے گھور کر دیکھا تھا مگر بولی کچھ نہیں، احتجاجاً چپ ہوگئی تھی۔

"او کے آئی ایم سوری، اچھا بتاؤ، کیا خوشخبری لائی ہو میرے لیے......" ابھی بھی طنز اس کے لہجے میں نمایاں تھا مگر وہ نظر انداز کر گئی۔

"تمہیں احتشام سر نے بلوایا ہے۔"

وہ بری طرح سے چونکی تھی۔

"کیوں......؟" جتنے جوش و خروش کا مظاہرہ شفق کی جانب سے ہوا تھا، اتنے ہی سکون سے ماہین نے استفسار کیا تھا۔

"اس "کیوں" سے تمہارا کیا مطلب ہے ماہی! بھئی ظاہر ہے جاب کے لیے انہوں نے تمہیں بلوایا ہے۔" اس کے انداز نے شفق کے جوش و خروش پر اوس گرا دی تھی کسی قدر برا مانتے ہوئے وہ گویا ہوئی تھی۔

"یار! اس میں برا ماننے والی کیا بات ہے؟ میری حیرت بجا ہے، اب دیکھو نا میں نے ان کے اسکول کو اتنا برا بھلا کہا، جانوروں کا باڑہ، کھنڈر نما اسکول اور جانے کیا کیا...... اور خود انہیں بھی نہیں بخشا، ایسے میں ان کا مجھے جاب کے لیے بلانا خاصی حیرت انگیز بلکہ فکر انگیز بات ہے۔" چارپائی پر بیٹھتے ہوئے اس نے کہا۔

"کوئی حیرت اور فکر والی بات نہیں ہے، ہمارے پرنسپل صاحب ایسے ہی ہیں۔ چہرے پر ہمہ وقت رعب طاری رہتا ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ بہت سخت گیر قسم کی شخصیت ہیں۔ کب کیا فیصلہ کر لیں ان سے کچھ بعید نہیں ہے۔ دیکھا نہیں تھا اس

وز...... میں تو سمجھی تھی میری جاب گئی مگر انہوں نے ایک لفظ بھی نہیں کہا، تمہیں بھی کچھ نہیں کہیں گے۔ مجھ پر بھروسا کرو۔"

"لیکن شفق! اب میرا دل نہیں مان رہا۔" وہ اس کے یقین دلانے والے انداز پر بھی کچھ خاص مطمئن نہیں ہوئی تھی۔

"ایسی کی تیسی تمہارے دل کی...... اسکول اچھا ہے تنخواہ اچھی ہے اسٹاف تعاون کرنے والا ہے اور جاب کے لیے یہی تو تمہاری ڈیمانڈ تھیں۔

"وہ تو ہے شفق لیکن تم جانتی ہو مجھے طعنے وطنز وغیرہ پسند نہیں ہیں۔ غلط بات مجھ سے بالکل برداشت نہیں ہوتی۔ اگر انہوں نے مجھے سابقہ باتوں کچھ کہہ دیا تو پھر میں چپ نہیں رہوں گی، جانتی تو ہو نا تم!" شفق سر پیٹ کر رہ گئی۔

"اف، کیا احمق لڑکی ہے یار وہ بزرگ ہیں۔ نمازی پرہیزگار، تمام ٹیچرز کو بیٹیوں کی طرح سمجھتے ہیں۔ تمہارے خیال میں وہ تمہیں جھگڑالو عورتوں کی طرح لعن طعن کریں گے؟ حد ہوگئی یار! یہ الگ بات ہے کہ ان میں رعب و دبدبہ ہے، شکل سے خاصے غصہ والے لگتے ہیں مگر حقیقت میں وہ بڑے نرم خو ہیں اور سب سے بڑھ کر صاف گو انسان بھی، جو بھی بات ہو منہ پر ہی کہہ دیتے ہیں اور گزری ہوئی باتوں کو بالکل نہیں دہراتے، مجھے تو لگتا ہے تمہاری صاف گوئی ہی انہیں پسند آئی ہے۔" اب کے شفق نے ماہی وضاحت سے بات کی تھی تاکہ اسے جو جھجک ہے وہ جاتی رہے مگر......!

"تمہیں یقین ہے شفق! وہ ایسا کچھ نہیں کریں گے؟ کیا واقعی مجھے جانا چاہیے؟" وہ ابھی بھی شش و پنج میں مبتلا تھی۔

"صدفی صد یقین ہے ماہین! تم ایک بار چل کر

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

تو دیکھو۔“

”اوکے! میں کل تمہارے ساتھ چلوں گی۔“ اس کی یقین دہانی پر ماہین رضا نے چند پل سوچا اور پھر فیصلہ کرتے ہوئے گویا ہوئی۔

”گڈ! یہ ہوئی نا بات۔“ شفق نے کہا۔

”ویسے تم اتنی کیوں چہک رہی ہو؟ میرے جانے کا سن کر ایسے خوش ہو رہی ہو جیسے قارون کا خزانہ مل گیا ہو۔“ کسی قدر مشکوک سے انداز میں دیکھتے ہوئے اس نے استفسار کیا۔

”میں اتنی خوش اس لیے ہوں ڈیئر کیونکہ اب اسکول جاتے ہوئے میں خود کو تنہا محسوس نہیں کروں گی، تم ہمیشہ کی طرح میرے ساتھ ہوگی۔ جانتی ہو نا اکیلے میں میں کتنا گھبراتی ہوں۔“ شفق اس کے مشکوک سے انداز پر دل کی بات زبان تک لے آئی تھی۔

”شفق! تم بھی نا حد کرتی ہو۔ کب تک ڈرتی رہوگی؟ خود میں اعتماد پیدا کرو۔ مجھے دیکھو اگر مجھ میں تم یا دوسرے لوگ اعتماد پیدا نہ کرتے تو آج منہ چھپائے گھر کے کسی کونے میں چھپی بیٹھی ہوتی، تاحیات کوئی کسی کے ساتھ نہیں رہتا۔ زندگی کے کسی موڑ پر بھی انسان تنہا رہ سکتا ہے، تب اکیلے ہی باقی کا سفر طے کرنا پڑتا ہے کوئی کسی کا ساتھ نہیں دیتا، انسان میں اتنا اعتماد تو ہونا چاہیے کہ وقت پڑنے پر زندگی کا تن تنہا مقابلہ کرسکے۔“ ایک بچہ بھی جب چلنا شروع کرتا ہے تو ایک مقررہ وقت تک اپنی ماں کی انگلی پکڑ کر چلنا سیکھتا ہے پھر جب پوری طرح سیکھ لیتا ہے تو انگلی پکڑ کر چلنا چھوڑ دیتا ہے۔ اور پھر میں کب تک تمہارے ساتھ رہوں گی جبکہ کچھ عرصہ میں تمہیں اچھا رشتہ ملے گا اور تمہاری شادی ہوجائے گی تب بھی تو تمہیں......“

”بس بس یار اتنا کافی ہے۔ تمہاری یہ نادر و نایاب باتیں میں نے پلو میں باندھ لی ہیں۔ ویسے بھی ا ڈیڑھ سال ہوگیا ہے مجھے اکیلے جاتے ہوئے اب عادت ہوگئی ہے اور میں نے اکیلے آنا جانا سیکھ لیا۔ لیکن پھر بھی...... تمہارا ساتھ ہو تو کیا بات ہے۔“ نے پورے خلوص سے کہا۔ ماہین نے اس کی محبت دل کی گہرائیوں سے محسوس کیا تھا۔ اسے شفق پر ٹو کر پیار آیا تھا۔

”واقعی شفق!“

”یقیناً تو نہیں مگر شاید......“ اب کے اس بھرپور سنجیدگی پر شفق نے شریر سے انداز میں کہا تھا۔ وہ چند پل اسے سنجیدگی سے دیکھتی رہی تھی پھر دونو نے ہی ایک ساتھ زوردار قہقہہ لگایا تھا۔

* * *

”میں اندر آسکتی ہوں سر!“ آہستگی سے دروازے پر دستک دیتے ہوئے اس نے اجازت طلب کی تھی۔

”جی ہاں آئیے۔“ حسام نے دروازے سے اند داخل ہوتی ہوئی پرکشش لڑکی کو دیکھا تھا۔ جبکہ دوسری جانب ماہین بھی بری طرح ٹھٹکی تھی۔ اس کے خیال میں یہاں احتشام علی احمد کو ہونا چاہیے تھا مگر یہ کون......؟

”جی فرمائیے!“ اپنی حیرت کو چھپاتے ہوئے اس نے اس لڑکی سے استفسار کیا تھا مگر دوسری جانب سے جواب ندارد۔

”جی......!“ وہ کسی قدر بے خیالی میں گویا ہوئی۔

”آپ کو کوئی کام ہے؟ میرا مطلب ہے کیا میں جان سکتا ہوں کہ آپ کون ہیں اور کس سلسلے میں تشریف لائی ہیں۔“ استفسار ہوا تھا۔

”میرا نام ماہین رضا ہے۔ احتشام سر نے مجھے جاب کے لیے بلایا تھا مگر وہ تو......!“ وہ ایک دم چپ ہوئی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ آگے کیا کہے۔

”اوہ! آپ ماہین رضا ہیں مجھے بتایا تھا انہوں نے ......وہ میرے والد ہیں آج ان کی طبیعت کچھ ناساز ی اس لیے مجھے آنا پڑا، پلیز تشریف رکھیے۔“ ضاحت کرتے ہوئے آخر میں اسے بیٹھنے کا اشارہ یا تھا۔ اس کا رویہ خاصا حوصلہ افزا تھا۔ مگر جانے یوں اسے کچھ اچھا محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ بیٹھتے ہی اس نے اپنی سی وی اس کی جانب بڑھائی تھی۔

”انہوں نے تو پہلے ہی آپ کا انتخاب کرلیا ہے۔ بس اک رسمی کارروائی تھی جو پوری ہوگئی ہے۔ آپ کل سے اسکول جوائن کرسکتی ہیں۔ اگر آپ کو وئی اعتراض نہ ہو تو......“ رسمی سے انداز میں اس نے اس کے کوائف پر نظریں دوڑائی تھیں۔ اس کی ابلیت پر خاصے متاثر کن انداز میں سر ہلایا تھا۔

”جب میں خود جاب کے لیے آئی ہوں تو عتراض کیوں کروں گی بھلا؟“ اس کا انداز کسی قدر تہزائیہ تھا۔ وہ سر کو ہلکا سا خم دیتے ہوئے زیر لب سکرا دیا تھا۔

”آپ غلط سمجھی ہیں...... دراصل میرا کہنے مطلب تھا اگر آپ کو یہاں کے اصول اور تنخواہ غیرہ مناسب لگے ہوں تو......“ مسکراہٹ لبوں میں اتے ہوئے اس نے بغور سامنے بیٹھی ماہین رضا کو یکھا تھا۔

”اسی لیے تو یہاں آئی ہوں کیونکہ مجھے سب ین لگا ہے۔ ظاہر ہے اب اتنا پڑھ کر پانچ سو ہزار وار ہوں گی کیا......“

”شکر ہے کہ آپ نے یہ نہیں کہا کہ آپ کو سیلری سے کوئی غرض نہیں ہے، آپ کا مقصد علم کی نی پھیلانا ہے۔ اپنا فرض ادا کرنا ہے، یعنی دیے دیا جلاتے رہو وغیرہ وغیرہ۔ آپ کی صاف گوئی اچھی لگی۔“

”خیر یہ فرض تو ہم تنخواہ لے کر بھی بخوبی نبھا سکتے ہیں۔ آج کے دور میں بغیر معاوضہ کے کوئی کسی کو کچھ کر کے نہیں دیتا۔ ہوں گے کچھ جو انسانیت کے ناتے مفت تعلیم دیتے ہوں مگر ہمیں ان کا بھی تو حق ادا کرنا ہے جنہوں نے پیٹ کاٹ کر ہمیں پڑھایا ہے، ہم بھی تو مفت میں نہیں پڑھے اور پھر ہم جیسے مڈل کلاس لوگ مفت میں کام کرنے لگے تو کوئی انسانیت کے ناتے آ کر ہمارا پیٹ نہیں بھرے گا۔ آپ برا مت مانیے گا۔ لیکن آپ بھی تو مفت میں بچوں کو تعلیم نہیں دے رہے جیسے آپ ٹیچرز کو اچھی تنخواہ دے رہے ہیں ایسے ہی بچوں سے بھی تو وصولتے ہوں گے۔ میں نے ٹھیک کہا نا سر۔“ اس نے کسی قدر طنزیہ انداز میں اس کی جانب دیکھا تھا اور پورے اعتماد سے استفسار کیا۔

”ہاں جی! بالکل...... خیر آپ کل سے آجائیے گا۔ اب آپ جاسکتی ہیں۔“ اس کی بات پر زیادہ بحث کیے بغیر سنجیدگی سے اسے جانے کے لیے کہا تھا۔ وہ استہزائیہ مسکرائی اور دل میں گویا ہوئی۔

”ہونہہ! سچ ہمیشہ کڑوا ہوتا ہے۔“

حسام نے خاصا چونک کر اسے دروازے تک جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ باہر جاچکی تھی مگر حسام کی نظریں وہیں جم سی گئی تھیں۔

* * *

”السلام علیکم بابا جان!“ لاؤنج میں داخل ہوتے ہی اسے سب سے پہلے احتشام علی احمد دکھائی دیے تھے۔ وہ مسکراتے ہوئے انہی کی جانب چلا آیا تھا۔

”آگئے بیٹا! وعلیکم السلام، کیسے ہو بچے۔“ احتشام علی احمد نے معمول کا سوال دہرایا تھا۔

”بابا جان پلیز! آپ بار بار میری طبیعت مت

پوچھا کریں خوامخواہ میں مجھے لگتا ہے جیسے میں کوئی مریض ہوں۔ اور......!"

"اللہ نہ کرے بچے! یہ تو میری عادت ہے۔ جب تک حال نہ پوچھ لوں مجھے تسلی نہیں ہوتی۔" انہوں نے تیزی سے اس کی بات قطع کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا تھا۔ حسام شرمندہ سا ہوگیا۔

"آئی ایم سوری بابا جان! خیر آپ بتائیں آپ کی طبیعت اب کیسی ہے؟" اس کی بات پر وہ دھیرے سے مسکرائے تھے۔

"میں ٹھیک ہوں بچے تم بتاؤ! آج کا دن کیسا گزرا؟" ان کی بات پر اچانک اسے ماہین کا خیال آیا تھا۔

"آج ماہین رضا آئی تھیں جاب کے لیے۔" جوتے اتارتے ہوئے ان کی بات کو نظر انداز کرکے اس نے ماہین کے بارے میں بتایا تھا۔ وہ یک لخت سیدھے ہو کر بیٹھے تھے۔

"تم نے کیا کہا؟" اپنی بے ساختگی کو چھپاتے ہوئے عام سے انداز میں استفسار کیا تھا۔

"وہی جو آپ نے کہا تھا، جاب دے دی ہے اور کیا! کل آئیں گی وہ۔"

"ہوں، اچھا کیا۔" گہری سانس خارج کرتے ہوئے وہ دوبارہ سے نیم دراز ہوگئے تھے۔ حسام نے بغور ان کی جانب دیکھا تھا۔ چند پل یونہی دیکھتا رہا۔ اس کی نظروں اور ان کے مفہوم کو وہ اچھی طرح سے سمجھ رہے تھے۔ مگر دانستہ نظر انداز کیے لیٹے رہے۔

"آپ نے ماہین رضا کو جاب پہ کیوں رکھا بابا جان؟"

"مجھے اس کی صاف گوئی اچھی لگی حسام! بنا اس کی جانب دیکھے آرام سے جواب دیا تھا۔

"واقعی!" اس نے بغور ان کے چہرے کو جانچا۔

"ہاں یار! یہی بات ہے۔" انہوں نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

"نہیں بابا جان! بات یہ نہیں ہے بات وہ ہے جسے کہنے سے گریزاں ہیں آپ...... ماہین رضا کو جاب پہ رکھنے کی وجہ وہی ہے جو میں سمجھ رہا ہوں۔ ہے نا!"

"اس میں اتنی اہلیت ہے کہ اسے جاب پہ رکھا جائے۔ پھر ان فضول سوالوں کی وجہ......؟" وہ ماننے کو ہرگز تیار نہ ہوئے۔

"ہمارے اسکول کی ہر ٹیچر اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے بابا! جنہیں رکھتے ہوئے آپ نے اچھی طرح جانچا تھا پھر ماہین رضا ہی کیوں......؟ آپ نے بنا کچھ پوچھے جانے بنا جاب پہ کیوں رکھا، اسی لیے نا کہ وہ......؟"

"حسام! ہم اس موضوع پر بات نہیں کررہے اوکے، تم جاؤ، کھانا کھالو تھک گئے ہوگے آرام کرو۔ مجھے بھی نیند آرہی ہے۔" انہوں نے تیزی سے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا اور آنکھیں موند لیں۔

وہ چند لمحے لب بھینچے دیکھتا رہا اور پھر بنا کچھ کہے وہاں سے چلا گیا۔

* * *

"کل تمہیں کچھ لوگ دیکھنے آنے والے تھے۔ کیا ہوا پھر......؟" اس وقت وہ دونوں اسٹاف روم میں بیٹھی تھیں، ان کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا وہاں۔ ادھر ادھر کی باتوں کے دوران شفق نے استفسار کیا تھا۔

"جو ہمیشہ ہوتا ہے وہی ہوا ہے، نیا کیا ہونا تھا؟" پاؤں جوتوں کی قید سے آزاد کرتے ہوئے اس نے کرسی پر ہی موڑ کر رکھ لیے تھے اور شفق کی بات پر بے دھیانی میں اپنے پاؤں سہلانے لگی تھی۔ شفق کی زیرک نگاہوں سے یہ حرکت چھپی نہ رہ سکی تھی۔ اس کا دل دکھ سے بھر گیا۔ اک پل کو اس کی طرف دیکھا مگر وہ اس کی جانب متوجہ نہیں تھی۔ شفق فوراً نظر پھیر گئی۔

"مطلب! رد؟ اب کیوں...... سب جانتے تو تھے وہ...... پھر منع کیوں کیا......؟" اس نے خاصی حیرت سے استفسار کیا تھا۔ البتہ لہجے اور انداز کو حتی الامکان نارمل ہی رکھا تھا۔

"نہیں، وہ نہیں جانتے تھے، وہ صرف اتنا جانتے تھے کہ لڑکی کی شکل وصورت بھلے جیسی بھی ہے، تنخواہ پرکشش لیتی ہے۔ باقی ان تک سچائی پہنچائی گئی تھی یا دانستہ چھپالیا گیا تھا یا پھر انہوں نے خود ہی بتانا مناسب نہیں سمجھا تھا اسی لیے دھوکا کھاگئے، ہونہہ!" وہ اپنی ہی بات پر استہزائیہ ہنسی تھی۔ شفق نے لب بھینچے تھے۔

"دکھی ہو......؟" شفق نے آہستگی سے پوچھا، یہ جانتے ہوئے بھی کہ سوال خاصا احمقانہ ہے۔ ماہین نے بڑے تعجب سے اپنی بچپن کی دوست کو دیکھا تھا۔ سوال حیران کن نہیں تھا مگر جس نے پوچھا تھا اس کا پوچھنا ناقابل یقین تھا۔

"مجھے تمہارے سوال پر حیرت ہوئی شفق! بہرحال...... تمہارے خیال میں مجھے دکھی ہونا چاہیے کیا؟" شفق خاموش رہی تھی، اپنے ہی سوال نے شرمندہ کردیا تھا۔ "نہیں شفق! مجھے دکھی نہیں ہونا چاہیے اور کیوں ہوں میں دکھی ان لوگوں کی وجہ سے جو مجھے رد کرکے چلے جاتے ہیں۔ یا پھر اس لیے کہ میں جینا چاہتی ہوں اور لوگ مجھے جینے نہیں دینا چاہتے۔ اس لیے کہ انسان کی ظاہری کمزوری زندگی سے اس کا حق چھین لیتی ہے یا پھر اس لیے کہ میں دوسروں سے منفرد ہوں تو مجھے زندہ دلی، خوشی اور مسکراہٹوں کا اختیار نہیں ہے......؟ کیوں شفق! کیوں سوچوں میں یہ باتیں......؟ جبکہ میں یہ جانتی ہوں کہ میرے لیے یہ سب کچھ معنی نہیں رکھتا...... پھر میں کیوں دکھی ہوں۔ میں اللہ کی رضا پہ راضی ہوں اس نے اگر مجھ میں کوئی کمی رکھی ہے اس میں بھی کوئی نہ کوئی مصلحت پوشیدہ ہوگی، اور پھر مجھے دوسری کئی نعمتوں سے بھی تو نوازا ہے ربّ نے...... جب مجھے علم ہے کہ اس کی رحمت کا سایہ ہمہ وقت میرے اوپر چھایا رہتا ہے تو میں دکھی کیوں ہوں...... محض لوگوں کی طنزیہ باتوں کی وجہ سے......؟ ہرگز نہیں! مجھے خود پر فخر ہے اسی لیے تو سر اٹھا کر جیتی ہوں۔ اس ایک کمی کے سبب احساس کمتری کا شکار نہیں ہوں، اس سے بڑی نعمت اور کیا ہوگی بھلا کہ خدا نے میری سوچ کو بلند رکھا، پستیوں میں گرنے نہیں دیا، اس کے باوجود تمہیں لگتا ہے کہ مجھے دکھی ہونا چاہیے؟ نہیں...... دکھی تو ان لوگوں کو ہونا چاہیے، جن کی سوچ خدا کی رحمتوں اور نعمتوں تک نہیں پہنچ پائی، جو خود پر عطا ہوئی نعمت پر غرور کرتے ہیں نہ کہ شکر......! جو خدا کی مصلحتوں کو نظر انداز کیے اپنے ہی فیصلے صادر کرتے چلے جاتے ہیں اللہ کرے کہ ایسا نہ ہو مگر آج جو کمی مجھ میں ہے اگر ان کی بیٹی میں ہوتی تو......؟" اس کا سوال بہت بڑا تھا مگر اس کے شفق اس کا کوئی جواب نہیں تھا شاید کسی کے پاس بھی نہیں تھا۔ اگر کوئی دینا بھی چاہے تو وہی کمزور دلیلیں اور خود ساختہ وضاحتیں...... جو کسی کو کیا خود کو بھی قائل نہ کرپاتیں۔ اس کے سوال پر باہر کھڑے نادانستگی میں ان کی باتیں سن کر احتشام علی احمد کے چہرے پر سایہ سا لہرا گیا تھا۔ ان کا دل ڈوب کر ابھرا تھا، وہ آگے قدم بڑھاتے ہوئے ایک پل کو لڑکھڑا سے گئے تھے، ان کی آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی اپنی بیٹی شدت سے یاد آئی تھی۔ اپنی آنکھوں کو بوڑھے ہاتھوں سے صاف کرتے ہوئے وہ آگے بڑھ گئے تھے۔ اداسی روم روم

میں بس گئی تھی۔

❀ ...... ❀ ...... ❀

"میڈم! آپ کو احتشام صاحب آفس میں بلا رہے ہیں۔" اس وقت وہ بچوں کو حساب کے سوالات حل کروا رہی تھی جب پیون احتشام سر کا پیغام لیے چلا آیا۔

"خیریت...... تھوڑی دیر قبل تو میں ہو کر آئی ہوں۔" پرسوچ انداز میں خود کلامی کرتی ان کے آفس کی جانب چل دی۔ آہستگی سے دروازہ پر دستک دی۔

"جی آئیے پلیز۔" احتشام سر کی بجائے حسام کو دیکھ کر وہ بری طرح ٹھٹکی تھی۔ دوسرے ہی پل اس کی پیشانی پر شکنیں پڑنا شروع ہو گئیں۔ وہ بظاہر فائل پر جھکا تھا مگر کان ماہین کے قدموں کی آہٹ پہ ہی لگے ہوئے تھے۔ اسے اندر آتے دیکھ کر خود بخود مسکراہٹ اس کے لبوں پر آن رکی تھی۔ ماہین کا دل چاہا تھا یہیں سے واپس لوٹ جائے مگر پھر کچھ سوچتے ہوئے اندر چلی آئی۔

"احتشام سر نے بلایا تھا مجھے؟" اس نے کسی قدر طنزیہ انداز میں دریافت کیا تھا۔ حسام نے مسکراہٹ لبوں میں دبائی تھی۔ آنکھوں میں شرارت لیے سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"یقیناً انہوں نے ہی بلایا ہوگا' میں نے کب کہا کہ میں نے آپ کو بلایا ہے؟" اس کی بات پر وہ ایک پل کو خجل سی ہوئی تھی دوسرے ہی پل ڈھٹائی سے بولی۔

"جانتی ہوں' ویسے میں نے آپ کو بتایا نہیں بلکہ پوچھا ہے کہ وہ کدھر ہیں؟" اس نے اپنی طرف سے حسام کو شرمندہ کرنا چاہا تھا۔ مگر وہ شرمندہ ہونے کی بجائے محظوظ انداز میں مسکرا دیا تھا۔ اس کی اس مسکراہٹ پر وہ جل ہی تو اٹھی تھی۔ جانے کیوں اسے لگتا تھا کہ حسام کی نظروں میں اس کے لیے ہمدردی ہے۔ وہ اس کی ظاہری کمزوری کو ہمدردی بھری نگاہوں سے دیکھتا ہے جو کہ اسے بہت برا لگتا تھا۔

"ٹھیک ہے جب وہ آ جائیں گے میں تبھی آؤں گی۔" چبا چبا کر کہتے ہوئے وہ جانے کو مڑی تھی تبھی حسام نے پکار لیا۔

"آئی ایم سوری ماہین! آپ پلیز ناراض مت ہوں' وہ بس آتے ہی ہوں گے آپ بیٹھ جائیے۔" اس نے شرمندگی سے کہا تھا۔ "پلیز بیٹھ جائیں ماہین! اگر آپ میری وجہ سے پرسکون نہیں ہیں تو میں باہر چلا جاتا ہوں۔" اب کے وہ گہری سنجیدگی لیے گویا ہوا تھا۔ وہ جب بھی اس سے بات کرتا اسے ہمیشہ وہ خود سے خفا خفا سی لگتی تھی' حالانکہ وہ اسے خوش کرنے کے لیے کبھی کبھی شریر ہو جایا کرتا تھا۔ وہ چاہتا تھا جیسے اور لوگوں کو دیکھ کر اس کے چہرے پر مسکراہٹ آ جاتی ہے' ویسے ہی کبھی اس کے لیے بھی آئے' مگر شاید......!

"جی نہیں' اس کی ضرورت نہیں ہے' میں بیٹھ رہی ہوں' آپ کو کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔" ویسے بھی آپ کی موجودگی یا عدم موجودگی میرے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے لیکن...... کیا میں آپ سے ایک بات پوچھ سکتا ہوں؟" کچھ کہتے کہتے وہ یکلخت رکا تھا۔ اور کچھ سوچتے ہوئے استفسار کیا تھا۔

"پوچھیے!" سامنے لگے کیلنڈر پر نظریں جماتے ہوئے آہستگی سے بولی۔

"آپ مجھ سے کچھ زیادہ ہی خار کھاتی ہیں وجہ پوچھ سکتا ہوں؟" گہری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ وہ استہزائیہ مسکرا دی۔

"بالکل! دراصل آپ کی نظریں مجھے پسند نہیں ہیں۔" اس نے بغیر کسی مروت کے جھٹ سے کہہ دیا اور یہ سچ بھی تھا کیونکہ وہ واقعی اس سے خار کھانے لگی تھی۔ سچ بولنے کے جواب میں بھلے اسے اس جاب سے ہاتھ بھی دھونے پڑتے تو اسے کوئی پروا نہیں تھی' ویسے بھی اسے اب کچھ بھی انوکھا نہیں لگتا تھا۔ جبکہ حسام اس کی اس درجہ صاف گوئی پر گڑبڑا سا گیا تھا۔

"کیا مطلب! میری نظروں میں ایسا کیا ہے جو آپ کو پسند نہیں......؟"

"ہمدردی......!" وہ اتنا ہی کہہ کر خاموش ہو گئی تھی۔

"ہمدردی! مطلب......؟" وہ چونکا۔

"جی ہاں! آپ کی نظروں میں مجھے اپنے لیے ہمدردی دکھائی دیتی ہے جو مجھے ہرگز پسند نہیں ہے۔ میں کوئی مستحق نہیں ہوں جسے ہمدردانہ نظروں سے دیکھا جائے۔" اس نے لفظ مستحق پر خاصا زور دیا تھا۔ حسام دکھ سے اسے دیکھتا رہ گیا۔

"آپ کو یہ کہنے سے......" اس سے قبل کہ وہ کچھ کہتا احتشام علی احمد چلے آئے۔ اس نے اپنے لب بھینچے اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں چلتا ہوں بابا جان!"

"کیوں بیٹا! خیریت......؟" وہ حیران ہوئے تھے۔

"جی بابا! دراصل مجھے تھوڑی دیر کے لیے آفس جانا ہے۔ واپسی پر میں آپ کو اسپتال لے چلوں گا۔"

"ٹھیک ہے بیٹا! جیسی تمہاری مرضی۔" ایک سنجیدہ سی نگاہ ماہین پر ڈالی تھی حسام نے' اور تیزی سے نکلتا چلا گیا۔ ماہین نے نخوت سے سر جھٹکا تھا۔

❀ ...... ❀ ...... ❀

"بات ہوئی تمہاری اس سے......؟" رات کا کھانا کھاتے ہوئے احتشام علی احمد نے بیٹے سے استفسار کیا تھا۔

"نہیں!" اس کے حرکت کرتے ہوئے ہاتھ پل بھر کو تھمے تھے۔ دوسرے ہی پل وہ مختصر سا جواب دے کر دوبارہ سے کھانے میں مشغول ہو گیا۔

"کیوں......؟" انہوں نے پوچھا۔

"آپ کو لگتا ہے جو آپ سوچ رہے ہیں وہ ہو بھی جائے گا۔" ان کی جانب بغور دیکھتے ہوئے اس نے معنی خیزی سے استفسار کیا۔

"بالکل! ضرور ہوگا۔" انہوں نے پریقین لہجے میں جواب دیا۔

"اگر اس نے انکار کر دیا تو......؟" اس نے ایک عام سا سوال کیا جس میں بہت سے معنی پوشیدہ تھے۔

"اسے چھوڑو' تم بتاؤ...... تمہاری طرف سے تو انکار نہیں ہے ناں!" اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے انہوں نے سنجیدگی سے دریافت کیا' انداز مشکوک تھا۔

"بابا پلیز! میں بھلا کیوں انکار کروں گا جبکہ میں پہلے ہی او کے کر چکا ہوں۔" وہ ان کے مشکوک سے انداز پر جھنجلایا تھا۔

"تو پھر وہ بھی انکار نہیں کرے گی' مجھے یقین ہے۔"

"اس لیے کیونکہ اس میں ایک "واضح" کمزوری ہے کمی ہے اس میں...... اس کے پاس "ہاں" کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں بچتا۔ ہے نا!" اس نے گویا طنز کیا تھا۔

"نہیں بلکہ اس لیے کہ خلوص دل سے کچھ بھی کیا جائے تو اس کے رد ہونے کا خدشہ نہیں ہوتا اور ہم مخلص ہیں۔" انہوں نے انتہائی سکون سے جواب دیا۔

"مگر وہ مجھے مخلص نہیں سمجھتی' اسے لگتا ہے کہ وہ مستحق ہے اور میں ہمدرد۔ وہ مجھ سے خار کھاتی ہے

کیونکہ اسے لگتا ہے میری نظروں میں اس کے لیے ہمدردی ہے کیونکہ وہ معذور ہے۔" اس کے کہے گئے لفظ "معذور" پر احتشام علی احمد نے جھٹکے سے اس کی جانب دیکھا تھا۔

"اسے معذور مت کہو حسام!" وہ ایک دم بے چین ہو اٹھے تھے۔ حسام جھنجلا سا گیا۔

"بابا پلیز! آپ بھی اسی کی طرح بی ہیو کر رہے ہیں میں اسے معذور نہیں کہہ رہا بلکہ اسے لگتا ہے میں اس کی معذوری کی وجہ سے اسے ہمدردی بھری نظروں سے دیکھتا ہوں اس پر ترس کھاتا ہوں جبکہ میں نے تو کبھی اس کی ظاہری کمزوری کو محسوس ہی نہیں کیا۔" اسے درحقیقت ان کی بات بری لگی تھی۔

"سوری بیٹا! تمہارے اس طرح کہنے سے جانے مجھے کیا ہوا کہ میں......"

"کوئی بات نہیں اور اب آپ پلیز مجھے اس سے بات کرنے کے لیے نہیں کہیے گا۔ جانے خود کو کیا توپ چیز سمجھتی ہے ہونہہ! صاف گو ہے سچ بات منہ پر کہہ دیتی ہے اور کہتی بھی ایسے کڑوے انداز میں ہے کہ جل کر خاکستر ہو جاتا ہوں میں حد ہو گئی ایسی بھی کیا صاف گوئی کہ دل ہی توڑ دے۔ خود کو معذور سمجھتی ہے لیکن جب سنانے پہ آتی ہے تو خود مجھے لگتا ہے کہ میں معذور ہوں کیونکہ میرے پاس اس کی کسی بات کا کوئی جواب نہیں ہوتا۔" وہ ایک دم بچوں کی طرح منہ پھلاتے ہوئے دل کی بھڑاس نکال رہا تھا۔ احتشام علی احمد زیر لب مسکراتے رہے تھے۔ وہ جھنجلا سا گیا تھا۔

"بابا! پلیز آپ تو کم از کم ایسے مت مسکرائیں نا! میں خود کو خاصا احمق سا محسوس کر رہا ہوں۔" اس کی بات پر احتشام علی احمد بے ساختہ قہقہہ لگا کر ہنس دیئے تھے جبکہ وہ کجل سا سر پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔

❀ ❀ ❀

"میں ان کے جذبات سمجھتا ہوں مس شفق! لیکن انہیں بھی تو میرے جذبات سمجھنے چاہئیں نا! ہر بار وہ میرے خلوص کو غلط رنگ دے جاتی ہیں۔" وہ بے بسی سے گویا ہوا تھا۔

"آپ ایک کام کیوں نہیں کرتے؟ آپ روبرو اس سے بات کرلیں۔" اس کی تجویز پر حسام نے چونک کر اس کی جانب دیکھا تھا۔

"میں کیوں...... میں......؟ آپ کو لگتا ہے کہ وہ میری بات سنے گی؟ ہرگز نہیں۔"

"سنے گی کیوں نہیں سنے گی آپ تو لگتا ہے کچھ زیادہ ہی خوفزدہ ہیں اس سے۔" اس کے نروٹھے انداز پر وہ محظوظ انداز میں مسکرائی تھی۔

"نہیں میں اس سے خوفزدہ نہیں ہوں۔ مجھے اس کی باتیں متوحش کر دیتی ہیں اس لیے میں چاہتے ہوئے بھی کچھ کہہ نہیں پاتا۔ ورنہ......" اس سے پہلے کہ وہ بات مکمل کرتا ماہین اندر چلی آئی۔ شفق کے پاس حسام کو دیکھ کر وہ بری طرح ٹھٹکی تھی۔ جبکہ اسے سامنے دیکھ کر شفق گڑبڑا کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اسے اچانک یاد آیا تھا کہ انہیں گھر جانا ہے چھٹی ہو چکی ہے اور یہ کہ وہ اسے انتظار کرنے کا کہہ کر یہاں بیٹھی باتیں کر رہی ہے۔

"اوہ آئی ایم سو سوری ماہی مجھے بالکل یاد نہیں تھا کہ تم باہر میرا انتظار کر رہی ہو۔"

"کوئی بات نہیں اب تو یاد آ گیا نا! اب تو چلو یا یہیں بیٹھ کر مزید مذاکرات کرنے ہیں۔" حسام کو نظر انداز کرتے ہوئے اس نے طنزیہ شفق سے کہا تھا۔ شفق حسام کی جانب دیکھتے ہوئے شرمندہ سی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ حسام پھیکے سے انداز میں مسکرا دیا تھا۔

"کس مشکل میں ڈال دیا بابا جان!" دل ہی دل میں کہتے ہوئے اس نے گہری سانس خارج کی تھی۔

❀ ❀ ❀

"ماہین بیٹا! آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو ایک بات کہوں؟" اس وقت وہ اختشام سر کے ساتھ ان کے آفس میں بیٹھی تھی بچوں کے متعلق کچھ اہم بات کرنی تھی۔ تبھی وہ گویا ہوئے تھے۔ ماہین یکلخت چونکی تھی۔

"جی...... جی سر! کہیے نا مجھے بھلا کیا اعتراض ہوگا۔" وہ حیرانی سے کہتے ہوئے ساتھ ہی دھیرے سے مسکرائی تھی۔ پہلی ملاقات میں تو نہیں لیکن بعد میں جب وہ اس اسکول میں بطور ٹیچر کام کرنے لگی تھی تب اسے احتشام علی احمد انتہائی اچھے اور نفیس انسان لگے تھے۔ بڑے پیار اور شفقت بھرے انداز میں سب سے بات کرتے تھے۔ طلبہ کے ساتھ بھی ان کا رویہ نرماہٹ لیے ہوئے ہوتا تھا۔ اسے ان کا انداز بہت پسند تھا جتنا وہ حسام سے خار کھاتی تھی اس سے بڑھ کر وہ احتشام سر کی عزت کرتی تھی۔

"نہیں بیٹی! جو بات میں کرنے جا رہا ہوں وہ ذرا ذاتی سی ہے۔ اس لیے سوچا پوچھ لوں۔" وہ ان کی بات پر ایک پل کے لیے چپ ہو گئی تھی۔

"جی سر! پوچھیے۔" کچھ سوچتے ہوئے دھیرے سے کہا۔

"بیٹا! ویسے تو یہ آپ سے نہیں بلکہ آپ کے بڑوں سے کرنی چاہیے لیکن معاملہ جس نہج پر ہے اس کے سبب میں نے سوچا پہلے آپ کی رائے لے لوں۔" ان کی تمہید پر وہ بری طرح ٹھٹکی تھی۔

"ایسی کیا بات ہے سر! جس کے لیے آپ کو اتنی تمہید باندھنی پڑ رہی ہے؟"

"مجھے آپ کے رشتے کے متعلق بات کرنی ہے بیٹا!" ان کی بات پر وہ یکلخت چونکی تھی اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ کچھ ایسا کہیں گے۔ وہ کتنے ہی پل خاموش رہی۔

"آپ نے جواب نہیں دیا بیٹی!" اسے خاموش دیکھ کر انہوں نے دوبارہ پوچھا تھا۔

"میں...... میں کیا کہوں سر! مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟" وہ ان کے دوبارہ پوچھنے پر گڑبڑا سی گئی۔

"دراصل بیٹا! میں آپ کے والدین سے آپ کو اپنے بیٹے حسام کے لیے مانگنا چاہتا ہوں۔" بغور اس کے تاثرات جانچتے ہوئے نپے تلے انداز میں کہا تھا۔ لیکن دوسری جانب ماہین حیرت سے گنگ بیٹھی رہ گئی تھی۔ کتنی ہی دیر تک وہ سر نہیں اٹھا پائی تھی۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں سر! آپ جانتے ہیں کہ میں معذور ہوں جبکہ حسام ماشاءاللہ ایک مکمل انسان ہے......! میں کسی طرح بھی ان کے قابل نہیں ہوں۔"

"نہیں بیٹے! ایسا مت بولیں۔ خود کو معذور مت کہیں مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے اس لفظ سے...... میں نے بہت عرصہ یہ تکلیف سہی ہے مزید سہہ نہیں سکتا...... ایسا کبھی مت کہنا بیٹا! کبھی نہیں۔" انہوں نے تیزی سے اس کی بات کاٹی تھی اور جس انداز میں کاٹی تھی وہ انتہائی سختی لیے ہوئے تھا۔ وہ ششدر سی رہ گئی۔

"سر آپ......!" وہ حیران پریشان سی بس اتنا ہی کہہ پائی تھی۔

"معاف کرنا بیٹا! میرا لہجہ ذرا سخت ہو گیا لیکن میں بھی کیا کروں جب کوئی اس بارے میں بات کرتا ہے تو مجھے کپکپی سی طاری ہو جاتی ہے مجھے لگتا ہے خود کو معذور کہنے والا در پردہ خدا سے شکوہ کر رہا ہے جبکہ

We at Paksociety.com giving you the facility to download urdu novels,monthly digest,imran series etc with direct links and alternatively 21 other mirrors.
for complaint about site not opening contact us @
admin@paksociety.com or
message at 0336-5557121

ہمیں کوئی حق نہیں کہ ہم اس سے شکوہ کریں جب وہ اتنا کچھ نوازتا ہے تو ہم شکر ادا نہیں کر سکتے لیکن جب ایک کمی دے تو شکوؤں کے ڈھیر لگا دیتے ہیں، اس بات پر میں خوف زدہ ہو جاتا ہوں۔ وہ رحیم و کریم کتنا عظیم ہے کہ دیتا چلا جاتا ہے دیتا چلا جاتا ہے، شکر نہ کرنے پر بھی نوازنا نہیں بھولتا جبکہ ہم اتنی پستیوں میں گرے ہوئے ہیں کہ ہم لیتے لیتے تھکتے نہیں اور جب کچھ نہ ملے تو شکوؤں کے ڈھیر لگا دیتے ہیں۔“

”میں نے کبھی خدا سے شکوہ نہیں کیا سر! میں نے تو ہمیشہ اس کا شکر ادا کیا ہے آج جانے کیوں آپ کی بات پر یہ لفظ میرے منہ سے نکل گئے، وہ بھی نادانستگی میں کیونکہ آپ کی بات نے مجھے شاکڈ کر دیا تھا۔“

”ہاں شاید ٹھیک بھی ہے لیکن اس میں زیادہ حیران ہونے کی کوئی بات نہیں ہے آپ میں ماشاء اللہ تمام خوبیاں موجود ہیں، خوب صورت ہیں، نیک سیرت ہیں، تعلیم یافتہ ہیں اس سے بڑھ کر اور کیا چاہیے؟“

”یہ سب خوبیاں تو باقی ٹیچرز میں بھی ہیں سر! میں ہی کیوں......؟“

”آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں بیٹا! لیکن مجھے بہو نہیں بیٹی چاہیے، جو میرے خالی مکان کو ایک ہنستا بستا گھر بنا دے، جیسا پہلے تھا خوشیوں کا گہوارہ مسکراہٹوں کا چمن......! جسے لوگوں کی باتوں نے اجاڑ دیا۔“ وہ کھوئے کھوئے سے گویا ہوئے تھے۔

”کیا مطلب سر!“ اس نے ابھی ان کی کسی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔ ابھی تو وہ ان کی الجھی باتوں کو ہی سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

”ہاں بیٹا! میرا ہنستا بستا گھر اجڑ گیا، سمجھو لوگوں کی باتوں نے اجاڑ دیا۔ میرے تین بچے تھے عظام، تانیہ اور حسام، عظام اور تانیہ حسام سے بڑے تھے، ان کی ماں تب ہی گزر گئی تھی جب یہ سب تعلیم حاصل کر رہے تھے، ذہین تو حسام بھی تھا مگر میرے دونوں بڑے بچے اضافی ذہین تھے، پوزیشن ہولڈر تھے۔ ہم بہت خوش تھے بڑی پرسکون زندگی گزر رہی تھی عظام ایم بی اے کر رہا تھا جبکہ تانیہ بی ایس سی میں تھی کہ اس کے رشتے آنا شروع ہو گئے مگر جس رفتار سے آتے اسی طرح انکار کر کے چلے جاتے، محض انکار ہی نہیں کرتے بلکہ ہماری عزت نفس کو بھی کچل کر جاتے۔ تانیہ کو تو طنزیہ اور تاسف بھری نگاہوں سے دیکھتے اور ساتھ ہماری ذات کو بھی نشانہ بناتے کیونکہ میری بیٹی معذور تھی۔ لوگ کہتے!

”احتشام صاحب مانا کہ آپ کی بیٹی پڑھی لکھی اور خوب صورت ہے لیکن اس کی معذوری کو ذہن میں رکھ کر اس کے جیسا ہی کوئی مناسب رشتہ تلاش کریں، خواہ مخواہ ہر کسی کو زحمت مت دیا کریں۔ اپنا بھی وقت ضایع کرتے ہیں اور ہمارا بھی...... اور میں محض خاموش سر جھکا کر رہ جاتا اور میری بیٹی چند لمحے میرے جھکے ہوئے سر کو دیکھتی اور چپ چاپ وہاں سے چلی جاتی۔ ہر بار یہی ہوتا اور ہر بار ہم یہی عمل دہراتے۔ میں جانتا تھا اسے یہ سب کرتے ہوئے تکلیف ہوتی ہے لیکن میں مجبور تھا، اپنا فرض ادا کرتے ہوئے اسے بہتر ہاتھوں میں سونپنا چاہتا تھا، تاکہ وہ اپنی زندگی خوشی گزار لے۔ ایک دفعہ اسی سلسلے میں ایک فیملی آئی۔ خاصے دولت مند لوگ، لیکن ان کا بیٹا ان پڑھ جاہل شاید آٹھ کلاسیں پڑھ رکھی تھیں مگر اس کی حرکتیں بتا رہی تھیں کہ وہ آٹھ جماعتیں بھی بس نام کی ہی ہیں۔ دولت سے مجھے کوئی سروکار نہیں تھا۔ مجھے تو اپنی بیٹی کے لیے پڑھا لکھا معزز اور مخلص لڑکا چاہیے تھا۔ ایسا جو اس کی معذوری کو کبھی اس کے لیے طعنہ نہ بنائے۔ میں نے انہیں رشتہ دینے سے انکار

کردیا مگر وہ تو بپھر ہی گئے اور مجھے کہنے لگے۔

”آپ نے اچھا نہیں کیا احتشام صاحب‘ اگر انکار ہی کرنا تھا تو ہمیں بلایا ہی کیوں......؟ ہمارا بیٹا خوبرو جوان ہے۔ کیا ہوا اگر زیادہ پڑھا لکھا نہیں تو...... ان پڑھ تو نہیں نا اور پھر دولت کی ریل پیل ہے۔ اگر ساری عمر بیٹھ کر بھی کھائیں تو بھی ختم نہ ہو۔ راج کرتی آپ کی بیٹی۔“ یہ بیٹے کی ماں بولی تھی۔

”ہم نے تو اپنے بیٹے کی خوشی کے لیے آپ کی بیٹی کا لنگڑا پن قبول کرلیا‘ اور تو اور آپ کے بیٹے کی آنکھ بھی نظر انداز کردی ہم نے سوچا لڑکی لنگڑی اور بھائی بھینگا ہے تو کیا ہوا‘ ہمارا بیٹا تو خوش ہے نا مگر آپ...... ہونہہ!“

”لنگڑی‘ بھینگا“ یہ لفظ نیزے کی انی کی طرح چبھے تھے میرے دل میں‘ مجھے اس وقت ایسا لگا تھا گویا میرا دل بند ہوجائے گا اتنی تکلیف ہورہی تھی کہ میرا دل کررہا تھا ان لوگوں کو دھکے مار کر گھر سے نکال دوں مگر میں مجبور تھا گھر آئے مہمانوں کی عزت بھی تو فرض تھی۔ میں بے بس سا صوفے پر ڈھے سا گیا مگر ان کی زبان سے زہر اگلنا بند نہ ہوا۔ ”چلیں جی! ہمیں نہیں چاہیے ان کی لنگڑی بیٹی‘ کیا پتا یہ موروثی بیماریاں ہوں‘ اگر ہم ان کی بیٹی کو بیاہ کر بھی لے جاتے اور اس کے ہونے والے بچوں میں بھی اگر ایسے ہی بیماریاں ہوتیں تو ہماری تو نسل ہی بگڑ جاتی۔ ہمارے بیٹے کی زندگی تباہ ہوجاتی۔ اچھا ہوا جو ابھی سب صاف ہوگیا۔“ میں نے بے ساختہ عظام کی جانب دیکھا تھا‘ جس کا چہرہ غصے سے لال تھا۔ اس کی ایک آنکھ خراب تھی۔ بچپن میں بے احتیاطی سے قینچی اس کی آنکھ میں لگ گئی تھی۔ وہ مٹھیاں بھینچے ضبط کیے کھڑا تھا۔ میں نے ہی اسے کچھ بھی کہنے سے روکا تھا تبھی میری نظر تانیہ پر پڑی تھی‘ اس کا چہرہ لٹھے کی مانند سفید تھا‘ وہ بالکل غیر ارادی طور پر یا نادانستہ اپنی معذور ٹانگ کو دیکھ رہی تھی۔ میں نادم سا سر جھکا گیا۔ کچھ دیر بعد وہ لوگ بہت ساری باتیں سنا کر چلے گئے تب تانیہ اٹھی تھی اور میرے قریب آکر میرے قدموں میں بیٹھ گئی۔

”آئی ایم سوری بابا جان! ریئلی ویری سوری! میری وجہ سے آپ کو اتنی باتیں سننا پڑیں‘ میری ہی وجہ سے آپ کو ہر بار سر جھکانا پڑتا ہے۔“ اس کی بات پر میں نے سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا تھا۔

”نہیں بیٹا‘ ایسا بالکل......“

”آج مجھے بولنے دیں بابا جان پلیز آج میں بولنا چاہتی ہوں۔ صرف آج...... پھر کبھی نہیں کہوں گی‘ کبھی نہیں! لوگوں کی باتوں پر پریشان مت ہوا کریں بابا وہ غلط تو نہیں کہتے نا۔ میں ہوں تو معذور ہی نا! کمی تو ہے نا مجھ میں...... میں مکمل نہیں ہوں۔ ادھوری ہوں۔“ وہ استہزائیہ انداز میں بول رہی تھی اور میں ضبط کیے اس کا کڑوا سچ سن رہا تھا۔

”میں اللہ سے شکوہ نہیں کرتی کیونکہ اگر اس نے مجھے نامکمل بنایا ہے تو بہت سی نعمتوں سے بھی تو نوازا ہے مگر لوگ تو یہ نہیں سمجھتے نا کیونکہ ان کے بچے جسمانی طور پر معذور نہیں ہیں‘ بھلے ان میں کتنی ہی خامیاں کیوں نہ ہوں‘ خامی تو ظاہری ہی دکھائی دے گی نا‘ میں اپنی ظاہری کمزوری کو ہرگز چھپانا نہیں چاہتی اور نہ ہی چھپا سکتی ہوں‘ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اس کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی مصلحت ہوتی ہے مگر لوگ یہ نہیں سمجھتے۔ مگر میں آپ کو شرمندہ نہیں کرنا چاہتی‘ میں نہیں چاہتی آپ کا سر میری وجہ سے جھکے‘ میری وجہ سے لوگوں کی......“

”نہیں بیٹی! ایسا مت سوچو لوگوں کو تو عادت ہے۔“

”جی بابا! لوگوں کو عادت ہے وہ تو باتیں کرنا نہیں چھوڑیں گے‘ اس لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اب میں لوگوں کو باتیں کرنے کا موقع نہیں دوں گی۔“ چند پل کے لیے وہ خاموش ہوئی تھی پھر عظام کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔ ”مجھے معاف کردینا بھائی! آج تک کبھی کسی نے آپ کی آنکھ کو نشانہ نہیں بنایا مگر آج آپ کو میری وجہ سے ان لوگوں کی باتیں سننا پڑیں‘ آئی ایم ریئلی سوری۔“ اس نے عظام کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔ اس نے تڑپ کر اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لیا تھا۔

”نہیں گڑیا ایسا مت کہو‘ ہمیں تکلیف ہوتی ہے۔ تم معافی کیوں مانگ رہی ہو‘ لوگوں کو تو عادت ہے مجھے بالکل برا نہیں لگا۔ مجھے تو اس لیے غصہ آیا تھا کہ ان کی ہمت کیسے ہوئی تمہیں کچھ کہنے کی مگر بابا نے منع نہ کیا ہوتا تو میں ان جاہلوں کا دماغ درست کردیتا۔“

”کوئی بات نہیں بھائی! اب تو عادت ہوگئی ہے۔“ ”میں...... میں جاؤں بابا!“ عظام کو جواب دے کر اس نے اچانک مجھے مخاطب کیا تھا۔ میں ایک دم چونک سا گیا۔ جانے کیوں میرا دل ڈوب کر ابھرا تھا‘ میں یکلخت بے چین سا ہوگیا‘ مگر یہ نہیں جانتا تھا کہ کیوں......؟ اس کی باتوں میں بہت سے معنی پوشیدہ تھے جنہیں ہم سمجھ نہیں پائے تھے‘ اگر سمجھ جاتے تو آج وہ ہمارے ساتھ ہوتی۔“ بات مکمل کرتے ہوئے انہوں نے اپنی آنکھوں کی نمی کو انگلیوں کی پوروں سے صاف کیا تھا۔ ”وہ چلی گئی بھی گئی تو اپنے کمرے میں تھی مگر اسی رات یہ دنیا بھی چھوڑ گئی اور ہم کچھ بھی نہ کرپائے۔“

ماہین کا دل دھک سے رہ گیا۔

”کیا مطلب سر!“

”اس نے بھاری مقدار میں خواب آور گولیاں کھالی تھیں۔ ہمیں تو تب پتا چلا جب وہ ابدی نیند سوچکی تھی۔“ ماہین کا دل دکھ سے بھر گیا تھا۔ بے ساختہ اس کی آنکھوں میں پانی جمع ہونے لگا تھا‘ جسے اس نے سر جھکا کر ہاتھ سے رگڑ ڈالا تھا۔ ”جب پہلی بار میں نے آپ کو دیکھا تھا تب آپ پر مجھے اپنی بیٹی کا گمان ہوا تھا‘ تب ہی میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ آپ کو اپنے گھر میں لے کر آؤں گا‘ کسی ہمدردی کے تحت نہیں بلکہ پورے خلوص سے اپنے گھر میں بیٹی لانا چاہتا ہوں‘ میں نہیں چاہتا اب کوئی اور بیٹی ایسے ہی اپنے باپ کے جھکے ہوئے سر سے شرمسار ہوکر دنیا سے منہ موڑ لے۔“

”میں اتنی باتیں سن چکی ہوں سر کہ اب کسی بات کا اثر نہیں ہوتا اور میرے گھر والے دوسروں کی باتیں سن کر مجھے ہی طنز بھری نظروں سے دیکھتے ہیں‘ تو پھر لوگوں کی باتوں کا کیا اثر لینا......“ اس نے استہزائیہ ہنستے ہوئے کہا۔

”یہ ضروری تو نہیں بیٹا کہ ساری زندگی طنزیہ نظروں کا سامنا کرو اور لوگوں کی باتیں سنو وہ بھی بنا کسی قصور کے......؟“

”جی سر! ضروری تو نہیں ہے اسی لیے تو میں کسی کی باتیں نہیں سنتی‘ اگر کوئی زیادہ کڑوی بات کردے تو جواب ضرور دیتی ہوں‘ اللہ کے کام میں ہم کوئی دخل نہیں دے سکتے‘ مگر لوگوں کو ان کے اندر کا آئینہ دکھانے میں ہمارا بھی تو کوئی کردار ہونا چاہیے نا‘ انہیں کوئی حق نہیں کہ وہ ہماری کمزوری پر جو منہ میں آئے کہہ کر چلتے بنیں اور ہم اپنے ناکردہ گناہوں پر شرمندہ ہوکر سر جھکا دیں۔“

”ٹھیک کہا بچے! مجھے اچھا لگا‘ یہی بات اگر میری بیٹی سمجھ لیتی تو شاید آج......! خیر آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا بیٹا!“ گہری سانس خارج کرتے ہوئے انہوں نے دوبارہ وہی سوال کیا۔

"مجھے تھوڑا وقت دیں سر! جیسے دوسری سب لڑکیوں کو سوچنے کا حق ہوتا ہے' مجھے بھی تو حق ہے نا!" اس نے کسی قدر معنی خیزی سے کہا تھا۔

"بالکل بیٹا! پورا حق ہے آپ کو...... جتنا وقت لینا چاہو لے لو۔ مگر بیٹا فیصلہ کرنے سے قبل یہ ضرور سوچنا کہ ہمارے سوال میں کوئی ہمدردی نہیں ہے' بلکہ خلوص اور سچے دل سے سوال کیا ہے' کوئی بھی جواب دینے سے پہلے اس بات کا خیال رکھنا۔" آہستگی سے کہہ کر وہ اٹھ کر باہر چلے گئے تھے شاید اسے کچھ دیر کے لیے اکیلے بیٹھنے کا موقع دیا تھا۔ جبکہ ماہین رضا پُرسوچ انداز میں ان کی خالی کرسی کو دیکھتی رہی تھی۔

* * *

"میں یعنی ماہین رضا! ہم سات بہن بھائی تھے۔ بچپن سے ہی میری ایک ٹانگ معذور تھی۔ چلتے ہوئے ہلکی سی لنگڑاہٹ محسوس ہوتی تھی۔ میرے اردگرد کے لوگ مجھے تاسف اور ہمدرد نظروں سے دیکھتے تھے' میری عمر کے بہت سے بچے مجھ سے کتراتے تھے۔ سوائے شفق کے کسی اور سے میری دوستی نہ ہوسکی تھی۔ بہن بھائی مذاق بناتے تھے' بعض اوقات تو غصے میں لنگڑی تک کا خطاب دیا جاتا تھا۔ والدین کے لیے تو سب ہی ایک جیسے تھے سب کے ساتھ ایک جیسا سلوک ہوتا تھا لیکن میں شاید ان دنوں لوگوں کی باتوں اور نظروں کو کچھ زیادہ ہی محسوس کرتے ہوئے خودترسی کا شکار رہنے لگی تھی۔ اسی لیے والدین کا تھوڑا سا بھی کچھ کہہ دینا بہت زیادہ تکلیف دیتا تھا۔ تبھی میری ملاقات مس عالیہ سے ہوئی۔ ان سے ملنے سے قبل میں اپنی ٹانگ کی کمزوری کو بہت زیادہ محسوس کرتی تھی اور احساس کمتری کا شکار رہتی تھی۔ لوگوں کے سامنے جانے سے کتراتی تھی۔ خدا سے شکوہ کرتی تھی' خاصی دبوسی ہوا کرتی تھی' کوئی کچھ بھی کہتا تو اپنا سر جھکا کر سن لیا کرتی تھی مگر مس عالیہ نے میرے اندر اعتماد پیدا کیا' وہ ہر روز مجھے نصیحت کرتیں' لوگوں کی باتوں پر توجہ دینے سے روکتیں۔

میں نے آہستہ آہستہ ان کی باتوں پر عمل کرنا شروع کیا' جس میں شفق نے میرا بھرپور ساتھ دیا تھا۔ وہ شروع سے ہی میرے ساتھ مخلص تھی۔ اسکول کی زندگی ختم ہوئی تو ہم کالج آگئے۔ وہاں مس عائشہ تھیں جن کی بینائی کمزور تھی پھر مس تحریم تھیں جو میری طرح چلتی تھیں۔ یعنی معذور تھیں۔ میں تو پھر بنا کسی سہارے کے ذرا سا لنگڑا کر چلتی تھی۔ لیکن انہیں چلنے کے لیے چھڑی کا سہارا لینا پڑتا تھا مگر صرف چھڑی کا۔ اگر کبھی لڑکھڑا کر گرنے لگتیں تو بھی کسی اور کا سہارا نہیں لیتی تھیں۔ اگر کوئی سہارا دینے کو آگے بڑھتا بھی تو وہ سختی سے روک دیتیں کسی کی مدد لینا گوارا نہیں تھا انہیں۔ بڑے اعتماد سے جیتی تھیں۔ میں نے کبھی انہیں شکوہ کرتے نہیں دیکھا تھا۔ ان کی زبان پر ہر وقت خدا کا شکر ہی ہوتا تھا۔

انہیں دیکھ کر مجھے احساس ہوا کہ میں کتنی ناشکری ہوں۔ اتنی نعمتوں سے ربّ نے مجھے نوازا میں پھر بھی اس کا شکر ادا نہیں کرتی۔ وہ میرے لیے ایک مثالی کردار تھیں۔ انہیں دیکھ دیکھ کر ہی میں نے شکر کرنا سیکھا۔ اور ربّ سے شکوہ کرنا چھوڑ دیا۔ لوگوں کی باتوں کو نظرانداز کرتے ہوئے بھرپور اعتماد سے سب کے سامنے آتی' غلط بات پر چپ نہیں رہتی تھی' پورے اعتماد کے ساتھ جواب دیتی تھی۔

پھر وہ وقت آگیا جو ہر لڑکی پر آتا ہے' شادی سے پہلے لڑکی دیکھنے کے لیے آنے والوں کی قطار...... اکثر و بیشتر لڑکے والے دیکھنے آتے' سو سو باتیں کرتے اور رد کرکے چلتے بنتے۔ میری ساری بہنوں کی شادیاں ہوچکی تھیں' بھائی بھی شادی شدہ تھے' ایک میں ہی رہ گئی تھی۔ شروع شروع میں جب لوگ رد کرتے اور باتیں سناتے تو دکھ بھی ہوتا تھا اور تکلیف بھی ہوتی تھی مگر صرف چند لمحوں کے لیے...... یہی ہوتا تھا کہ جتنا محسوس کرو گے اتنا ہی لگے گا۔ اس لیے میں نے محسوس کرنا چھوڑ دیا۔ میرے پاس ایسا کچھ نہیں تھا جسے بنیاد بنا کر لوگ مجھے بہو بنانے کا سوچتے نہ ہی میں کوئی اپسرا تھی اور نہ ہی میرا خاندان امیر کبیر...... خوش شکل تھی مگر اس سے کیا فرق پڑتا ہے' لوگ دولت دیکھتے ہیں' شکل و صورت کہاں...... یا لڑکی کی ظاہری کمی عموماً دولت کے انبار میں چھپ جاتی ہے۔ خیر' اب یہ سب میرے لیے معمول بن چکا تھا۔ گھر میں فارغ رہ رہ کر میں اکتا گئی تھی سوچا کچھ کرلوں' اتنی تعلیم حاصل کی ہے کچھ تو فائدہ ہونا چاہیے' میٹرک تک میرے تعلیمی اخراجات میرے والدین نے ہی اٹھائے تھے مگر کالج میں آنے کے بعد ٹیوشنز پڑھا کر میں نے اپنے تعلیمی اخراجات پورے کیے تھے۔ اب میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں کچھ کروں اپنے ماں باپ کا سہارا بنوں' گو انہوں نے کبھی مجھ سے توقعات وابستہ نہیں کی تھیں مگر میرا دل چاہتا تھا کہ میں ان کے لیے کچھ کروں...... انہیں بتاؤں کہ جسے وہ ناکارہ سمجھ رہے ہیں' وہ اتنی بھی ناکارہ نہیں ہے۔ انہیں گمان تھا کہ صرف ان کے بیٹے ہی ان کا بازو بن سکتے ہیں۔ میں دکھانا چاہتی تھی کہ میں بھی کسی سے کم نہیں ہوں۔ جاب کرنا میرے لیے کچھ مشکل نہیں تھا' مگر جاب ڈھونڈنا ازحد محال تھا۔ بہت جگہوں سے دھکے کھانے کے بعد بالآخر مجھے شفق کے اسکول میں ٹیچر کی جاب مل گئی تھی جو کہ میرے لیے ہر لحاظ سے بہتر تھی۔ لوگ اچھے تھے' ماحول صاف ستھرا تھا۔ سب سے بڑھ کر تنخواہ بہت اچھی تھی۔ مجھے اور کیا چاہیے تھا۔ بس ذرا حسام کی وجہ سے میں بے سکون سی رہتی تھی۔ مجھے اس کی نظروں میں اپنے لیے ہمدردی دکھائی دیتی تھی جبکہ اس کی باتیں کچھ اور ہی کہانی سناتی تھیں۔ اس اسکول میں میرے لیے ایک حسام ہی سب سے بڑا مسئلہ تھا۔ اور اب احتشام سر نے کیا سوال کردیا تھا' میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ بقول ان کے پورے خلوص سے وہ مجھے اپنے گھر کی "بیٹی" بنانا چاہتے ہیں۔ مگر کیا حسام بھی مخلص تھا' یا پھر صرف ہمدردی جو مجھے اس کی نظروں میں محسوس ہوتی تھی۔ یہ جاننے سے پہلے میں کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔

* * *

"اچھا تو احتشام سر نے حسام کے لیے تمہارا رشتہ مانگا ہے؟"

"نہیں ابھی رشتہ نہیں مانگا' ابھی صرف مجھ سے بات کی ہے۔" شفق کے شریر سے انداز میں استفسار کرنے پر وہ کوفت سے بولی۔

"ایک ہی بات ہے۔ کیا فرق پڑتا ہے خیر' تم نے کیا سوچا......؟" اس کی بات کو چٹکیوں میں اڑاتے ہوئے بےصبری سے پوچھا تھا۔

"کچھ نہیں......" وہ آہستگی سے گویا ہوئی تھی۔

"کیا مطلب...... کچھ نہیں......؟" شفق نے بھنویں اچکائی تھیں۔ "تین دن ہوگئے ہیں اور تم نے ابھی تک کچھ نہیں سوچا! کیوں......؟"

"پتا نہیں یار! میں کچھ سوچ نہیں پارہی۔ احتشام سر نے جو کہا' وہ بلاشبہ پورے خلوص سے کہا مگر حسام......! میں کیسے مان لوں کہ وہ ایک معذور لڑکی سے بنا کسی وجہ کے اتنی آسانی سے شادی کے لیے مان گیا جبکہ وہ ہر لحاظ سے مکمل ہے۔ میرا مطلب ہے ہوسکتا ہے وہ احتشام سر کے کہنے پر محض ہمدردی کے تحت راضی ہوا ہو۔"

”یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ وہ تمہیں پسند کرتا ہو‘ خوب صورت ہو‘ نیک سیرت ہو‘ خامیاں تو ہر کسی میں ہوتی ہیں‘ فرق صرف اتنا ہے کہ کسی میں ظاہری خامی ہوتی ہے اور کسی میں پوشیدہ لیکن بات صرف اتنی ہے کہ تم فضول کی باتوں کے سبب اتنا اچھا رشتہ گنوانے کے چکروں میں ہو ورنہ تو وہ نہ کوہ قاف کا شہزادہ ہے اور نہ تم میں کوئی کمی ہے۔“ اس کی بات پر شفق کی تیوری پر بل پڑے تھے۔

”اس کا مطلب ہے مجھے سوچنے کا بھی کوئی حق نہیں ہے۔ میں اپنی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ ایسے ہی کردوں۔ صرف اس لیے کہ میرے پاس اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں ہے؟ ہے نا شفق!“ اس کی بات پر شفق لمحہ بھر کو گڑبڑا سی گئی‘ دوسرے ہی لمحے ڈھٹائی سے گویا ہوئی۔

”بکواس مت کرو‘ بات کو کسی اور رخ سے مت دیکھو میرے کہنے کا ایسا کوئی مطلب نہیں تھا۔ حسام ہر لحاظ سے بہتر ہے‘ فیملی بہت اچھی ہے‘ لوگ پرخلوص ہیں اس سے بڑھ کر تمہیں اور کیا چاہیے......؟ یہی کہ پھر سے آنٹی تمہیں دیکھنے کے لیے لوگوں کو بلائیں اور وہ تم میں نقص نکال کر‘ انکار کرکے چلتے بنیں۔ اور اگر فرض کرو کسی نے ہاں کہہ بھی دیا تو کوئی تم سے تمہاری مرضی بالکل نہیں پوچھے گا لیکن یہاں بات الگ ہے‘ لڑکے کو تم نے دیکھا ہوا ہے‘ والد صاحب انتہائی مخلص انسان‘ بھائی کا بیرون ملک‘ اپنا کاروبار ہے اور جانتی ہو‘ جس اسکول میں ہم ٹیچنگ کررہے ہیں وہ غریب اور ضرورت مند بچوں کے لیے بنایا گیا ہے‘ بیس فیصد بچے فیس دیتے ہیں جبکہ اسی فیصد مفت تعلیم حاصل کررہے ہیں۔ تمام کی تمام ٹیچرز ضرورت مند ہیں جنہیں وہ اچھی خاصی تنخواہ دیتے ہیں اس سے بڑھ کر اخلاص کہاں ہوگا؟ ہر لحاظ سے بہتر رشتہ ہے‘ اب اگر تم سوچنے بیٹھ جاؤ تو تمہاری مرضی‘ مثبت سوچو تو تمہیں سب صحیح لگے گا‘ یقین کرو۔“ ’مفت تعلیم‘ کا سن کر اسے کچھ روز قبل حسام سے کہی گئی اپنی بات یاد آئی تھی۔ ذرا سی ندامت ہوئی تھی مگر نظر انداز کرگئی۔ ”اور میرے خیال میں حسام تمہیں پسند بھی کرتا ہے۔“

”یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو؟“ ماہین نے چونکتے ہوئے اس کی جانب دیکھا تھا۔ وہ گڑبڑا سی گئی۔

”بس‘ ایسے ہی مجھے محسوس ہوا ہے۔ اس کی باتوں سے۔“

”وہ تو مجھے بھی محسوس ہوتا ہے...... مگر پسندیدگی نہیں‘ ہمدردی!“ اس نے چڑ کر کہا تھا۔

”تمہاری سوچ ہی فضول ہے‘ کبھی کچھ اچھا مت سوچنا۔ جارہی ہوں میں‘ رہو تم اپنی فضول سوچوں میں گم...... ہونہہ! غلط کررہی ہو تم۔“ وہ مصنوعی غصہ سے اٹھ کر چلی گئی تھی۔ جبکہ ماہین دیکھتی رہ گئی۔

* * *

”بابا جان نے آپ سے ایک سوال کیا تھا‘ ابھی تک اس کا جواب نہیں ملا۔ سوال مشکل ہے یا ہم میں کوئی کھوٹ ہے......؟“ اس وقت وہ اسٹاف روم میں تنہا بیٹھی کاپیاں چیک کررہی تھی جب حسام اندر آتے ہی گویا ہوا۔ اس نے چونک کر سر اٹھایا تھا۔ حسام بغور اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اس کے دیکھنے پہ بھی نظروں کا زاویہ نہ بدلا تھا۔ ماہین نے خود ہی جھینپتے ہوئے نظریں چرائی تھیں۔

”جی نہیں! نہ تو سوال مشکل ہے اور نہ آپ لوگوں میں کوئی کھوٹ لیکن سوچنے کا حق تو ہر کسی کو ہے نا! تو پھر مجھے کیوں نہیں......؟“ جواباً اس نے خاصی معنی خیزی سے استفسار کیا تھا۔

”بالکل حق ہے آپ کا لیکن دوسروں کے لیے انتظار کی مدت تک کوئی زادِ راہ تو ہونا چاہیے نا‘ جبکہ آپ تو خود شک و شبہات میں گھری ہوئی ہیں۔ ایسے میں جواب لینے والے ”ہاں“ اور ”نا“ کی صلیب پر لٹکتے رہیں گے‘ جواب دینے والے کے لہجے میں کچھ تو لچک ہونی چاہیے تاکہ اگلا بندہ سکھ کی سانس ہی لے سکے۔“ اس کی گہری سانس پر ماہین کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔

”میں نے سکھ کی سانس پر تو کوئی پابندی نہیں لگائی حسام صاحب۔“

”آپ نے تو نہیں آپ کے ”شک“ نے پابند کردیا ہے۔ ویسے حسام کافی ہے ’صاحب‘ لگانا ضروری نہیں۔“ اس کی بات کا گہرے لہجے میں جواب دیتے ہوئے تصحیح کی تھی۔ ماہین خاموش ہی رہی تھی۔

”ویسے ”ہمدردی“ اور خلوص میں فرق نظر آیا یا پھر میری وضاحت کی ضرورت ہے۔“ اس کی مسلسل خاموشی پر وہ اصل بات کی جانب آیا تھا۔

”پہلے تھی اب نہیں ہے۔“ وہ نظریں چراتے ہوئے دھیرے سے گویا ہوئی تھی۔

”اس کا مطلب ہے جس خلوص سے سوال کیا گیا تھا اسی طرح اپنے دل کی پوری رضامندی سے ”ہاں“ کہہ رہی ہیں۔“ چمکتی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے مسکرا کر استفسار کیا تھا۔

”شاید!“ وہ شریر سے انداز میں مسکرائی۔

”کیا مطلب...... آدھے ادھورے میں لٹکا رہی ہیں؟“ وہ فوراً سنجیدہ ہوا۔

”سوال احتشام سر نے کیا تھا‘ آپ کی تو صرف ات درمیان میں ہے‘ اس لیے آپ کو آدھا ادھورا واب دیا ہے‘ پورا جواب تو احتشام سر کو میرے گھر الے دیں گے۔“

”واقعی!“ اس کے جھکے ہوئے سر کو دیکھتے ہوئے بے یقینی سے استفسار کیا تھا۔

”جی بالکل! اب آپ جاسکتے ہیں‘ میرے پاس اور بھی کام ہیں کرنے کو......“ اسے سنجیدگی سے جواب دے کر وہ کاپی پر کچھ اور جھک گئی تھی وہ چند پل محظوظ مسکراہٹ سے اس کے نرم مخملی ہاتھوں کو دیکھتا رہا پھر دھیرے سے خدا حافظ کہہ کر چلا گیا۔

* * *

”میں یہ تو نہیں جانتی کہ آپ کی آنکھوں میں درحقیقت ہمدردی ہے یا خلوص‘ لیکن اس روز شفق کی باتوں سے مجھے لگا کہ پہلے میں نے کبھی اپنی معذوری پر کوئی شکوہ نہیں کیا مگر اب شاید میں کسی کے خلوص کو ٹھکرا کر ضرور شکوے کی مرتکب ہورہی ہوں۔ میں عام لڑکیوں جیسی نہیں ہوں‘ ہم جیسوں کو لوگ ”اسپیشل پرسن“ کہتے ہیں اور ہر ”اسپیشل پرسن“ کی قسمت میری جیسی نہیں ہوتی۔ جب خدا مجھ جیسی لڑکی کو اتنا کچھ نواز رہا ہے تو پھر میں ناشکرا پن کیوں کروں...... اس کی عنایت کو شکریے کے ساتھ قبول کیوں نہ کروں۔ جس کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی مصلحت ہوتی ہے‘ میں نہیں جانتی آگے میری قسمت میں کیا ہوگا‘ لیکن فی الحال میں خدا کی اس عنایت پر دل سے خوش ہوں۔ اور ہونا بھی چاہیے کیا خیال ہے آپ کا!“

انابیتا بیگ حیرت سے اپنے سامنے کھڑی خاتون کو دیکھ رہی تھی اور پھر ممی کی طرف......!

"یہ خاتون یہاں کیسے۔" وہ سوچ رہی تھی۔

"چونکو مت یہ دامیان سوری کی والدہ ہیں۔" ممی نے اسے حیرت میں دیکھ کر کہا۔

"میں جانتی ہوں یہ دامیان سوری کی والدہ ہیں! مگر یہ یہاں کیسے؟" ان کو دیکھ کر وہ حیران نہیں تھی مگر وہ اس بات پر حیران تھی کہ وہ یہاں کیوں اور کیسے ہیں؟

"ممی یہ کیا ہے؟" اس نے ممی کے قریب کھڑے ہو کر پوچھا۔ آواز اتنی مدہم تھی کہ دامیان کی ممی نہیں سن پائی تھیں۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی دامیان کی ممی آگے بڑھی اور اسے ساتھ لگا کر اس کے گال پر پیار کر لیا۔

قسط نمبر 22

اور کچھ خواب

عشنا کوثر سردار

خود نماؤں میں گھر گیا ہوں میں
کن خداؤں میں گھر گیا ہوں میں
کوئی پہچانتا نہیں مجھ کو
آشناؤں میں گھر گیا ہوں میں

"ماشاءاللہ! بہت پیاری بچی ہے۔" انہوں نے اس کا چہرہ ہاتھ میں تھام کر کہا۔ وہ اپنی ممی کی طرف حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ اس گھر میں تو دو ہی لڑکیاں تھیں ایک وہ ایک پارسا۔ پارسا کے لیے تو دامیان کا رشتہ آ نہیں سکتا تو پھر......!

وہ ساکت سی کھڑی رہ گئی۔

دامیان کا رشتہ اس کے لیے؟

اس سے زیادہ وہ سوچ ہی نہیں پا رہی تھی۔ دماغ جیسے ماؤف ہو رہا تھا۔

☆......☆......☆

معارج تغلق اسے ممی کے گھر لے جا رہا تھا۔ وہ خاموشی سے چہرہ پھیرے چپ چاپ بیٹھی تھی۔ اس کی طرف سے ناراضگی کا بھرپور اظہار تھا اور دل جیسے بھر آ رہا تھا۔ وہ کس کرب سے گزر رہی تھی اس کا اندازہ اس کی آنکھوں سے بہہ کر آنے والے آنسوؤں سے ہو رہا تھا۔ اس کا دل کس بات پر اور کیوں بھر آیا تھا۔ وہ نہیں جانتا

تھا۔ مگر چپ چاپ اس کے چہرے پر ایک نگاہ ڈالی تھی۔

”اب یہ ڈرامے بازی کس لیے......؟“ معارج تغلق نے ونڈ اسکرین سے نگاہ ہٹائے بغیر کہا مگر وہ کچھ نہیں بولی۔ معارج تغلق کو اس پر ترس آ گیا تھا۔ اس لیے کچھ کہے بغیر ٹشو اس کی طرف بڑھایا۔ انائیا ملک نے اس کی سمت دیکھے بنا اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

”مجھے ناز برداریاں کرنے کا کوئی تجربہ نہیں۔ لہٰذا ٹشو لو اور آنکھیں پونچھو۔“ جانے وہ کیا جتانے کی کوشش کر رہا تھا۔ انائیا ملک نے اسے گھورا۔ ”یہ ساری ڈرامے بازی کس لیے ہے؟ تمہیں ممی کے گھر لے جا رہا ہوں وہاں تماشا کرنے کا پلان بن رہا ہے۔ کیا یہ اسی کی مشق جاری ہے؟“ وہ غالباً اس کی سمت سے کان بند کر لینا چاہتی تھی اسے مزید سننے کا ارادہ نہیں رکھتی تھی۔ تبھی پلیئر آن کر دیا

حیراں ہیں، ہم ہوئے کیوں تم غیروں سے
کیسا ہے غم بولو نا کچھ ہونٹوں سے
نہ تم ہو بے وفا نہ میں ہی ہوں
پھر بھی ہیں ہم جدا، میں کیا کہوں
او میری جاں......!

انائیا ملک نے جانے کیوں پلیئر آف کر دیا تھا۔ معارج تغلق کو جیسے اس کی مخاطفت کرنے کی عادت ہو چلی تھی تبھی جیسے ہی اس نے پلیئر آف کیا تھا اسی سرعت سے بنا اس کی جانب دیکھے دوبارہ آن کر دیا تھا۔

او میری جاں
او میری جاں......!
تیرے بن جو دن آیا
کاٹے نہ وہ کٹ پایا
کمی تیری کھل سی جاتی ہے
تیتے بن جو شام آئی
بڑھی دل کی تنہائی
میری آنکھیں بھر سی جاتی ہیں
کچھ تم مجھ سے خفا
کچھ میں بھی ہوں
ہے کیا اس کی وجہ
میں کیا کہوں
نا جانے وقت کی مرضی ہے کیا
کیوں ہیں ملی
یہ دوریاں......!

او میری جاں......!
او میری جاں!

یہ صرف ضد تھی؟ وہ خوشی محسوس کرتا تھا اس کی مخالفت کر کے...... یا اسے اچھا لگتا تھا۔ وہ اس کے ساتھ کسی مقابلے میں نہیں تھی۔ پھر وہ کیوں اس کو ہرانے کے جتن کر رہا تھا؟

انائیا ملک اسے خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔

”اب اس احتجاج کی وجہ کیا ہے؟ ایسے کیوں دیکھ رہی ہو مسز تغلق؟“ وہ اس کی سمت دیکھے بنا بولا انائیا کے مقابلے میں جیسے اس کی آنکھیں چارون طرف پھیلی ہوئی تھیں اور ہر طرف سے دیکھتی تھیں۔ وہ اس کی سمت سے جواب کا متلاشی تھا جیسے مگر وہ کچھ کہے بنا چہرہ پھیر کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

”اگر ایک سمت سفر ہی کرنا ہے تو پھر مخالف چل کر کیوں...... مخالف چلنے سے سمت ایک نہیں رہے گی اور منزل سے دوری یقینی ہے وہ جانے کیا سمجھانا چاہ رہا تھا۔

”میں مخالف سمت میں نہیں چل رہی۔“ وہ بہت غصے میں تھی مگر اس کی جانب دیکھنے سے گریز کر رہی تھی۔

”ساتھ بھی تو نہیں چل رہیں۔“ کوئی شکوہ تھا یا شکایت، لہجہ مدھم تھا۔ جیسے وہ کہے بنا رہ بھی نہ سکا ہو اور اسے بتانا ضروری بھی نہ ہو۔

انائیا ملک اسے خاطر خواہ اہمیت نہیں دے رہی تھی۔ گاڑی رکی تھی اور وہ دروازہ کھول کر فوراً اندر داخل ہو گئی۔ معارج تغلق اسے خاموشی سے جاتا ہوا دیکھتا رہا۔ پھر گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکلا اور اس کے پیچھے چلنے لگا۔ وہ اسے باہر سے چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا کہ یہ نامناسب لگتا۔ نانا اور امی کو یقیناً برا لگتا۔

☆......☆......☆

شاید کوئی اور بات ہوتی تو وہ یقین کر لیتی، کوئی اور غیر معمولی واقعہ ہوتا تو شاید عقل اتنی دنگ نہ رہتی۔ مگر اس کا دماغ اس بات کو قبول کر ہی نہیں رہا تھا۔ کتنی دیر تک وہ اسی گومگو کیفیت میں بیٹھی رہی تھی۔ عقل جانے کیوں مان ہی نہیں رہی تھی۔

وہ تو للی کو پسند کرتا تھا پھر......! اس کا ذہن کچھ بھی صحیح سے سوچ نہیں پا رہا تھا۔ اس نے کچھ سوچ کر دامیان کا نمبر ملایا۔ ایک......دو......تین......! سیل مسلسل رنگ کرتا رہا پھر سلسلہ بند ہو گیا۔ وہ اس سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا؟ اسے سبکی سی محسوس ہوئی تھی۔

”کیا ہوا! اتنی پریشان کیوں لگ رہی ہو؟“ پارسا نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ انابیتا بیگ سر اٹھا کر اسے حیرت سے دیکھنے لگی۔ اس کا ذہن ماؤف تھا۔

”تم ٹھیک تو ہو؟“ پارسا چوہدری کو پریشانی لاحق ہوئی۔ تو وہ چونکی اور سر اثبات میں ہلا دیا۔

”آئی ایم او کے!“

گھر میں کوئی مہمان آئے تھے کیا!“ پارسا چوہدری نے پوچھا۔ اب انابیتا بیگ کو جواب دینا ناگزیر ہو گیا تھا۔

”ہاں!“ بہت مدھم لہجے میں جواب دیا اور پھر اس ڈر سے کہ وہ اگلا سوال نہ کر دے فوراً ہی پوچھ ڈالا۔

”تم نے کہاں اتنی دیر کر دی؟“

”میں عدن بیگ کے ساتھ بورڈ میٹنگ میں تھی۔ اب اس نے بزنس پلان بنانے کی ذمہ داری مجھے سونپ دی۔ میں پچھلے سال کی ساری فائلز نکال کر دیکھتی رہی۔ اس میں وقت کا پتا ہی نہیں چلا۔“ پارسا چوہدری نے بتایا اور دونوں ہاتھوں سے کنپٹیوں کو دبانے لگی۔

”عدن بھائی تو ابھی نہیں آئے۔“

”ہاں جرمنی سے ایک وفد آیا ہے انہیں کے ساتھ میٹنگ کے لیے گئے ہیں۔ بس آنے والے ہوں گے۔“

”تمہارا سر دُکھ رہا ہے تو کاظم سے کہہ کر چائے بنوادوں؟“ انابیتا نے اپنے مخصوص کیئرنگ انداز میں پوچھا۔

”ہاں مگر پہلے میں شاور لے لوں۔ بہت تھک گئی ہوں“ وہ پرس اور سینڈل اٹھا کر اُٹھی۔

”ٹھیک ہے تم کمرے میں جاؤ میں کاظم سے چائے کا کہتی ہوں۔“ انابیتا بیگ نے کہا اور پارسا چوہدری سر ہلاتی ہوئی کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

”یہ کیا ہو رہا تھا“

کیا کیا تھا دامیان سوری نے اور اس کے پیچھے کیا اسباب تھے۔ کیا وہ صرف اسے نیچا دکھانا چاہتا تھا......

مگر کیوں......؟ جبکہ وہ للی کو پسند کرتا تھا اور اُسی کے ساتھ خوش تھا پھر اُس کے ساتھ رہنا کیا معنی رکھتا تھا۔

وہ اس کی خواہش کیوں کر رہا تھا۔

یہ فیصلہ کیونکر کیا تھا اُس نے......؟

اور وہ بھی اتنا اچانک جب کہ وہ جانتا تھا کہ اُس کے لیے کسی کا پروپوزل آچکا ہے۔

وہ اُسے نظر انداز کر رہی تھی۔ اُس سے بھاگ رہی تھی بات نہیں کر رہی تھی۔ سارے رابطے توڑ دیے تھے تو یہ پروپوزل بھجوانا کیا معنی رکھتا تھا؟ وہ مسلسل ایک ہی نکتے پر سوچے جا رہی تھی۔

وہ تو اس کینیڈین کے پروپوزل کی توقع کر رہی تھی۔ وہ سمجھی تھی کہ اس کی طرف سے کوئی آیا ہے۔ اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ پروپوزل کسی اور کی طرف سے بھی آسکتا ہے۔ خاص کر دامیان سوری کی طرف سے... جس کے بارے میں اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔

بیلز جا رہی تھیں مگر وہ کال پک کرنے کی زحمت نہیں کر رہا تھا۔

”یہ کیا بدتمیزی ہے ایک تو پروپوزل بھجوایا اس پر فون بھی پک نہیں کر رہا“

اسے بہت غصہ آرہا تھا مگر اس کا بس نہیں چل رہا تھا۔ اگر اس لمحے دامیان سوری نظروں کے سامنے ہوتا تو وہ اُس کا حشر کر چکی ہوتی۔ اُس کی ہمت بھی کیسے ہوئی۔

جلے پاؤں کی بلی کی طرح وہ ہاں سے یہاں چکر کاٹ رہی تھی۔ ذہن مسلسل متحرک تھا۔

☆......☆......☆

عارج تغلق نانا کے ساتھ بیٹھا ادھر اُدھر کی باتوں میں مصروف تھا۔ وہ کافی کا کپ لے کر ممی کے پاس آن بیٹھی۔

”کیا ہوا، تم کچھ کہنا چاہتی ہو“ ممی نے اُسے بغور دیکھا۔

”آپ کو کیسے پتا چلا کہ میں کچھ کہنا چاہتی ہوں؟“ انائیا ملک چونکی۔

”میں ماں ہوں، مجھے تمہارے چہرے سے صاف پتا چل جاتا ہے۔ زائرہ ملک مسکرائی تھیں اور اس کا چہرہ تھام کر تھپتھپایا۔ پوری عمر انہوں نے انائیا کے لیے یوں ہی گزار دی تھی مگر کیا صلہ ملا تھا...؟

کیا ان دونوں ماں بیٹی کی قسمت ایک جیسی تھی؟

”وہ ساری پینٹنگز دیوار سے کس نے ہٹائیں؟ اس نے سامنے کی دیوار دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”اچھا! وہ پینٹنگز...؟ وہ للی نے ہٹائی ہیں“ زائرہ ملک نے مسکراتے ہوئے کہا.. انائیا ملک چونکی۔

”للی.....؟“ یہ کون ہے۔

زائرہ ملک نے خاموشی سے لمحہ بھر کو اسے دیکھا تھا پھر سہولت سے بولیں۔

”وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ آج کل میرے ہی ساتھ رہ رہی ہے“

”پے انگ گیسٹ! یہ کب رکھا آپ نے؟ اس کی کیا ضرورت تھی۔ انائیا بولی۔

”پے انگ گیسٹ نہیں ہے وہ فارنر ہے۔ اس ملک میں اس کا کوئی جاننے والا نہیں ہے اُسے رہنے کی جگہ کی ضرورت تھی۔ اس لیے میں نے اسے اپنے گھر رہنے کی اجازت دے دی“ زائرہ ملک نے بتایا۔

”اوہ! مگر آپ کو محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ آج کل کسی پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا زمانہ ٹھیک نہیں ہے۔“ انائیا نے کہا۔ زائرہ ملک اسے سچائی بتانے سے گریز کر رہی تھیں۔

”نہیں ایسا نہیں ہے، وہ اچھی لڑکی ہے میں نے اسے گھر میں جگہ دے کر کوئی غلطی نہیں کی، تم اس سے ملوگی تمہیں اچھا لگے گا، بہت پیاری بچی ہے، تمہارے جانے کے بعد میں بہت تنہا ہوگئی تھی اس کے آنے سے میرا وقت اچھا گزر جاتا ہے“ زائرہ ملک نے سہولت سے بتایا۔

”ٹھیک ہے... مگر پھر بھی محتاط رہنا زیادہ بہتر ہے“ انائیا ملک نے کہا اور خاموش ہو کر کپ میں کافی کی سطح کو خالی خالی نظروں سے دیکھنے لگی۔

”تم کچھ کہنا چاہتی ہو؟“ ممی نے اسے ایسے چپ دیکھ کر پوچھا تو اس نے سر اثبات میں ہلا دیا اور اُٹھ کر ان کے پاس آن بیٹھی۔

”ممی! مجھے آپ سے کوئی ضروری بات کرنا ہے“ وہ دھیمے لہجے میں بولی۔ زائرہ ملک نے خاموشی سے اس کی طرف دیکھا اور پھر آہستگی سے سر ہلا دیا۔

”ہاں، بولو...!“

”ممی!“ وہ جیسے لفظ جمع کر رہی تھی اپنے طور پر تیار ہو رہی تھی۔ کچھ بتانے کے لیے... زائرہ ملک اسے منتظر نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

''ممی! رئیس لاکھانی انکل نے مجھے میری مہندی والے دن کال کی تھی جب میں پارلر میں مہندی کی تقریب کے لیے تیار ہو رہی تھی''

زائرہ ملک رئیس لاکھانی کو جانتی تھیں تبھی چونکتے ہوئے بولی تھیں۔

''کیا کہا تھا انہوں نے.....؟''

''انہوں نے مجھے ایک خاص مقصد سے فون کیا تھا'' انائیا سر جھکا کر بولی۔ زائرہ ملک اسے بغور دیکھ رہی تھیں۔

''کس خاص مقصد سے...؟'' وہ چونکیں اور انائیا ملک اپنے اندر ہمتوں کو مجتمع کرنے لگی تھی۔

☆......☆......☆

یلماز کمال اس کے سامنے آن کھڑا ہوا تو وہ حیرت سے سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی تھی۔ نگاہوں میں سوال تھا تبھی یلماز کمال بولا۔

''گلابو! تم سے ایک بات کرنی ہے، آؤ ساتھ چلو''

''ایسی کیا ضروری بات ہے، یہیں بول دو۔'' وہ اس کی جانب دیکھنے سے مکمل اجتناب کرتے ہوئے بولی۔

''ہماری باتیں راستے میں نہیں ہو سکتیں گلابو! بچوں جیسی باتیں مت کرو'' اس نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''ایسی کون سی ضروری بات ہے جو یہاں نہیں ہو سکتی؟'' وہ لاتعلق لہجے میں بولی۔

''ہے ایک ضروری بات جو یہاں راستے میں نہیں ہو سکتی۔ تم ہر بات پر الجھتی کیوں ہو؟ میں کہیں تمہیں اغواء کر کے تو نہیں لے جاؤں گا'' وہ تپ کر بولا۔

''میں تمہارے ساتھ بلاوجہ کسی بحث میں الجھنا نہیں چاہتی۔''

''بحث میں الجھنا بھی نہیں چاہتی اور بحث بھی کر رہی ہو؟'' وہ جتاتے ہوئے بولا۔

پارسا چوہدری نے ایک گہری سانس خارج کی اور پھر کوئی دوسری راہ نہ پاتے ہوئے اس کی جانب دیکھے بنا بولی۔

''چلو!'' وہ اس کے ساتھ چلنے لگا۔ قدرے ویران گوشے میں آ کر اس نے بینچ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ چپ چاپ بیٹھ گئی اور منتظر نظروں سے یلماز کمال کی سمت دیکھا۔

''بولو، کیا بات ہے؟''

''تمہاری اماں کا فون آیا تھا، ابا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، انہیں ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔''

''کیا!'' پارسا چوہدری کے پاؤں تلے سے جیسے زمین پل میں سرک گئی تھی۔

''کل رات فون آیا تھا، میرے پاس تمہارا نمبر نہیں تھا غالباً تم نے بدل لیا ہے'' وہ اس کے ساتھ بیٹھا بہت پرسکون لہجے میں بولا۔

پارسا چوہدری سر جھکائے بیٹھی تھی اور آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر گر رہے تھے۔ یلماز کمال نے اسے خاموشی سے دیکھا تھا۔

''کیسی طبیعت ہے ان کی'' اس کے حلق سے آواز بس نام کو نکلی تھی۔

''زیادہ بات نہیں ہوئی، چاچی نے بس اطلاع دی تھی اور سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔'' وہ بولا۔

پارسا چوہدری اٹھی تو اس کا سر بری طرح چکرایا، زمین جیسے گھوم رہی ہو۔ وہ لڑکھڑائی تو یلماز کمال نے سہارا دینے کو ہاتھ بڑھایا مگر اس نے ہاتھ جھٹک دیا اور اٹھ کر وہاں سے نکل گئی۔

☆......☆......☆

''ممی! آپ کو میرے ساتھ ہاسپٹل چلنا ہوگا'' زائرہ ملک چپ چاپ سی سر جھکائے بیٹھی تھیں۔ جب انائیا ملک نے ان کے ہاتھ پر بہت نرمی سے ہاتھ رکھ کر کہا۔

''انائیا! میں ہاسپٹل نہیں جانا چاہوں گی اور تمہیں بھی یہی مشورہ دوں گی کہ وہاں مت جاؤ جو چیزیں ختم ہو چکی ہیں ان کا دوبارہ آغاز کرنے سے کوئی فائدہ نہیں'' وہ متانت سے بولیں۔ وقت نے انہیں ایک ٹھہراؤ دیا تھا۔ ان کے اندر چاہے کتنے بھی مدوجزر تھے... مگر وہ باہر سے مکمل پُرسکون دکھائی دے رہی تھیں۔

''ممی! ہر بات میں فائدہ یا نقصان نہیں دیکھا جاتا، یہ بات آپ ہی نے تو سکھائی ہے کہ جب کوئی مشکل میں ہو تو اس کی مدد کرو۔'' انائیا ملک نے جتایا مگر زائرہ ملک خاموش رہیں۔

''ممی! چیزیں اس طرح کہنے سے ختم نہیں ہوتیں۔ چاہے آپ انکار کریں میں نہ مانوں مگر کچھ چیزیں جھٹلائی نہیں جا سکتیں اور پھر یہ وقت ایسی باتیں سوچنے کا بھی نہیں ہے'' انائیا ملک ماں کو قائل کرنا چاہ رہی تھی۔

''رئیس لاکھانی نے تمہیں فون کیوں کیا تھا، مجھے کیوں نہیں بتایا... اسے ایسی باتیں تم سے کرنے کی کیا ضرورت تھی؟'' زائرہ ملک بولیں۔

''ممی! وقت بہت گزر چکا ہے، اب میں ناسمجھ نہیں ہوں اور آپ کو کسی بات کو مجھ سے چھپانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں جانتی میری ماں کوئی کمزور عورت نہیں ہے، بچپن میں کئی باتیں آپ مجھے نہیں بتانا چاہتی تھیں کیونکہ اس وقت میں ناسمجھ تھی۔ چیزوں کو سمجھ نہیں پاتی تھی مگر اب ایسا نہیں ہے۔'' انائیا ملک نے نرمی سے کہہ کر ماں کی طرف دیکھا۔

''انائیا! میں نہیں چاہتی تم ان باتوں میں الجھو۔'' زائرہ ملک نے کہا۔

''ممی! یہ معاملہ مجھ سے جدا نہیں ہے، اس کا واسطہ مجھ سے بس اتنا ہی ہے جتنا کہ آپ سے... ہم دونوں ایک ہی ڈور سے بندھے ہیں۔ آپ کا دل تو بہت نرم ہے، بہت جلد معاف کر دیتی ہیں آپ، پھر اب اتنی سخت دل کیوں ہو رہی ہیں؟'' انائیا ملک نے پوچھا۔

''انائیا! بٹیا بہتر یہی ہوگا کہ اس ہم موضوع پر بات نہ کریں۔ میں رئیس لاکھانی سے بات کروں گی۔ اسے ہمیں اس طرح الجھانے یا ہماری زندگیاں ڈسٹرب کرنے کا کوئی حق نہیں۔'' زائرہ ملک کا لہجہ مدھم تھا۔

''ممی! اس میں لاکھانی انکل کی کیا غلطی ہے؟ انہیں لگا یہ رشتہ ہم سے وابستہ ہے تو اس سے متعلق سب سے پہلے ہمیں بتانا ضروری سمجھا۔''

''مگر اس نے تمہیں کیوں بتایا... اسے کیا حق تھا میری بیٹی کی زندگی کو یکدم یوں ڈسٹرب کرنے کا..... تم نے اسی دن مجھے فون کر کے کیوں نہیں بتا دیا؟'' زائرہ ملک کی سوئی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

''ممی! یہ معاملہ مجھ سے الگ تو نہیں، پھر آپ کو حیرت کیوں ہو رہی ہے اور جو بھی ہو بہر حال آپ میرے

ساتھ ہاسپٹل چل رہی ہیں۔" انائیا بولی اور زائرہ ملک اسے دیکھ کر رہ گئی تھیں پھر قدرے توقف سے بولیں۔

"تم نے معارج کو تو کچھ نہیں بتایا"

"میں اسے کیوں بتاؤں گی ممی! یہ ہماری زندگیاں ہیں نا! کسی اور کو ان معاملات سے کچھ لینا دینا نہیں۔" زائرہ ملک خاموشی سے سر جھکائے بیٹھی تھیں۔ جب انائیا ملک زن کی طرف دیکھتی ہوئی نرمی سے بولیں۔

"ممی! میں اتنی ناسمجھ نہیں ہوں کہ اپنے سے جڑے معاملات کی تشہیر یہاں وہاں کرتی پھروں اور آپ کو بھی پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب میں وہ چھوٹی سی ناسمجھ انائیا نہیں ہوں۔ ہمیں کسی بھی معاملے کو لے کر ایک دوسرے سے نظر چرانے کی ضرورت نہیں۔" انائیا ملک بہت سمجھداری سے کہہ رہی تھی۔

زائرہ ملک بیٹی کو دیکھتی رہ گئی تھیں۔

☆……☆……☆

ممی ڈیڈی نے اس پروپوزل کے بارے میں کیا طے کیا تھا اور انہیں کیا جواب دیا تھا وہ نہیں جانتی تھی مگر اس کے اندر کی بے کلی بڑھتی جا رہی تھی۔

اس نے دامیان سوری سے کئی بار بات کرنے کی کوشش کی تھی مگر وہ کال پک کرنے پر رضامند دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ کیمپس بھی گئی مگر وہ وہاں بھی نہیں تھا۔

یہ چوہے بلی والا کھیل وہ کیوں کھیل رہا تھا وہ نہیں جانتی مگر وہ اس کا سامنا کیوں کرنا نہیں چاہتا۔ وہ اس بات کی وضاحت دینے کو تیار نہیں تھا۔

اور وہ وضاحتوں کے لیے اتنی بے چین کیوں تھی....؟

وہ یہ پروپوزل قبول کرتی یا رد کرتی یہ معاملہ تو اس کا اپنا تھا۔ اگر وہ پروپوزل بھجوانے کی ہمت رکھتا تھا تو وہ بھی رد یا منتخب کرنے کا اختیار رکھتی تھی۔ جب یہ حق اس کے پاس محفوظ تھا تو اس میں اتنا پریشان ہونے کی ضرورت کیا تھی۔

اس نے خود اپنے آپ کو سمجھایا اور پرسکون ہونے کی کوشش کرنے لگی۔

"ممی! آپ اس کینیڈین پروپوزل کی بات کر رہی تھیں؟ شام میں ممی جب کچن میں کاظم کے ساتھ شام کی چائے کا اہتمام کر رہی تھیں وہ پوچھنے لگی۔

"ہاں انہوں نے بات کی تھی مگر اب دامیان کا پروپوزل بھی تو ہے...؟

"تو...؟ انابیتا بیگ چونکی۔ مسز بیگ نے اسے نگاہ اٹھا کر دیکھا۔

"بیٹا! وہ اچھا لڑکا ہے پھر بات یہ ہے کہ تم اسے سالوں سے جانتی ہو، دیکھا بھالا ہے۔" ممی نے کہا۔

"تو کیا مطلب نکلتا ہے اس کا؟" انابیتا بیگ نے حیرت سے ماں کی طرف دیکھا۔

"انابیتا بچے! یہ چیزیں بچوں کے سوچنے کی نہیں ہیں، بہت سمجھداری کی ضرورت ہوتی ہے ان سب معاملوں میں۔

"تو کیا طے کیا آپ نے؟" انابیتا کے اندر ایک بے چینی پھیل رہی تھی۔

"ابھی تو کچھ نہیں سوچا مگر دامیان اچھا لڑکا ہے، دیکھا بھالا ہے۔" ممی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ممی! آپ جانتی ہیں اس کا جھکاؤ للی میک کی طرف ہے۔ وہ محبت کرتا ہے اس سے...... میں نہیں جانتی اس نے مجھے تختۂ مشق بنانے کی کیوں ٹھانی؟ مگر یہ پروپوزل ٹھیک نہیں ہے۔" انابیتا بیگ صاف گوئی سے بولی۔

"للی میک! یہ وہی فارنر لڑکی ہے نا جو تمہاری برتھ ڈے پر ہمارے گھر آئی تھی۔"

"ہاں... وہی... ؟" انابیتا بیگ نے کہا تھا۔

"مگر دامیان ایسا کیوں کرے گا۔ اگر وہ پہلے سے کسی کے ساتھ انوالو تھا تو اسے پروپوزل بھجوانے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ بچہ تو نہیں ہے کہ ایسی باتیں نہ سمجھتا ہو۔" مسز بیگ نے کہا۔

"ممی! میں یہ سب نہیں جانتی کیوں اور کیسے مگر یہ ٹھیک نہیں ہے۔ میں بتا رہی ہوں میں اس پروپوزل کو قبول کرنے والی نہیں ہوں۔" وہ جتاتے ہوئے بولی۔

"اگر وہ للی کے ساتھ نہ ہوتا تو کیا تم اسے قبول کرتیں؟" ممی نے پوچھا۔ وہ خاموشی سے ان کی طرف دیکھنے لگی اور اس پل اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

"ممی! اگر یہ میرے حق کی بات ہے اور میرے پاس اختیار ہے تو میں دامیان سوری کو اس قابل نہیں سمجھتی۔" وہ دوٹوک انداز میں بولی۔

"انابیتا بچے! لڑکیوں کے لیے پروپوزل آنا معمول کی بات ہے۔ تمہیں الجھن کس بات سے ہو رہی ہے.... پروپوزل آنے سے یا دامیان کا پروپوزل آنے سے؟" ممی نے نرمی سے پوچھا۔

"ہم اس معاملے میں بات کیوں کر رہے ہیں ممی! دامیان دنیا میں کوئی واحد آدمی نہیں اور اگر یہ اکلوتا بھی ہوتا تو میں اسے کبھی اپنی زندگی میں شامل کرنا نہیں چاہتی۔ میں اسے اس قابل نہیں سمجھتی۔" انابیتا یہ کہہ کر باہر نکل گئی۔ ممی نے اسے حیرت سے دیکھا تھا۔

☆……☆……☆

"عدن! مجھے ایک ماہ کی تنخواہ ایڈوانس میں مل سکتی ہے؟" عدن بیگ نے چونک کر سر اٹھایا اور اسے دیکھا۔

"ضرور مل سکتی ہے، کوئی ایمرجنسی؟" عدن بیگ نے پوچھا۔

"ہاں! مجھے ضرورت ہے" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"پیسے ضرورت کے لیے ہی خرچ کیے جاتے ہیں، میرے علم میں یہ بات ہے۔"

عدن بیگ نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تو پارسا چوہدری چیئر کھینچ کر بیٹھ گئی، اس کا انداز کھویا کھویا سا تھا اور آنکھوں کے پپوٹے سوجے ہوئے۔

"تم ٹھیک ہو؟" عدن بیگ نے پوچھا' پارسا چوہدری نے سر اثبات میں ہلایا۔

"تم روئی ہو!" عدن بیگ نے اس کے چہرے کو بغور دیکھا۔ اس کا پوچھنا تھا کہ اس کی آنکھیں پھر سے بھر آئی تھیں۔ وہ سر جھکائے بیٹھی رہی جیسے اپنی کمزوری کا پتا کسی کو لگنے نہ دینا چاہتی ہو۔ عدن کو اس کی حالت دگرگوں لگی تھی۔ تبھی اپنی سیٹ سے اٹھ کر اس کے قریب آیا اور اسے پوری توجہ سے دیکھنے لگا۔

"پارسا چوہدری! بند باندھنا ضروری ہے جہاں تک ممکن ہو، مگر جب برداشت باقی نہ رہے تو کوئی بھی بندھ باندھنا فضول ہوتا ہے۔ تمہیں کوئی پریشانی ہے تو اس کا حل ڈھونڈا جا سکتا ہے۔ مگر اس کے لیے تمہیں شیئر کرنے کا ہنر آنا چاہئے۔" وہ متانت سے بولا۔

پارسا کی آنکھوں سے بہت خاموشی سے آنسو ٹوٹ کر گر رہے تھے۔ مگر اس سے پہلے کہ بے قدر ہو کر بہہ جاتے، عدن بیگ نے اپنی پوروں پر چن لیا اور پھر رومال اس کی طرف بڑھا دیا۔

"میں جب تک کوئی اور بات نہیں کروں گا جب تک تم یہ رونا دھونا بند کر کے مجھے بتاتی نہیں۔" عدن بیگ نے کہا۔

"میں جاننا چاہتی ہوں، آپ بتا دیں اگر مجھے سیلری کے پیسے ایڈوانس مل سکتے ہیں تو" عدن بیگ نے کچھ خاموشی سے اسے دیکھا پھر جھک کر گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ گیا اور اس کے چہرے کو بغور دیکھنے لگا۔

"پارسا چوہدری! ہر بات کو راز بنانا ضروری نہیں، ہم اس دنیا میں جیتے ہیں تو ایک دوسرے سے بندھ جاتے ہیں پھر کوئی رشتہ ہو کہ نہیں۔ ضروری نہیں کہ میں کوئی حق محفوظ رکھتا ہوں۔ مگر کہنے سے دل ہلکا ہو جاتا ہے۔ کسی نہ کسی ذریعے ہم ایک دوسرے سے جڑ گئے ہیں۔ یہ رشتہ کوئی نام بھی نہ رکھتا ہو یا تعلق میں کوئی خاص اپنائیت نہ ہو مگر یہ رشتہ کچھ لمحوں کے لیے کچھ بانٹ سکتا ہے تو اس میں کیا برائی۔" عدن بیگ پرسکون لہجے میں کہتا ہوا اسے بغور دیکھ رہا تھا۔

"میرے ابا کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں انھیں ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ مجھے انھیں دیکھنے جانا ہے۔" پارسا چوہدری نے بنا اس کی طرف دیکھے کہا۔

"اوہ! بہت افسوس ہوا، اب کیسی طبیعت ہے ان کی۔" عدن نے اپنائیت سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔

"میں نہیں جانتی۔ اس لیے میں جانا چاہتی ہوں" وہ سر نفی میں ہلاتے ہوئے بولی۔

"تو اس طرح اکیلی کیسے جاؤ گی۔ تمھاری اپنی حالت ٹھیک نہیں لگ رہی۔ تمہیں اکیلے نہیں جانا چاہیے کم از کم میں اس کی اجازت نہیں دوں گا۔" عدن بیگ استحقاق سے بولا۔ وہ سر جھکا کر اسے دیکھنے لگی۔

"مجھے بتاؤ کہاں کی ٹکٹس کرواؤں؟" وہ اٹھ کر فون کی طرف آیا "یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ!" وہ چونکی تھی، ٹکٹس؟

"ہاں میں تنہا تمہیں جانے نہیں دونگا۔" وہ بولا اور دوسری طرف ایاز کو بتایا، دو ٹکٹس فیصل آباد کے لیے آج ہی کی فلائٹ سے "اٹس ارجنٹ۔" کہہ کر اس نے سلسلہ منقطع کیا اور اس کی جانب آیا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے۔" وہ چونکتے ہوئے اس کی جانب تکنے لگی۔

"میں تمہارے ساتھ جا رہا ہوں اور ایڈوانس سیلری کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں، وہ بھی تمہیں مل جائے گی" وہ دوٹوک انداز میں کہہ کر فون میں بزی ہو گیا اور پارسا چوہدری حیرت سے اس کی سمت دیکھتی رہی۔

☆……☆……☆

زائرہ ملک چپ چاپ کھڑی اس ہوش و خرد سے بیگانہ وجود کو دیکھ رہی تھی۔ انائیہ ان کے پیچھے کھڑی تھی۔ زائرہ ملک نہ جانے کیوں بے ہمت سی ہو رہی تھیں۔ آنکھوں میں ٹھہری نمی کناروں سے باہر آ گئی تھی۔

اس لمحہ زائرہ ملک اتنی ناتواں لگ رہی تھیں کہ انائیہ ملک کو ان کے برابر کھڑا ہونا پڑا تھا، اسے لگا جیسے وہ ابھی بے ہوش ہو کر گر جائیں گی، ان کا وجود ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔ جیسے وہ کسی طوفان کے دہانے پر ہو انائیہ ملک ماں کی کیفیت سمجھ سکتی تھی۔

"کیوں واپس آئے ہیں یہ ہماری زندگی میں اب۔ کیا ضرورت تھی اب ان کی۔ کیوں چلے آئے اس طرح" وہ مدھم آواز میں روتے ہوئے بول رہی تھیں۔

"جہانگیر ملک! اگر تم مجھ سے پوچھتے تو میں منع کر دیتی۔ کبھی نہ کہتی کہ اب ہماری زندگی میں واپس آؤ جب کہ ایک ٹھہراؤ آچکا ہے۔ ہم ایک طوفان سے گزر چکے ہیں تو اب ایک اور طوفان اپنے سنگ لے کر واپس مت آؤ۔"

وہ آکسیجن ماسک لگے اس چہرے کو دیکھتی ہوئی اتنی مدھم آواز میں بول رہی تھیں کہ آواز بمشکل انائیہ ملک کو سنائی دے رہی تھی۔ وہ کس کیفیت سے دوچار تھیں، اس کا اندازہ اسے تھا تبھی ان کے ساتھ لگی کھڑی تھی ان کو سہارا دیتے ہوئے۔۔۔

"یہ ہے وہ شخص جو ہمیں بے مول کر کے ایک دن ہماری زندگیوں سے چپ چاپ نکل گیا تھا۔ تو اب کیا ضرورت تھی واپس آنے کی کیوں آئے یہ تلاطم برپا کرنے جب کہ ہم ان کے بنا جینے کا ہنر بھی سیکھ چکے تھے۔ جب بنا کچھ کہے چپ چاپ چلے گئے تھے تو واپسی کی راہ کیوں ڈھونڈی؟ اب اتنے سالوں بعد اس کی کیا ضرورت تھی۔"

کتنے سوال تھے زائرہ ملک کے ہونٹوں پر۔ اس بے سدھ پڑے وجود میں کچھ حرکت ہوئی تھی۔ جہانگیر ملک نے بہت آہستگی سے آنکھیں کھول کر اس چہرے کو دیکھا اور اجنبی نظروں سے دیکھتا رہا۔

"تمہیں میری یا میری بیٹی کی زندگی کو ڈسٹرب کرنے کا کوئی حق نہیں۔ جہانگیر ملک! اگر پلٹنا ہی تھا تو ہماری سمت کیوں! اگر ایک بار بھی تم پوچھتے تو میں خود منع کر دیتی۔ تمھاری بیٹی کو مجرم بن کر پالا ہے میں نے۔ کبھی نگاہ نہیں ملا سکی اس سے۔ اس کے کسی سوال کا جواب نہیں دے سکی۔ وہ چپ رہتی تھی تو اس کی آنکھوں میں کئی سوال تیرتے تھے۔ اس نے تمہاری بابت مجھ سے کبھی کچھ نہیں پوچھا۔ اسے لگا اس کی ماں کا درد اور بڑھ جائے گا۔ اگر وہ تمہارا ذکر بھی کرے گی تو ہم دانستہ تمہارا ذکر نہیں کرنا چاہتے تھے۔ ایک دوسرے کا خیال رکھنے کی کوشش میں ہم ایک دوسرے سے نگاہیں چراتے رہتے تھے۔ تم نے میری بیٹی کو اپنا سایہ نہیں دیا تو آج ہماری طرف آنے کی کیا ضرورت تھی، کیوں آئے تم۔" بہت نیم جاں انداز میں بلکتی آنکھوں سے زائرہ ملک کہہ رہی تھیں۔ آنسو انائیہ ملک کی آنکھوں میں بھی آگئے تھے مگر وہ اس لمحے کمزور پڑنا نہیں چاہتی تھی۔ اپنی ماں کو شانوں سے مضبوطی سے پکڑ کر بڑی ہمت کے ساتھ کھڑی تھی۔ جہانگیر ملک نے بہت ہمت کر کے ہاتھ اٹھایا اور زائرہ ملک کے ہاتھ پر رکھنا چاہا تھا۔ مگر تبھی ان کی سانس اکھڑنے لگی تھی۔ "ممی! اوہ میرے خدایا! ان کی حالت ٹھیک نہیں لگ رہی۔ میں ڈاکٹر کو بلا کر لاتی ہوں۔" انائیہ کہہ کر فوراً باہر کی طرف دوڑی۔

☆……☆……☆

(وہ بینچ پر بیٹھی اپنا فائل پروجیکٹ جمع کروانے سے پہلے چیک کر رہی تھی۔ جب وہ اس کے قریب آن رکا)

''انابیتا بیگ نے اس کے جوتوں پر نگاہ ڈالی اور پھر سر اٹھا کر اس کی سمت دیکھا وہ اس کے پاس بیٹھ گیا۔

''تم مجھے ڈھونڈ رہی تھیں؟'' بردبار لہجے میں گویا ہوا۔ انابیتا بیگ نے نگاہ اس پر سے ہٹا کر دوبارہ پروجیکٹ پر جمادی۔

''میری تلاش کیوں شروع ہوئی اور تمہیں اتنا مطلوب کیونکر تھا؟'' وہ جواز مانگ رہا تھا مگر انابیتا بیگ جواب دینا نہیں چاہتی تھی۔

''اوہ! تو ناراضگی ہے.....، کس لیے.....؟ میں فون کالز پک نہیں کر رہا تھا؟ اس لیے یا پھر یہ کہ پروپوزل اتنی دیر سے کیوں بھجوایا؟'' اس کا انداز ہمیشہ کی طرح چڑانے والا تھا۔

انابیتا نے غصے سے فائل بند کر دی تھی اور اس کی سمت دیکھا تھا۔

''دامیان سوری! تم اتنے اہم نہیں ہو جسے ڈسکس کیا جائے۔ اپنا اور میرا ٹائم برباد مت کیا کرو'' وہ اٹھنے لگی جب دامیان سوری نے اس کے ہاتھ پر مضبوطی سے ہاتھ رکھ کر اسے ایسا کرنے سے روک دیا۔

وہ غصے بھری نظروں سے اس کی سمت تکنے لگی۔

''غصہ کس بات پر آرہا ہے، اس کا خلاصہ بھی کر دو، تمہاری یہ جو چھوٹی سی ناک ہے ایک دن غصے کے بوجھ تلے آکر بیٹھ جائے گی۔ پھر الزام لگانے میرے پاس مت آنا کہ یہ حادثہ میری وجہ سے ہوا ہے'' اس نے شہادت کی انگلی سے اس کی چھوٹی سی ناک دبائی۔

انابیتا نے غصے سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

''ملو نہ تم تو ہم گھبرائیں، ملو تو آنکھ چرائیں'' والا معاملہ ہے اب سامنے ہوں تو جی بھر کے دیکھ سکتی ہو تا کہ جب میں سامنے نہ ہوں تو مجھے اتنا مس نہ کرو'' اس کا انداز مذاق والا تھا، مگر وہ اسی طرح تنی بیٹھی رہی۔

''گیمز کھیلنا بند کرو دامیان سوری! بہت بچوں جیسا مذاق ہے تمہارا، بہت سے مذاق جھیلے جاسکتے ہیں اور شرارتیں نظر انداز کی جاسکتی ہیں مگر یہ بچکانہ مزاج کبھی کبھی ناگوار بھی گزرتا ہے'' وہ جتاتے ہوئے بولی۔

''کیا مطلب! کس کا بچکانہ مزاج..... تمہارا؟'' وہ مسکرایا اور اس کے مسکرانے نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔

''بچوں جیسی بے وقوفانہ حرکتیں کرتے ہو دامیان شاہ سوری! یہاں ذکر تمہارا ہو رہا ہے'' وہ جل کر بولی۔

''مگر میں نے کیا کیا ہے؟'' وہ انجان بن کر بولا۔

''تم نہیں جانتے کہ تم نے کیا کیا؟'' انابیتا بیگ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

''نہیں...!'' وہ شانے اچکا کر بے نیازی سے بولا تو وہ دنگ رہ گئی۔

''تم نے پروپوزل نہیں بھجوایا؟''

''پروپوزل...! کیسا پروپوزل؟'' وہ صاف مکر گیا جیسے یکسر انجان ہو۔ انابیتا بیگ حیران رہ گئی۔ پھر سر نفی میں ہلاتی ہوئی اٹھی مگر دامیان سوری نے بازو سے پکڑ کر دوبارہ بٹھا دیا۔

''تم جواب دیے بنا نہیں جاسکتیں انابیتا بیگ!''

''تم انجان ہو تو بہتر ہوگا ہم اس معاملے پر بات نہ کریں!'' وہ لاتعلقی سے بولی۔

''بات اگر مجھ سے جڑی ہے تو بات کرنا ضروری ہے انابیتا بیگ!'' دامیان سوری جتاتے ہوئے بولا۔

''جب تم نے پروپوزل بھجوایا ہی نہیں تو پھر بات کس بارے میں کریں؟'' انابیتا بیگ جتاتے ہوئے بولی۔

''کس پروپوزل کی بات کر رہی ہو تم! کہیں جاگتی آنکھوں سے سپنے تو نہیں دیکھنے لگیں۔ مجھ سے اتنا عشق ہو گیا ہے، انارکلی اب سوتے جاگتے خواب بنتی ہو'' وہ مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔ اسے انتہائی سبکی محسوس ہو رہی تھی۔

اس شخص نے طے کر لیا تھا کہ اسے ہر طرف سے شکست دے گا تو یہ عمل انتہائی بودا تھا۔ وہ اس کی اس طرح تضحیک کرنے کا حق نہیں رکھتا تھا۔ انابیتا بیگ اس کو یوں گھور رہی تھی جیسے منہ نوچ لے گی۔ وہ اس کی کیفیات سے محظوظ ہو رہا تھا۔

''انارکلی! یہ ٹھیک نہیں خواب تم دیکھو اور الزام مجھ پر عائد کرو۔ اس کی ذمہ داری میں نہیں لے سکتا۔'' وہ شانے اچکا کر بولا۔

''دامیان سوری! یہ بچکانہ کھیل کھیلنا بند کرو'' وہ سخت لہجے میں بولی۔

''دیکھا جائے تو کھیل تو سارے ہی بچکانہ ہوتے ہیں انابیتا بیگ! اچھا اس میں الجھنے والی بات کوئی نہیں ہے؟ تم بچوں کی طرح بی ہیو کر رہی ہو'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''اگر وہ پروپوزل تم نے نہیں بھجوایا تو پھر کس کی مرضی سے آیا تھا؟'' وہ حیرت سے بولی۔

''تم لیلیٰ نہیں ہو انارکلی! نہ میرا جنون خود سر ہے کہ جنگلوں کو نکل جاؤں اور صحراؤں کی خاک چھانوں۔ مجھے یہ بات سمجھ نہیں آرہی کہ تمہیں یہ خوش فہمی کیونکر ہو رہی ہے کہ میں تمہارے لیے ایسا سوچ رہا ہوں اور یہ خوش فہمی ہمیشہ تمہیں ہی کیوں ہوتی ہے ہر بار! ہاں'' وہ محظوظ ہو رہا تھا۔

انابیتا بیگ کو اپنی توہین محسوس ہوئی تھی۔ دل شدت سے چاہا کہ زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں سما جائے۔ اسے یہ حق کس نے دیا تھا کہ وہ ہر بار اسے اس طرح بے عزت کرے اور ہر بار پہلے سے زیادہ تکلیف دے۔ توہین کے احساس سے آنکھیں جلنے لگی تھیں۔ وہ رخ پھیر گئی اور آنسو آنکھوں کے کناروں سے نکلنے لگے تھے۔ دامیان سوری اسے بغور دیکھنے لگا تھا پھر ہاتھ بڑھا کر ایک قطرے کو اپنی پور پر چن لیا۔

''مجھ سے اتنا عشق..... اتنی محبت کہ آنسوؤں کی گواہی کی ضرورت پڑ گئی؟'' وہ بغور اس کی سمت دیکھتے ہوئے بولا۔ انابیتا بیگ اسے گھورنے لگی تھی۔

''اوہ! اتنے قاتل انداز اور خطرناک تیور...! مار دینے کا ارادہ ہے کیا؟'' وہ مسکرایا۔

''دامیان سوری! دوبارہ میرے سامنے مت آنا، ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا؟'' وہ وارننگ دیتی ہوئی آنکھیں مسلنے لگی۔ انابیتا بیگ میں ہمت ہوتی تو وہ شاید اس کا حشر کر دیتی۔

وہ اٹھی تھی اور پاؤں پٹختی ہوئی وہاں سے نکل گئی۔ وہ دلچسپ نظروں سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔

☆......☆......☆

اس نے تھک کر کار کی سیٹ سے سر ٹکایا۔

کیا سنگ میل جو سفر میں پیچھے چھوٹ جائیں وہیں سے دوبارہ بھی مل سکتے ہیں؟ بہت سے سوالوں کو ساتھ لے کر وہ اس عمر کو پہنچی تھی مگر کبھی ممی سے پوچھ نہیں سکی تھی کہ انہیں تکلیف ہوگی۔

مگر آج انہیں اس طرح روتا دیکھ کر اندر کہیں بہت تکلیف ہوئی تھی۔ وہ اس تکلیف کا مداوا نہیں کر سکتی تھی۔ مگر اس تکلیف کو اپنے اندر محسوس کر رہی تھی۔ وہ بہت نڈھال لگ رہی تھی۔ معارج تغلق نے ڈرائیو کرتے ہوئے اسے دیکھا۔

"تم کہاں گئی تھیں ممی کے ساتھ......" معارج تغلق نے پوچھا مگر انائیا ملک نے جواب نہیں دیا۔ آنکھیں آہستگی سے موندی گئی تھیں۔

"پورے دو گھنٹے لیے تم نے ایسی کونسی ایمرجنسی آگئی تھی؟" انائیا ملک کسی سوال کا جواب نہیں دینا چاہتی تھی مگر معارج تغلق جاننے پر بضد تھا۔

"کیا ہم اپنے معاملات الگ نہیں کر سکتے۔" آنکھیں موندے وہ مدھم لہجے میں بولی۔

"کون سے معاملات؟" وہ چونکا، ونڈ اسکرین سے نگاہ ہٹا کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔

"میں کیا کرتی ہوں، کب کرتی ہوں اور کیسے کرتی ہوں، اس بات کی فکر کرنا ترک کر دو پلیز! مجھے الجھن ہوتی ہے، دم گھٹتا ہے میرا!"

"مجھے اس کی پروا نہیں ہے انائیا تغلق! تم بیوی ہو میری۔ اس سب کی فکر رکھنا ضروری ہے، معاملات اتنی آسانی سے الگ نہیں ہو سکتے، اب اس سے تمہارا چاہے دَم گھٹے یا جان نکلے۔" لہجہ اور انداز بے فکر تھا۔ وہ آنکھیں کھول کر اسے اس کی خودسری کو دیکھنے لگی۔

"تمہاری بلا سے میں مر جاؤں، جانتی ہوں رتی برابر فرق نہیں پڑے گا تمہیں وہ جل کر بولی تو معارج تغلق کے لبوں پر جانے کیوں ایک مسکراہٹ پھیل گئی۔

"بے فکر رہو، مرنے نہیں دوں گا، تمہارے معاملے میں میری ساری حسیات بہت متحرک ہیں۔ تم سانس بھی لیتی ہو تو اس کی خبر ہو جاتی ہے۔ سو جب سانس نہیں لو گی تو اس کی خبر نہ ہو ایسا ممکن نہیں۔" بے حسی کی حد تھی کوئی وہ اتنا سنگدل اور شقی القلب تھا۔ اسے تکلیف میں دیکھ کر وہ خوشی محسوس کرتا تھا اور اس کی موت کی باتیں اسے تسکین دیتی تھیں۔

"تمہیں بہت خوشی ہوگی نہ اگر میں نا رہوں؟" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔

"مجھے خوشی ہوگی اگر تم باقی رہو تو... تمہارے بنا اب دل نہیں لگے گا نا! کچھ عادت سی ہوگئی ہے تمہاری۔ اب جب شناسائی کچھ گہری ہو رہی ہے اور ہم قریب آرہے ہیں تو ایسے میں تمہارا جانا سود مند نہیں ہوگا؟" اس شخص نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ انائیا ملک کا دل چاہا کہ اس کے ہاتھ میں کوئی وزنی شے آجائے اور وہ اسے اس کے سر پر دے مارے، وہ اس کے سامنے اس کی موت کی منصوبہ بندی اتنی بے حسی سے کر رہا تھا۔

"تمہیں کسی بھی بات کی خوشی ہو میں ایسا کبھی نہیں چاہوں گی معارج تغلق! جس طرح تمہیں مجھے سکون میں دیکھ کر تکلیف ہوتی ہے ویسے ہی مجھے تمہارا سکون سونے نہیں دیتا مگر فرق یہ ہے کہ میں تمہاری طرح منصوبہ بندی نہیں کرتی۔ ہاں بس ایک موقع کی تلاش میں ہوں جب تمہارا یہ سکون تم سے ویسے ہی چھین سکوں جیسے تم نے چھینا ہے۔ اگر میں تمہارے ساتھ ہوں تو اس کی وجہ ہے ورنہ تم مجھے اس کے لیے کبھی مجبور نہیں کر سکتے ہو نہ دنیا کا کوئی قانون"

"تمہارا خلع کا کیس کہاں تک پہنچا...؟ کہو تو میں کسی وکیل کو ہائر کر دوں؟ تمہارا وکیل تو تھکا ہارا ہے۔ ابھی ل ایک نوٹس بھی تیار کروا کے مجھ تک نہیں پہنچا سکا" وہ محظوظ ہوا۔

"کاغذی گھوڑے دوڑانے کی عادت ہے نا آپ کی، بہت جلد چھوٹ جائے گی" وہ تپ کر بولی۔

"اوہ! ایسا کیا کرو گی تم" وہ مسکرایا۔ "کچھ کرنے والی ہو تم؟"

"کروں گی تو آپ کو پتا چل جائے گا۔" وہ لاتعلقی سے کہہ کر چہرہ پھیر گئی۔

"تم ساحرانہ چالیں چلنا جانتی ہو۔ کوئی اور ہتھیار اُٹھانے کی ضرورت نہیں، تمہارا حسن کافی ہے" اس لے جتایا۔

"میں نے ابھی چالیں چلنا شروع نہیں کی ہیں فی الحال آپ کی چالیں دیکھ رہی ہوں" وہ مدھم لہجے ں بولی۔

"تم باتوں میں الجھا کر بات بدلنا جانتی ہو مسز تغلق! بات تمہاری ممی کے ساتھ کہیں جانے کی ہو رہی تھی اور تم ے مجھے گھما کر پوری دنیا کا ایک چکر لگوا دیا" معارج تغلق نے کہا وہ اوب گئی تھی اس کی سمت سے جیسے اپنے ان بند کر لینا چاہتی تھی مگر ایسا ممکن نہیں تھا۔

"میں ممی کی ایک دوست کی طرف گئی تھی۔ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ آپ کو انتہا سے زیادہ تجسس ہے تو ے ساتھ آگئے ہوتے، وہیں نانا کے ساتھ بیٹھے شطرنج کی چالیں کیوں چلتے رہے؟" وہ جل کر بولی۔

"نانا کے ساتھ شطرنج کی چالیں اس لیے چلتا رہا کہ تم پر نظر رکھ سکوں، مگر تم بہت ہوشیار ہو، اس کا موقع نہیں ی ہو۔ خیر، آج شام ایک دعوت ہے، گھر جا کر فریش ہو جانا۔" معارج تغلق نے مطلع کیا۔

"میں کسی دعوت میں جانے کے موڈ میں نہیں، منع کر دو۔" وہ آنکھیں موند کر بولی۔

"میں انکار نہیں کر سکتا، ہمیں ہر صورت میں جانا ہے، لہٰذا تیار رہنا۔ اس ضمن میں کوئی کوتاہی قابل قبول نہیں وگی۔" معارج تغلق نے حکم نامہ جاری کیا۔

انائیا ملک اس کی بے حسی پر تلملا کر رہ گئی۔

☆......☆......☆

اس کی آنکھیں جل رہی تھیں۔ گھر آ کر وہ کتنے ہی لمحے اپنے کمرے میں بیٹھی آنسو بہاتی رہی تھی۔ وہ بندہ تنی آسانی سے اس کی بے عزتی ہر بار کر جاتا تھا۔ وہ اسے اتنی ایزی کیوں لیتا تھا۔ اس کی شکل پر کہیں لکھا تھا کہ وہ اتنی بے وقوف ہے، کہ جب چاہے تختۂ مشق بنا لیتا تھا۔ اس کا دل چاہتا تھا اس کے پاس تلوار ہوتی تو وہ اس کا سر قلم کر دیتی۔ بہت غصہ آ رہا تھا اور خون پتا نہیں کس درجہ حرارت پر کھول رہا تھا۔

"اناہیتا! بچے!" ممی نے فون پر کسی سے بات کرتے ہوئے دروازہ کھولا۔ وہ جو تکیے میں منہ چھپائے بیٹھی ی فوراً اپنا چہرہ پونچھا۔

"انا! بچے......!" ممی نے اسے پھر پکارا تھا پھر فون پر بات بھی جاری رکھی۔ "ہاں آپ آج شام آسکتے ں...... نہیں...... اس کی ضرورت نہیں...... جی...... میں سمجھتی ہوں۔" ممی نے سلسلہ منقطع کر کے اناہیتا کی ف دیکھا۔ "کیا کر رہی ہو تم...... سو رہی ہو۔" اناہیتا نے تکیے کے اندر سے منہ نہیں نکالا تھا۔ ممی نے اس کے

بال پیار سے سہلائے۔ ”اٹھو فریش ہوجاؤ، کچھ مہمان آرہے ہیں۔“

”اب کون آرہا ہے ممی! پلیز، مجھے کسی سے نہیں ملنا۔“ وہ سر اٹھا کے بولی۔ ممی کی طرف اس کی پشت تھی۔ ”اچانک آپ سب میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں، کیوں نکالنا چاہتے ہیں مجھے اس گھر سے،،؟ ایسا کیا بوجھ بن گئی ہوں آپ پر؟“ وہ اٹھ بیٹھی تو ممی نے اس کی سرخ سرخ آنکھوں کو دیکھا۔

”اوہ! میرا بچہ......! اسے ساتھ لگا کر باقاعدہ پیار کیا۔ ”اس میں رونے کی کیا بات ہے؟ میرا بچہ سمجھدار ہے نا! دیکھو انائیا کی شادی ہوئی نا! وہ بھی تو ایک دوسرے گھر گئی۔ میرے بچے ہمیشہ تو کوئی ماں باپ کے گھر نہیں رہ سکتا نا! ہم آپ سے بہت پیار کرتے ہیں مگر ایک نہ ایک دن تو اگلے گھر جانا ہی ہے۔“ ممی نے پیار سے ساتھ لگا کر اسے سمجھایا۔

”ایک نہ ایک دن نا! تو پھر اتنی جلدی کیوں؟ ابھی فی الحال تو کیمپس ختم ہو رہا ہے۔ انائیا کو بھی اپنی صلاحیتیں منوانے کا موقع ملا تھا نا! دادا نے اپنی پاکٹ سے انویسٹ منٹ کروا کے اس کی وہ کمپنی رن کروائی تھی۔ مجھے سب اتنی جلدی کیوں بوجھ سمجھ رہے ہیں؟“ انابیتا نے سارا غبار دھو دیا تھا۔ ”کوئی بوجھ نہیں میرے بچے! ابا نے انائیا کو کیپٹل دیا تھا ان شاء اللہ ہم بھی تمہیں دیں گے، تمہیں جو کرنا ہوگا کرنا۔ انائیا کی طرح تمہیں بھی موقع ملے گا۔“ ممی نے سمجھا کر اس کی آنکھیں پونچھیں۔

”کب ملے گا؟ آپ تو ابھی سے یہاں سے بھگانے کے منصوبے بنا رہی ہیں۔“ وہ بولی۔

”نہیں ایسا نہیں ہے۔ ہم پر تم کوئی بوجھ نہیں ہو، مگر بچے! اب اچھے رشتے آرہے ہیں تو دیکھنے میں کوئی حر ضروری نہیں کہ ہم شادی فوراً کریں، لیکن اگر کوئی اچھا مل جاتا ہے تو کچھ سال کا انتظار کروایا جاسکتا ہے۔“ ممی مسکرائیں۔ ”اب ہماری بیٹی پری سی ہے تو لڑکے کو تو ویٹ کرنا ہی پڑے گا۔“ ممی نے پیار سے اس کا موڈ بحال کردیا۔ ”انا! بچے! پریشان ہو کر رونے دھونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہم ہر فیصلے میں تمہارے ساتھ ہیں کوئی زبردستی نہیں ہو رہی۔ اچھا اب میری بات سنو! وہ کینیڈین لڑکا پاکستان آگیا ہے، اس کی فیملی ملنا چاہتی ہے۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، کوئی زبردستی بھی نہیں ہے۔ اگر تمہارا موڈ ہے تو ہم انہیں آج گھر لیتے ہیں، ورنہ میں کسی اور دن کا کہہ کر ٹال دیتی ہوں۔“ ممی نے کہا۔ انابیتا بیگ نے کچھ لمحے ماں کی طرف خاموشی سے دیکھتے ہوئے کچھ سوچا، پھر سر ہلا دیا۔

”آپ انہیں بلا لیں، میں تیار ہو جاتی ہوں۔“ یہ اچانک کیا ہو گیا تھا۔ مسز بیگ اس کی بات پر خود حیران گئی تھی۔ وہ یہ سب کہہ کر کمرے سے نکل گئی۔

کس شے سے فرار تھا یہ؟

اچانک کس سمت بے وجہ دوڑ لگائی تھی اس نے۔

کس بات کا احساس تھا کہ وہ سب کچھ داؤ پر لگانے کو آمادہ ہو گئی تھی۔

☆......☆......☆

اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ غلط کر رہی ہے یا صحیح، یا کہ اسے عدن بیگ کو ساتھ لانا بھی چاہیے تھا یا نہیں...... مسلسل اسے منع کرتی رہی مگر اس نے ایک سن کر نہیں دی۔

”مجھے بھی کچھ کام ہے، اس شہر میں...... تم اپنی فیملی سے مل لینا اور میں اپنے کام نمٹا لوں گا، بے فکر رہو تمہیں یشان نہیں کروں گا۔“ عدن بیگ نے اسے جواز دیا تھا۔ اس کا دماغ اتنا ماؤف تھا اور وہ اتنی پریشان تھی کہ ے مزید منع نہیں کرسکتی تھی۔ ائیر پورٹ سے باہر آکر وہ اپنے ہی شہر کو اجنبی نظروں سے دیکھتی رہی تھی۔

عدن بیگ اس کی ذہنی کیفیت سمجھ رہا تھا، تبھی اس کے ہمراہ آیا تھا۔

”ہم پہلے ہوٹل جائیں، سامان وغیرہ رکھیں یا تم ڈائریکٹ ہاسپٹل جانا چاہتی ہو؟“ عدن بیگ نے چھا تھا۔ مگر وہ ساکت نظروں سے ایک طرف دیکھتی جا رہی تھی۔ تب عدن نے ڈرائیور کو ہاسپٹل جانے کا ہہ دیا تھا۔

وہ بہت الجھی ہوئی لگ رہی تھی۔ نظریں ساکت تھیں اور کھوئی کھوئی سی!۔

عدن بیگ نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ بہت آہستگی سے دھر دیا تھا۔ ارادہ اسے تسلی دینے کا تھا مگر وہ اتنی حس ہو رہی تھی کہ اس ہاتھ کے لمس کو اس گھڑی محسوس ہی نہیں کرسکی تھی۔ عجب بے جان سا انداز تھا اس کا اور ود میں جان نہیں رہی تھی تو حسیات کیسے اور کیونکر کام کرتیں۔

”فکر مت کرو، سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ عدن نے کہا تھا۔ پتا نہیں پارسا چوہدری نے سنا بھی تھا کہ نہیں، مگر چہرہ اس کی طرف پھیر کر خالی خالی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

”مجھے ڈر لگ رہا ہے“ ایک مدھم آواز اس کے حلق سے برآمد ہوئی۔

عدن بیگ نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر تسلی دینا چاہی تھی۔ گاڑی ہاسپٹل کے سامنے رکی تھی۔ عدن بیگ نے اسے اترنے کا اشارہ کیا تھا۔ وہ غائب دماغی سے گاڑی سے اتری تھی۔ آج وہ جیسے اپنے ہی شہر میں پرائی ی۔ سارے منظر پہچان سے کوسوں میل دور تھے۔ وہ اجنبی نظروں سے اطراف کو دیکھ رہی تھی۔ اسے نہیں لوم تھا دیکھنے والوں کا کیا ردعمل ہوگا۔ وہ اسے اندر جانے دیں گے بھی یا نہیں۔“ مگر خبر سن کر وہ رہ نہیں سکی تھی وہ آج اگر نہ لوٹتی تو شائد مر جاتی۔ قدم من من بھر کے ہو رہے تھے، آگے قدم لینا مشکل ہو گیا تھا۔ وہ رک گئی ی جب عدن بیگ نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے سہارا دیا تھا اور چلنے میں مدد دی تھی۔

”آپ یہاں رکیں، میں خود اندر جانا چاہوں گی“ وہ مدھم لہجے میں بولی۔ مگر عدن بیگ نے سنی ان سنی کر دی ی اور اس کے ساتھ چلتا رہا تھا۔ سامنے ہی اماں دکھائی دی تھیں۔ وہ چند قدم کے فاصلے پر ہی رک گئی ی۔ آگے جا کر ان کو دیکھنے کی یا متوجہ کرنے کی ہمت ہی نہیں تھی۔ وہ عدن کو پتا نہیں چلنے دینا چاہتی تھی کہ اس تعلقات اپنے گھر والوں کے ساتھ کس نہج کے ہیں، تبھی وہ اس کے بنا اکیلی ان سب کا سامنا کرنا چاہتی تھی عدن بیگ اس پر آمادہ نہیں تھا۔

”کیا ہوا؟“ عدن بیگ نے اس کی سمت دیکھا۔

”مجھ میں ہمت نہیں ہے ان کا سامنا کرنے کی، وہ مجھ سے سخت خفا ہیں۔“ وہ مدھم لہجے میں بولی۔

”اپنے اندر ہمتوں کو جمع کرو پارسا! وہ تمہارے اپنے ہیں تم سے خفا بھی ہیں تو مان جائیں گے۔ اپنوں سے بھی اختلافات ہوں مگر وہ آپ کو پرایا نہیں کرتے، نہ تنہا چھوڑتے ہیں۔ شاباش قدم اٹھاؤ، میں تمہارے ہوں نا!“ تسلی دی۔

اماں کی نگاہ اس پر اب تک نہیں پڑی تھی۔ وہ کسی خاتون سے باتوں میں مصروف تھیں۔ جیسے ہی وہ خاتون وہاں سے ہٹی تو ان کی پہلی نگاہ پارسا چوہدری پر ہی پڑی تھی۔ وہ ساکت سی رہ گئی تھیں۔ پارسا ان کی سمت چلتی جا رہی تھی، آنکھیں پانیوں سے بھر رہی تھیں۔ کتنے ماہ و سال ان کے بنا اور ان سے دور بتائے تھے، مگر ان کا وہ رشتہ اب بھی اتنا ہی گہرا تھا، اتنی ہی شدت اور کھنچاؤ اپنے اندر رکھتا تھا۔ وہ آہستگی سے چلتی ان کے سامنے جا رکی تھی۔ آنکھوں میں آنسو تو اماں کے بھی تھے مگر اس کے قریب پہنچنے پر وہ اس کی طرف سے نگاہ پھیر گئی تھیں۔ عدن وہیں پر رک گیا تھا۔

"اماں میں...... آپ کی پارسا...... آپ کی گلابو......" وہ بہت مدھم سرگوشی میں بولی اور ان کے قریب جا رکی تھی۔ اماں اسے چپ چاپ تکتی رہی تھیں۔ پارسا نے اپنا سر ان کے شانے پر رکھ دیا اور کتنے ہی آنسو اس شانے میں چپ چاپ جذب ہوئے تھے۔ وہ کتنی ہی دیر ایسے کھڑی رہی تھی، پھر اماں نے اسے خود سے الگ کیا تھا۔

"گلابو! تُو یہاں کیوں آئی؟" اماں نے کہا۔

"اماں کیا اب بھی نہیں آتی؟ کتنے سال تو جبر کیا...... اب اور کتنا؟ ابا کا سنا تو رہا ہی نہیں گیا۔ کیسی طبیعت ہے اب ان کی...... میں انہیں دیکھنا چاہتی ہوں۔ وہ آگے بڑھنے کو تھی جب اماں نے اس کا باوز پکڑ کر روک دیا تھا۔

"گلابو! میری بات سنو" وہ رک کر اماں کی طرف دیکھنے لگی۔

"میں ابا سے نہیں مل سکتی؟" اتنی سی تھی تو ان کی انگلی پکڑ کر چلنا سیکھا۔ ان کے قدم پر قدم رکھ کر چلی ہیں۔ وہ آگے چلتے تھے میں ان کے قدموں کے نشان پر اپنے پیر رکھتے ہوئے چلتی تھی۔ تھک جاتی تھی تو ان کی گود میں سر رکھ کر سو جاتی تھی۔ صبح اٹھ کر انہیں دیکھتی نہیں تھی تو مجھ کو رونا آتا تھا۔ اسکول اکیلے جانے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ جب تک وہ مجھے اسکول گیٹ تک ڈراپ نہیں کرتے تھے اور میرا لنچ باکس اور پانی کی بوتل ہاتھ میں نہیں تھماتے تھے۔ میں اندر جاتی نہیں تھی۔ وہیں گیٹ پر کھڑی ان کی گاڑی کو جاتا دیکھتی رہتی تھی جب تک کہ منظر نظروں سے اوجھل نہ ہو جاتا تھا۔ آج جب وہ بیمار ہیں تو کیا میں انہیں صرف ایک نظر دیکھ بھی نہیں سکتی؟ اماں اور کتنی سزا ہے میرے لیے؟ اتنی بڑی تو خطا نہیں تھی میری...... میں نے تو تب بھی معافی مانگی تھی، وضاحتیں دی تھیں مگر کسی نے میری سنی ہی نہیں تھی۔" وہ آنسوؤں کے ساتھ کہہ رہی تھی۔ اماں نے نہ ہاتھ بڑھا کے اس کے آنسو پونچھے نہ کچھ کیا۔

عدن بیگ نہ چاہتے ہوئے بھی تمام منظر قدرے فاصلے پر کھڑا دیکھ رہا تھا۔ ان کے درمیان کا تناؤ وہ صاف محسوس کر سکتا تھا مگر وہ قریب جا کر نہ پارسا کی وکالت کر سکتا تھا نہ اسے سہارا دے سکتا تھا، نہ اس کے لیے بول سکتا تھا۔ یہ وہ محاذ تھا جو پارسا چوہدری کو اکیلے ہی سر کرنا تھا، چاہے اس کے لیے یہ کتنا ہی مشکل کیوں نہ ہو۔

"گلابو! کل کی باتیں جانے دو، آج کی طرف دیکھو، کل بیتے کئی سال ہوئے۔" بمشکل اماں بولی۔

"یہی تو...... یہی تو کہہ رہی ہوں اماں! کل بیتے تو سال ہوئے۔ کل کی باتوں کو جانے کیوں نہیں دیتے آپ سب آج کی طرف کیوں نہیں دیکھتے؟ کیا میں آج ابا سے بھی نہیں مل سکتی جو کل تک میرے لیے چھپر چھاؤں تھے؟ پارسا تن کر کھڑے رہنا چاہتی تھی۔

"گلابو! تم آج بھی ضدی ہو مگر تمہیں سمجھنے کی ضرورت ہے۔ یہاں کچھ بھی کل جیسا نہیں ہے، تمہارے ابا اس وقت آئی سی یو میں ہیں اور میں نہیں چاہتی کہ تم ان سے ملو۔ ان کی حالت اور بھی بگڑ سکتی ہے اور اس کا ذمہ دار پھر کون ہوگا؟ تُو نے جب اس دہلیز کو پھلانگا تھا تو انہیں پہلا اٹیک ہوا تھا اور اب جب وہ تمہاری دوست کی شادی میں شرکت کے لیے گئے تھے تو تم ہی ان کی اس حالت کا سبب بنیں۔ وہ تمہارے بارے میں سوچتے رہتے تھے اگرچہ کبھی ذکر نہیں کیا تھا، مگر میں جانتی تھی وہ اکثر تمہاری تصویر دیکھتے تھے۔ میں سو جاتی تھی تو کیا باتیں کرتے تھے میں نہیں جانتی، مگر تم ہمیں ایک مشکل حال میں چھوڑ گئی تھیں۔ گلابو! تم ابا سے ملنے کا خیال دل سے نکال دو۔ واپس چلی جاؤ، یہی ٹھیک رہے گا۔" اماں نے بے دردی سے کہا۔ پارسا چوہدری سر انکار میں ہلانے لگی تھی، آنسو پلکوں کی باڑھ پھلانگ رہے تھے مگر اماں پر کچھ اثر ہی نہیں ہو رہا تھا۔

"اماں! بس ایک بار...... صرف ایک نظر! اس کے بعد میں کوئی ضد نہیں کروں گی۔" وہ جیسے درخواست کر رہی تھی۔

اماں نے سر انکار میں ہلایا تو عدن بیگ سے یہ صورت حال دیکھی نہیں گئی اور وہ ان کے قریب آ گیا۔

"آپ پلیز انہیں ایک بار ملنے دیں۔" وہ بولے بنا نہیں رہا۔ اماں نے اس کی سمت دیکھا تھا پھر گلابو کو دیکھا۔

"یہ کون ہے؟"

"میں عدن بیگ ہوں۔ پارسا کا باس! یہ میرے آفس میں جاب کرتی ہیں یعنی پارٹ ٹائم جاب اپنے کیمپس کے بعد۔ جب ہمیں اس بات کا پتا چلا تو پارسا کی حالت بہت دگرگوں تھی اور مجھے ان کے ساتھ آنا پڑا۔ اگر میں انہیں اکیلے آنے دیتا تو شاید یہ اپنا دھیان خود نہ رکھ پاتیں۔ بچوں سے غلطیاں ہوتی ہیں، مگر بڑوں کا کام معاف کر دینا ہے۔ دیکھیں میں آپ کے ذاتی معاملات میں بولنے کا کوئی حق تو نہیں رکھتا مگر درخواست کر سکتا ہوں۔" عدن بیگ نے کہا تو اماں نے کچھ دیر خاموشی سے اسے دیکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ٹھیک ہے تم چپ چاپ انہیں دور سے دیکھ سکتی ہو۔ سلو آنے والا ہے، میں چاہتی ہو تم اس کے آنے سے پہلے یہاں سے چلی جاؤ۔ اپنے ابا سے بات کرنے کی اجازت تمہیں نہیں دے سکتی۔ ایسا کرنا ان کی حالت بگڑنے کا سبب بن سکتا ہے۔" اماں کی اجازت ملنے کی دیر تھی پارسا فوراً اندر کی طرف بڑھ گئی۔

☆......☆......☆

للی میک گیشا کو گود میں لیے سیب کھلا رہی تھی۔ جب زائرہ ملک کافی کے دو مگ لیے اندر داخل ہوئی تھیں۔ اسے بغور دیکھا تھا وہ جس طرح پیار سے گیشا سے باتیں کرتے ہوئے اسے سیب کھلا رہی تھی اس نے زائرہ ملک کو انائیا کی یاد دلاتی تھی۔ زائرہ ملک آگے بڑھیں تو للی ان کو دیکھ کر مسکرائی۔

"میں گیشا سے باتیں کر رہی تھی یہ سیب بہت شوق سے کھاتی ہے، لگتا ہے انائیا اسے سیب کھلاتی رہی ہیں۔" وہ قیاس کرتی ہوئی بولی تھی اور گیشا کو گود سے اتار دیا تھا۔ زائرہ نے کافی کا کپ اس کی سمت بڑھایا جسے اس نے تھام لیا۔

"انائیا گیشا کو سیب کھلاتی تھیں اور تمہیں یہ بات کیسے پتا چلی، مجھے اس پر حیرت ہے" للی میک نے لمحہ بھر

چپ ہو کر لب بھینچے۔

”خیر! مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے!“ زائرہ نے بات کو آگے بڑھایا۔

”کیسی ضروری بات؟“ للی میک چونکی، زائرہ ملک اس کے سامنے بیٹھ گئیں اور کچھ دیر خاموش رہ کر جیسے اسے بتانے کے لیے مناسب الفاظ ڈھونڈے تھے اور بولیں۔

”تمہارے لیے ایک خبر ہے، جہانگیر ملک سے متعلق“

”جہانگیر ملک سے متعلق کیا خبر؟“ للی سیدھی ہو کر بیٹھی۔

”وہ واپس آگیا ہے“

”اوہ!“ للی نے ہونٹ سکوڑے۔

”کہاں ہیں وہ؟“

”ہاسپٹل میں وہ کومے میں ہیں، ان کی حالت ٹھیک نہیں، جب میں ان سے ملنے گئی بس آنکھیں کھول کر انہوں نے میری طرف دیکھا۔ ان کی حالت بگڑنے لگی تھی۔ اس کے بعد انہیں ہوش نہیں آیا، ڈاکٹر نے بتایا وہ کوما میں چلے گئے ہیں اور ہوش میں واپس کب آتے ہیں اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا مگر ان کا دماغ جاگ رہا ہے تم اگر ان سے ملنے جاؤ گی اور بات چیت کرو گی تو تمہیں سن سکتے ہیں، مگر آنکھیں کھول کر تمہیں نہیں دیکھ سکتے نہ جواب دے سکتے ہیں۔“ زائرہ ملک نے تفصیل بتائی۔

”اوہ! ان کی یہ حالت کیسے ہوئی... تھے کہاں وہ، کب واپس آئے؟“ للی نے پوچھا۔

”میں نہیں جانتی وہ کب واپس آئے، مگر رئیس لاکھانی ہم دونوں کے مشترکہ دوست ہیں انہوں نے انائیا کو اس کی مہندی کی تقریب والے دن اطلاع دی تھی۔ وہ دانستہ مجھے نہیں بتانا چاہتے تھے، جہانگیر ملک جرمنی میں تھے شاید کچھ دن پہلے ہی یہاں آئے ہوں گے۔ حالت بگڑ گئی تو رئیس لاکھانی نے انہیں ہاسپٹل پہنچایا، وہ اب ایسی حالت میں ہماری طرف واپس کیوں لوٹے ہیں، میں یہ نہیں جانتی مگر میں انائیا کو ان کے متعلق بتانا نہیں چاہتی تھی اور سب سے پہلے اسے ہی اس واقعے کی خبر ہوئی۔“ ان کا لہجہ مدھم تھا للی نے انہیں بغور دیکھا۔

”آپ کیوں نہیں چاہتی تھیں کی اس کی خبر انائیا کو ہو؟“

”میں اس کو ڈسٹرب کرنا نہیں چاہتی تھی وہ نئی زندگی میں قدم رکھ رہی تھی اور میں نہیں چاہتی تھی ایسی کوئی بھی بات اس کی زندگی کو ڈسٹرب کرے“ زائرہ ملک نے کہا۔

”میں سمجھ سکتی ہوں۔“ للی کافی کے گھونٹ لینے لگی۔ کچھ دیر تک ان کے درمیان خاموشی چھائی رہی۔

”کیا سوچ رہی ہو تم؟“ زائرہ ملک نے اس چھوٹی لڑکی کو دیکھا تھا جس کی نیلی آنکھیں اس لمحے یقیناً کچھ سوچ رہی تھیں۔

”شاید میری تلاش ختم ہوئی! میں جس مقصد کے تحت اس مقام پر آئی تھی آج اس کا اختتام ہوا مگر میں جہانگیر ملک کی آنکھوں میں نہیں دیکھ پاؤں گی۔ مجھے اس کا ملال رہے گا میں بہت سے سوالوں کے جواب چاہتی تھی۔ ان کی آنکھوں کو دیکھنا چاہتی تھی، وہ ایک جو بے کلی تھی ان کے اندر جس نے انہیں بھاگتے رہنے پر مجبور کیا میں اس کا سراغ چاہتی تھی مگر اب یہ ممکن نہیں ہوگا۔“ وہ مایوس ہوئی۔

”سوال ہم سب کے پاس تھے للی! مگر شاید جہانگیر ملک میں ہمت ناپید ہے، وہ کسی سوال کا کوئی جواب نہیں رکھتے یا پھر جواب دینا نہیں چاہتے۔ تبھی ایک درمیانی چپ کا راستہ چن لیا! ان کا دماغ تو جاگتا ہے مگر آنکھیں گہری نیند سو رہی ہیں اور یہ نیند کب ٹوٹے گی ٹوٹے گی بھی یا نہیں اس بارے میں کوئی نہیں جانتا؟“ زائرہ ملک کے لہجے میں ایک تھکن کا احساس تھا۔

”آپ کب ملنے گئی تھیں ان سے؟“ للی نے پوچھا تھا۔

”کل انائیا آئی تھی، تم گھر پر نہیں تھیں اگر ہوتیں تو تمہیں بھی ساتھ لے چلتے“ زائرہ ملک نے کہا۔

”آپ نے انائیا ملک کو میرے بارے میں بتایا؟“ للی نے پوچھا۔

”نہیں! ابھی نہیں... مجھے سمجھ نہیں آیا کیسے بتاؤں؟ انائیا پہلے ہی بہت الجھی ہوئی ہے۔ جن حالات میں اس کی شادی ہوئی اور پھر یہ سب ہوا وہ ان سب سے نکل نہیں پا رہی۔ میں سب باتوں کا بوجھ اس کے اوپر لاد دینا مناسب خیال نہیں کرتی، اسے بعد میں کبھی بتاؤں گی مگر سہولت سے... فی الحال وہ جہانگیر ملک کے سبب بہت الجھی ہوئی ہے۔ زندگی بھر اس نے انہیں دیکھا نہیں اور آج اگر دیکھا بھی تو اس حالت میں“ زائرہ ملک نے کافی کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

للی نے سر ہلا دیا تھا۔

”ہم سب ایک انجانی ڈور سے ناچاہتے ہوئے بھی بندھے ہوئے ہیں، جس کا کوئی سرا نہیں ملتا یا پھر ملتا بھی ہے، ہم ایک دوسرے سے جڑے بھی ہیں اور نہیں بھی...... یہ وقت کیوں پیش آیا اس کی تو خبر نہیں لیکن اگر یہ حقیقت ہے تو ہم اس سے کٹ کر نہیں رہ سکتے۔ ہم سب کو جہانگیر ملک نے باندھ رکھا ہے اور اس کے باوجود ہم بکھرے بکھرے سے ہیں اور الجھے الجھے بھی بہر حال میں ان سے ملنا چاہوں گی۔ آپ مجھے ہاسپٹل لے جائیں گی یا میں خود چلی جاؤں؟“ للی نے پوچھا تو زائرہ ملک نے سر ہلا دیا۔

”ٹھیک ہے میں تمہیں لے جاؤں گی۔“ زائرہ ملک نے للی کو دیکھا تھا جو اس لمحے کافی کے کپ کو چپ چاپ دیکھ رہی تھی۔ زائرہ ملک کو اس پر پیار آیا۔

”ادھر آؤ، میرے پاس بیٹھو“ للی اٹھ کر اس کے پاس آن بیٹھی زائرہ نے اس کے گرد بازو پھیلا کر پیار سے اسے ساتھ لگایا۔

”فکر مت کرو زیادہ مت سوچو، سوچنے سے کوئی حل نہیں نکلتا مگر ذہن الجھتا جاتا ہے“ بہت دھیمے لہجے میں کہتے ہوئے اس کی پیشانی پر پیار کیا پھر اس کی طرف بغور دیکھا جو ان سے نگاہ نہیں ملا رہی تھی۔

”تم ٹھیک ہو نا!“ زائرہ ملک نے پوچھا۔

للی میک نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

☆......☆......☆

پارسا چوہدری شیشے کے اس پار سے اس بے حس و حرکت وجود کو آنسوؤں سے تر چہرے سے چپ چاپ دیکھ رہی تھی۔ جب عدن بیگ نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ پارسا نے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا نہ اس کی سمت نگاہ کی تھی۔

”تمہیں اندر جا کر انہیں دیکھ لینا چاہیے، مگر فی الحال ان سے کوئی بات کرنا مناسب نہیں ہوگا“ عدن بیگ نے مشورہ دیا تو پارسا چوہدری کچھ لمحے یوں ہی چپ چاپ کھڑی رہی پھر دروازہ کھول کر اندر چلی گئی۔

”سنو!“ عدن بیگ نے پیچھے سے پکارا، پارسا چوہدری نے کوئی توجہ فی الحال نہیں دی اور اندر بڑھ گئی۔

اتنے قریب سے وہ انہیں جیسے پہلی بار دیکھ رہی تھی دو قدم کا وہ فاصلہ اسے بہت زیادہ محسوس ہو رہا تھا۔ اسے لگا تھا وہ اب بھی میلوں کی دوری پر کھڑی ہو مگر وہ کوئی آہٹ اپنے قدموں سے کرنا نہیں چاہتی تھی کہ ان کو ڈسٹرب کرے۔ وہ دواؤں کے زیر اثر تھے۔ وہ وہیں رکی انہیں تادیر تکتی رہی تھی۔ آنسو آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔

کہاں سے چلی تھی وہ
کہاں تک کا سفر کیا تھا
وہ اپنے قدموں کے نشان جیسے آپ بھول گئی تھی۔

کل وہ ابا کے قدموں پر قدم رکھ کر چلتی تھی اور آج خود اپنے قدموں کے نشان اسے یاد نہیں تھے۔

وہ ان ہاتھوں کو چھونا چاہتی تھی، ان ہاتھوں کے لمس کو، اس شفقت کو اسی طور پر محسوس کرنا چاہتی تھی مگر قدموں میں جیسے ہمت نہیں تھی، نگاہ اسی لمحے سامنے اٹھی تھی جہاں عدن بیگ کھڑا اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔

اس نے شیشے کے اس پار سے اس کی ہمت بڑھائی اور اسے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ شاید یہی وہ ایک لمحہ تھا جو اس کی ہمتوں کو بڑھا گیا تھا۔ وہ آگے بڑھی اور ان کے کچھ اور قریب آن رکی۔ بہت آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر ان کے ہاتھ کو چھوا، اس حرارت سے پُرلمس کو محسوس کرنا چاہا۔ وہ انگلیاں، وہ پوروں کی نرمی حرارت جو کسی ایک دن اس کے ہاتھ پر تھی وہ۔ جس ہاتھ کو تھام کر چلتی تھی تو مسکراہٹ لبوں سے نہیں ہٹتی تھی۔

آج وہ ان سے کوسوں دور تھی۔

”ابا! مجھے معاف کر دو“ اس نے وہ ہاتھ لبوں سے لگا کر بہت آہستگی سے کہا۔ آواز بہ مشکل حلق سے برآمد ہوئی تھی۔ وہ انتہائی کم ہمت ہو رہی تھی۔ سر چکرایا اور سے کچھ یاد نہیں رہا۔ اس سے پہلے کہ وہ زمین پر آتی عدن بیگ نے فوراً اندر کی جانب دوڑ لگا کر اسے بازوؤں میں تھام لیا۔

اگلے لمحے پارسا چوہدری نیم جان سی اس کے بازوؤں میں ہوش و خرد سے بیگانہ... ناتواں اور کمزور! عدن بیگ نے اس کا چہرہ تھپتھپایا مگر اس کے بے حس و حرکت وجود میں حرکت نہیں ہوئی تھی اور اس سے اگلے لمحے عدن بیگ اسے لے کر باہر نکل آیا۔

☆......☆......☆

وہ شاور لے کر باہر نکلی تو سارے وجود میں ایک تکلیف کا احساس ہوا۔ معارج تغلق اپنے لیپ ٹاپ پر کوئی ضروری فائل دیکھ رہا تھا۔ دن بہت تھکا دینے والا تھا اور اس پر شادی کے بعد کی یہ دعوتیں۔ وہ ہاسپٹل جانے کے لیے بھی وقت نہیں نکال پا رہی تھی۔ نہ ہی اتنی فرصت ملی تھی کہ ممی کو فون کرتی اور جہانگیر ملک کے متعلق پوچھتی۔ معارج تغلق نے ایک پل کو بھی اسے تنہا نہیں چھوڑا تھا۔ جانے کیا خوف لاحق تھا اسے کہ وہ اسے چھوڑ دے گی یا بھاگ جائے گی۔ اسے اپنے معاملے میں وہ جیسے کوئی خوفزدہ بچہ لگتا تھا یا بہت عیار اور چالاک محتاط آدمی جو کسی کو بس اپنے فائدے کے لیے اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہو۔

وہ بال تولیے کی قید سے آزاد کر کے بیڈ کے قریب آئی۔ ایک تکیہ اٹھانا چاہا تھا جب اس کا ہاتھ معارج تغلق کی گرفت میں آ گیا۔

انائیا ملک نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ اسے کب خبر ہوئی تھی کہ وہ تکیہ اٹھانے اس کی طرف آئی ہے...؟ اس کے معاملے میں معارج تغلق کی آنکھیں چاروں طرف گھومتی تھیں۔

دونوں کی نگاہیں لمحہ بھر کو ملی تھیں۔ ان آنکھوں میں وہی ہٹ دھرمی اور سرد مہری تھی وہی خودسری تھی۔

اسے ہرانے کی وہی لگن اور وہی ہزار ہا جتن!!

وہ الجھنا نہیں چاہتی تھی تبھی نرمی سے بولی

”مجھے سونا ہے“ گویا وہ مصالحت پر آمادہ تھی۔

”سونا ہے تو پورا بیڈ پڑا ہے، منع کس نے کیا ہے؟ مجھے یہ ڈرامے بازی بالکل پسند نہیں، تکیہ اٹھا کر کاؤچ پر سونے کی، جس رشتے میں ہم بندھے ہیں اس میں یہ ڈرامے بازی قابل قبول نہیں ہو سکتی“ اس نے اس کے ہاتھ کو جھٹکا دیا۔

انائیا ملک حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

”یہ کیا بدتمیزی ہے؟“ وہ کمزور پڑنا نہیں چاہتی تھی۔

”انائیا ملک تمہیں اپنے ساتھ باندھنے سے مجھے دنیا کا کوئی قانون باز نہیں رکھ سکتا، شادی سے لے کر اب تک کافی ڈرامے بازی تم کر چکی ہو، اب اس کا خاتمہ ہو جانا چاہیے۔ مجھے یہ بات ہرگز قبول نہیں ہوگی کہ تم ایک ہی کمرے میں رہتے ہوئے یہ فلمی کہانیوں والی ڈرامے بازی کرو۔ اگر تم میری بیوی ہو تو میں سارے حق محفوظ رکھتا ہوں۔ سو اس بات کو بھول جاؤ کہ میں تمہیں اس طرح فضول اقدامات چپ چاپ کرنے دوں گا اور تم من مانیاں کرتی جاؤ گی“ اس نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

”تم مجھے اس طرح مجبور نہیں کر سکتے میں کسی زبردستی کو قبول نہیں کروں گی“ وہ دبنا نہیں چاہتی تھی۔

وہ لیپ ٹاپ بند کر کے پوری توجہ سے اس کی جانب متوجہ ہوا۔

”تمہیں تو ابھی نظر بھر کے دیکھا بھی نہیں میں نے اور تم اتنی حد بندیاں لگا رہی ہو؟ ہم دونوں کے رشتے میں یہ رواداریاں کیونکر آ رہی ہیں؟ ہاں!“ ان نظروں میں گہری تپش تھی۔ انائیا ملک دم سادھے اسے دیکھ رہی تھی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

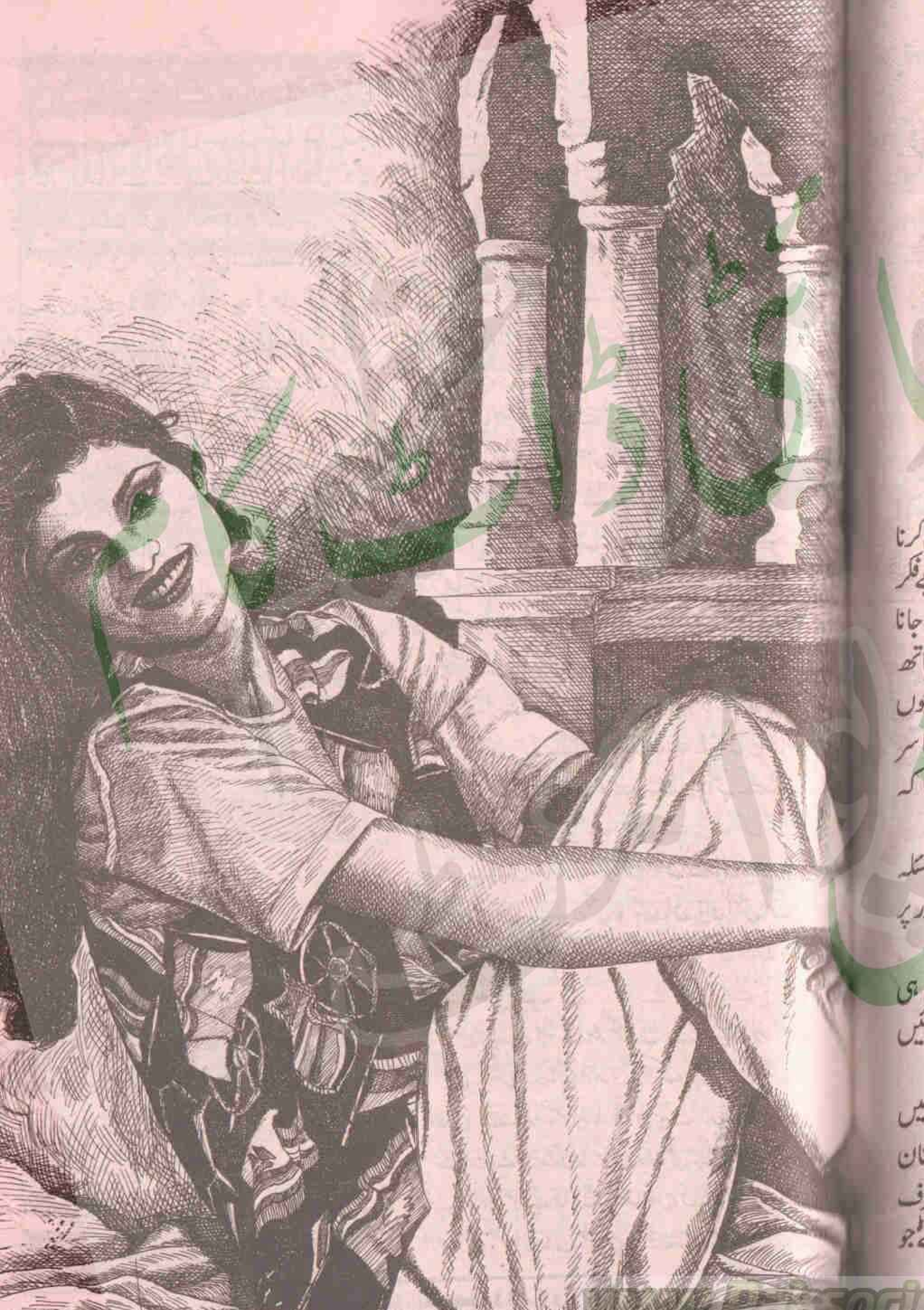

ایک لمحہ آگہی کا

صبا جاوید

قریۂ جاں سے جاتے جاتے درد پرانا ٹھہر گیا ہے
یوں لگتا ہے اس موسم میں جی کا جانا ٹھہر گیا ہے
ممکن ہو تو شام کو اک دن ملنے کی تقریب کرو تم
کچھ دن کو اس شہر میں اپنا آب و دانہ ٹھہر گیا ہے

”روحیل آج کی پارٹی اتنی شان دار ہونی چاہیے کہ تہلکہ مچ جائے۔ مجھے ہر چیز پرفیکٹ اور اِن ٹائم چاہیے۔“ سامعہ احمد فون کال ڈراپ کرکے لیپ ٹاپ پر مصروف روحیل احمد سے مخاطب ہوئیں۔ چند ثانیے کے لیے انہوں نے نگاہیں لیپ ٹاپ کی اسکرین سے ہٹا کر سامعہ احمد کے صبیح چہرے کی طرف دیکھا اور ایک مسکراہٹ سے نواز کر دوبارہ کام میں مصروف ہوگئے۔

روحیل! میں آپ سے بات کر رہی ہوں۔“

انہیں متوجہ نہ پا کر وہ چلا اٹھیں۔

وہ ایسی ہی تھیں خود پسندی کی انتہا کو چھوتی ہوئی، مادیت پرستی کے خمیر سے گندھی ہوئی۔ دنیاوی نمود و نمائش میں، خود کو آسمان کی بلندیوں پر رکھنا ان کی اولین خواہش تھی جو اکثر اوقات پایۂ تکمیل کو پہنچ ہی جاتی۔ گھر میں پیسے کی ریل پیل تھی۔ دولت کا بے جا اور بے وقت استعمال سامعہ احمد خوب جانتی تھیں۔ ہر گزرتا لمحہ ان کی امارت میں اضافے کا سبب بن رہا تھا اور اس امارت کو برقرار رکھنے اور پروان چڑھانے کے لیے روحیل احمد کیا کیا جتن کرنا پڑتے ہیں۔ وہ اس بات سے قطعاً لاتعلق اور بے فکر تھیں۔ اپنی منوانا، اپنی کہنا اور بس اپنی ہی کہے جانا ان کا اصول تھا۔ ان کی اس خودسری میں زیادہ ہاتھ خود روحیل احمد کا ہی تھا جو ان کی ہر بات بلا چوں و چراں کسی حرفِ آخر کی طرح مان لیتے۔ ان کا سر اس جی حضوری پر اور بلند ہو جاتا فخر کی وجہ سے نا کہ مان کے سبب......

”یہ لو...... بند کر دیا کام۔ اب بتاؤ کیا مسئلہ ہے؟“ روحیل نے واقعی کام بند کر دیا اور مکمل طور پر ان کی طرف گھوم گئے۔

”یعنی آپ نے ٹھیک سے میری بات سنی ہی نہیں......؟“ حیرت و استعجاب سے وہ گنگ رہ گئیں اور مزید برہمی کا اظہار کرنے لگی۔

”تم آج شام کی پارٹی کی بات کر رہی تھیں میں نے سنا۔ سب انتظامات ہو جائیں گے۔ تم پریشان نہ ہو اور بتاؤ۔“ انہیں شانوں سے اپنی طرف موڑتے ہوئے روحیل احمد دھیمے لہجے میں بولے جو

رخ موڑے قدرے ناراض تھیں۔

"روحیل! تم کتنے اچھے ہو۔ اوکے تو پھر میں شاپنگ کے لیے نکلتی ہوں۔ پارٹی میں ملتے ہیں۔ اپنا خیال رکھنا بائے۔" بیگ کندھے پر لٹکاتی وہ تیز تیز قدموں سے داخلی دروازہ عبور کرگئیں۔

سفید ساڑھی جس پر کرسٹل کے نگ جڑے تھے، زیب تن کیے سامعہ احمد غضب ڈھا رہی تھیں۔ صراحی دار گردن میں موتیوں کی مالا سجی تھی۔ حاضرینِ محفل کی ستائشی نگاہیں خود پر مرکوز پا کر وہ کچھ اور مغرور نظر آنے لگیں۔

ستونوں اور سیڑھیوں کی ریلنگ سفید اور سبز رنگ کے امتزاج والے مصنوعی پھولوں سے سجائی گئی تھیں۔ استقبالیہ کو بڑے بڑے قمقموں سے مزین کیا گیا تھا۔ "اسود وِلا" رنگ وبُو کی روشنی میں نہایا چاندنی بکھیر رہا تھا۔ رنگ برساتی، روشنایاں لٹاتی محفل شادی کا سا سماں پیش کررہی تھی۔ لائٹنگ، ڈیکوریشن مینو اور دیگر انتظامات کا جائزہ لیتے ہوئے سامعہ احمد خود کلامی کے سے انداز میں گویا ہوئیں۔

"ہر چیز بہت عمدگی سے بنوائی ہے روحیل نے۔" ان کی توصیفی نگاہیں ہر سو جائزہ لے رہی تھیں۔

......☆☆☆......

"آج تو میں بہت تھک گئی ہوں۔" کریم کا مساج چہرے پر کرتے ہوئے سامعہ احمد نے کہا۔ پارٹی تقریباً نصف شب کو اختتام پزیر ہوئی۔ حاضرینِ محفل نے سامعہ احمد کے انتظامات کو بہت سراہا۔ وہ بہت خوش تھیں۔

"سامعہ! تمہیں معلوم ہے اس پارٹی پر کتنے اخراجات آئے ہیں؟" سامعہ احمد کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے روحیل احمد نے اگلی بات کی۔

"جتنے بھی آئے ہوں، مجھے اس کی پروا نہیں۔" انہوں نے بے پروائی سے کندھے جھٹکے۔

"سامعہ میرے خیال میں اتنی فضول خرچی ٹھیک نہیں۔ آج کے دور میں پیسہ کمانا بہت مشکل ہے اور یہ بلاوجہ کی پارٹی بھلا کیا تک بنتی تھی؟ محض اپنی دھاک بٹھانے کے لیے اتنا خرچ کر دیا، ساڑھے چار لاکھ کا خرچ ایک ہی جھٹکے میں کرڈالا یہ سب ٹھیک نہیں ہے۔" روحیل کا انداز متفکرانہ تھا۔

"تو کیا ہوا؟ آج سے پہلے تو تمہیں کبھی اتنی فکر نہیں ہوئی اور کہاں فضول خرچ کرتی ہوں میں؟ سوسائٹی میں ہمارا نام ہے اور اس کے لیے ایسی پارٹیز تو بہت ضروری ہیں۔ تمہارا سائیڈ بزنس ہے جو اچھا خاصا چل رہا ہے۔ آفس سے بھی اچھی خاصی آمدنی ہو جاتی ہے پھر مسئلہ کیا ہے؟" وہ تنک کر بولیں۔ "اور ہاں، اب مجھے دیانت داری کا سبق پڑھانے مت بیٹھ جانا۔ صرف تمہارا شعبہ ہی بدعنوان نہیں ہے۔ ہر شعبہ ہائے زندگی میں بدعنوانی ہو رہی ہے اور لوگ اسے اپنا حق سمجھ کر وصول کرتے ہیں۔ دیانت داری سے پیٹ نہیں بھرا جاسکتا یہ باتیں کتابوں میں ہی اچھی لگتی ہیں۔ اب مجھے نیند آرہی ہے۔ جو بھی باتیں باقی ہیں انہیں صبح تک کے لیے ملتوی کردو۔ میں سونا چاہتی ہوں۔ اوکے، گڈ نائٹ۔"

انہوں نے لائٹ بند کردی اور بیڈ پر دراز ہو گئیں۔ لیکن روحیل احمد ابھی تک کسی سوچ میں غلطاں تھے۔ روحیل احمد کا سائیڈ بزنس انویسٹ منٹ ٹرسٹ یونٹ تھا، جس میں غریبوں کو امدادی قرضے فراہم کیے جاتے تھے۔ ظاہری طور پر امدادی ادارہ تھا مگر اندرونی طور پر رشوت ستانی اور سود کا بازار سرگرم رہتا۔ ضرورت مند افراد اپنی ضرورت کے مطابق قرضے کی رقم لے جاتے اور جب تک مقررہ رقم لوٹاتے نہیں، تب تک ماہانہ سود ادا کرتے رہتے۔ اس کے علاوہ سیلز اور پروموشن کمپنی میں چیف ایگزیکٹیو کے عہدے پر فائز تھے لیکن دولت کے حصول کی جنگ میں روحیل احمد بھی بدعنوانی کے مرتکب ٹھہرے۔

زندگی آسائشات اور تعیشات سے بھرپور ہونے کے باوجود ذہنی آسودگی اور دلی سکون میسر نہ تھا۔ اضطراب، بے چینی ان کے اندر پنجے گاڑے بیٹھی تھی۔ ان کی شریکِ سفر کو آگے سے آگے بڑھنے اور خوب سے خوب تر پانے کی جستجو تھی۔ وہ اپنی آسودہ زندگی کے بھنور میں اس قدر ڈوب گئیں کہ کسی دوسری سمت دیکھنے کی فرصت ہی نہ ملتی تھی۔ ان کے ہم سفر کی حیثیت سامعہ احمد کے نزدیک ایک آٹو میٹڈ ٹیلر مشین کی طرح تھی، جس کا بوقتِ ضرورت پن کوڈ ڈائل کیا اور پیسے نکلوا لیے۔

روحیل احمد نے ایک مضمحل سی نگاہ پہلو میں دراز وجود پر ڈالی اور اذیت سے آنکھیں موند کر زبردستی سونے کی کوشش کرنے لگے۔

"کیا ہمارے رشتے میں پیسے کے علاوہ اور کسی چیز کی گنجائش نہیں...... کیا ہمارا رشتہ چند کاغذ کے ٹکڑوں کا محتاج ہے؟ بتاؤ سامعہ......؟" ان کے دل کی آواز آہ بن کر سوال کررہی تھی لیکن ماحول پر طاری ہیبت ناک سناٹے میں ہی دم توڑ گئی۔

......☆☆☆......

"یہ کیا ہے؟ تم یہاں لان میں کیا کررہے ہو؟ اور یہ ہاتھ مٹی میں کیوں اَٹے ہوئے ہیں......؟" سامعہ احمد نے اچھا خاصا ڈانٹ کر اسود سے پوچھا اور پھر کہا۔

”اسود! فوری اندر جاؤ اور ہاتھ دھوؤ۔“

”مما! میں تو پودے لگا رہا ہوں۔“ اسود نے معصومیت سے توجیہہ پیش کی۔

”چلو اندر جو میں نے کہا ہے‘ اس پر عمل کرو۔“ اسے بازو سے کھینچ کر وہ اندر کی طرف بڑھ گئیں۔ اسود احمد پھولوں کی کیاری میں مالی کے بیٹے کے ساتھ کھیل میں منہمک تھا۔ ہائی کلاس کی خاتون یہ حرکتیں اور ملازموں سے دوستی کیسے برداشت کرسکتی تھیں۔ سو فوراً آدھمکیں اور اب اسود احمد پر چلّا رہی تھیں۔

”کیا ہوا سامعہ؟ کیوں اسود کو ڈانٹ رہی ہو؟“

”دیکھا آپ نے‘ کیا حال بنا رکھا ہے اس نے اپنا......؟ آپ کو معلوم ہے مالی کے بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ کیسی باتیں سکھاتے ہوں گے وہ معصوم بچے کو۔ نفرت ہے مجھے ان جیسے غریب لوگوں سے۔“ سامعہ احمد نے نخوت سے ناک چڑھائی۔

”مما کیا غریب لوگ انسان نہیں ہوتے؟“ اسود احمد ہاتھ دھو کر آچکا تھا اور شاید ماں کی گفتگو بھی سن کر چکا تھا۔ اچانک آکر جو اسود احمد نے سوال کیا تو سامعہ احمد لاجواب ہوکر رہ گئیں۔ سوال اس قدر غیر متوقع تھا کہ وہ سٹپٹا گئی تھیں۔

”کیوں نہیں۔ وہ بھی انسان ہوتے ہیں اور بہت اچھے‘ نیک انسان ہوتے ہیں۔“ اسود احمد کے گال پر بوسہ دیتے ہوئے روحیل احمد نے اسے گود میں بٹھالیا اور بات سنبھالی۔

”پاپا! یہ سود کیا ہوتا ہے؟“ اسود نے معصومیت سے استفسار کیا۔

چند لمحے خاموشی کی نذر ہوگئے۔ روحیل احمد دل میں نجانے کیوں گھبراہٹ سی محسوس کر رہے تھے جب کہ سامعہ پہلو بدل کر رہ گئیں۔

”پاپا بتائیں نا! کیا میں نے کوئی مشکل بات کی ہے......؟“ اسود احمد نے بصد اصرار کہا۔

”اسود بیٹا! اگر ہم کسی کو پیسے قرض کے طور پر دیں اور اصل رقم کے علاوہ کچھ زائد رقم بھی وصول کریں تو یہ زائد رقم سود کہلاتی ہے۔“ انہوں نے آسان لفظوں میں اسے سمجھانا چاہا۔

”پاپا زوہیب (مالی کا بیٹا) کہہ رہا تھا کہ سود اسلام میں حرام ہے۔“

”ہاں بیٹا! وہ بالکل ٹھیک کہہ رہا تھا۔“ انہوں نے گویا تصدیق کی

”اور پاپا! وہ یہ بھی کہہ رہا تھا کہ آپ سود کا کاروبار کرتے ہیں لیکن پاپا سود تو بری چیز ہے‘ اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں۔“ وہ بڑے بھولے پن سے روحیل احمد سے پوچھ رہا تھا اور روحیل احمد کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ بیٹے کو کیسے مطمئن کریں۔ سامعہ احمد بھی خاموش تھیں وہ تو گویا والدین کا امتحان لینے کے درپے تھا۔

”اٹھو اسود! فضول کی باتیں بند کرو۔ اپنے کمرے میں جاؤ اور جا کر ہوم ورک کرو۔“ سامعہ احمد نے درشتی سے اسے ڈانٹ کر بھگا دیا۔ اس کی گفتگو نے سامعہ احمد کے صبر کا پیمانہ لبریز کردیا تھا۔ چنانچہ وہ بے ساختہ بول اٹھیں۔

”سنی آپ نے اسود کی باتیں؟ یہ لوگ ہمارا ہی کھاتے ہیں اور ہماری ہی جڑیں کاٹنے کے درپے ہیں۔ سمجھتے کیا ہیں اپنے آپ کو؟ میں تو آج ہی گل بابا (مالی) کا حساب چکتا کرتی ہوں۔ نجانے اور کیا کیا اول فول باتیں کی ہوں گی میرے معصوم بیٹے سے۔ ان لوگوں کو ذرا اہمیت کیا دے دو‘ اپنی اوقات بھولنے لگتے ہیں۔“ انہوں نے تنفر سے سر جھٹکا۔ سامعہ احمد کا غصہ ساتویں آسمان کو چھو رہا تھا۔

”سامعہ! اس میں کچھ غلط بھی تو نہیں‘ جو کچھ ہماری سوسائٹی اسود کو سکھا رہی ہے‘ اسے اس سب کی ضرورت نہیں۔ دوسروں کو حقیر سمجھنا‘ خود کو بلند ثابت کرنا یہ سب کیا ہے......؟ یہ اس کی تربیت نہیں۔ کچھ باتیں ضروری ہوتی ہیں‘ جن کا تعلق روح کی پاکیزگی اور کردار کی پختگی سے ہوتا ہے۔ رواداری‘ پاسداری‘ محبت‘ مان‘ خلوص‘ اعتبار‘ مروت‘ لحاظ اور ادب‘ یہ چیزیں امارت سے کہیں زیادہ ضروری ہوتی ہیں۔ اور یہ اصول اسے زندگی میں کہیں جھکنے نہیں دیں گے۔“ ان کا انداز معنی خیز پر سوچ مگر دھیما تھا۔

”تو کیا مطلب ہے آپ کا‘ ہم غلط ہیں؟ ایک بچے کے لیے‘ اپنی اولاد کے لیے دنیا کا ہر ماں باپ خوشی خریدنا چاہتا ہے۔ اس کی خواہشات کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا چاہتا ہے اگر ہم اس قابل ہیں تو اس میں پرابلم کیا ہے۔ یہ سب کچھ اسود کی آئندہ زندگی کے لیے ہی تو ہے تاکہ مستقبل میں اپنے قدم جمانے کے لیے اسے زیادہ محنت نہ کرنی پڑے۔“

ان کی بات سن کر سامعہ کو گویا پتنگے لگ گئے تھے۔

”اوہو پلیز ہمیشہ مجھے محبت‘ رواداری اور جو کچھ بھی ہے ان سب کا لیکچر مت دیا کریں۔ یہ الفاظ صرف کتابوں میں ہی اچھے لگتے ہیں۔ حقیقی زندگی میں ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ دولت ایسا پتا ہے جس سے ہر جنگ جیتی جاسکتی ہے۔ دنیا کی ہر چیز خریدی جاسکتی ہے۔“

روحیل احمد تو پہلے ہی مضمحل اور بے چین تھے۔ آفس میں آڈٹ ہو رہا تھا۔ ان کے نام لاکھوں روپے کا غبن کھلنے کا خدشہ تھا‘ جو انہوں نے پچھلے چند برسوں سے کیا تھا۔ وہ مزید بحث کے موڈ میں نہیں تھے۔ سامعہ احمد بھی مزید کسی جواب کا انتظار کیے بغیر کھٹ کھٹ کرتی اوپری منزل کو جاتی سیڑھیاں چڑھ گئیں۔

......☆☆☆

درد کی شدت سے سر پھٹا جا رہا تھا۔ آفس میں جو بے عزتی کے طعنے سننے کو ملے تھے۔ ان طعنوں نے روحیل احمد جیسے مضبوط انسان کے اعصاب کو بھی جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا۔ برسوں میں کمائی گئی عزت لمحوں میں خاکستر ہوگئی۔ کنپٹیاں مسلتے ہوئے اضطراب کے عالم میں وہ لاؤنج میں ہی صوفے پر ٹک گئے۔ ان کے نام لاکھوں روپے کا غبن نکلا تھا۔ روحیل احمد کو نا صرف جاب سے فارغ کردیا تھا بلکہ سولہ دن کے اندر کمپنی کی مقررہ رقم جمع کروانے کا آرڈر بھی جاری کردیا گیا۔ وہ جتنا اس واقعے کے متعلق سوچتے‘ اتنا ہی اذیت کا احساس دُوچند ہوجاتا۔

اتنے میں سامعہ احمد بھی چلی آئیں۔ ان کا چہرہ بے جان اور آواز پژمردہ تھی۔ پانی کی ہانک لگا کر وہ وہیں فلور کشن پر بیٹھ گئیں‘ جہاں اسود احمد بڑے زور و شور سے نجانے کیا پڑھنے میں مصروف تھا۔ اگر کوئی اور وقت ہوتا تو وہ یقیناً اسے یہ کہہ کر جھاڑ پلا دیتیں۔

”اسود تمہیں پتہ ہے۔ مجھے رٹے بازی سے نفرت ہے۔ کتنی بار کہا کہ ہر چیز کو سمجھ کر پڑھا کرو۔“ مگر آج حالات مختلف تھے۔ ان کی پیشانی شکن آلود تھی اور سوچیں منتشر...... آج پارٹی میں جو ان کے ساتھ ہوا‘ اس سے سامعہ احمد کے چودہ طبق روشن ہوگئے تھے۔ مسز کمال کے سترہ سالہ بیٹے نے انہیں پرپوز کردیا‘ یہ جانتے ہوئے کہ وہ اس کے پاپا کے دوست کی بیوی ہیں۔ اس کی ماں کی جگہ ہیں بلاشبہ سامعہ احمد حسین تھیں۔ وہ انتیس کے لگ بھگ

تھیں مگر اپنی عمر سے کم ہی دکھائی دیتی تھیں لیکن پھر بھی ہر رشتے کی ایک حد ہوتی ہے اور اتنی گھٹیا سوچ...... ان کے قدم وہیں زمین میں گڑ گئے۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس بدتمیز لڑکے کی طرف دیکھ رہی تھیں جو بے باک الفاظ میں ان کی خوب صورتی پر تبصرہ کررہا تھا۔

''یہ ہماری سوسائٹی اور یہ تربیت ہے ہمارے معاشرے کی۔'' ایک لمحے میں یہ سوچ ان کے دماغ میں کوندی۔

''جو کچھ ہماری سوسائٹی اسود کو سکھا رہی ہے۔ اسے ان سب کی ضرورت نہیں ہے۔'' روحیل احمد کی چند دن قبل ہونے والی گفتگو ان کے کانوں میں گونجی۔ ان کی نگاہیں بے ساختہ ہی اسود احمد کی جانب اٹھ گئیں۔

''اگر اسود نے عالمِ شباب میں کوئی ایسی حرکت کی تو...... نہیں، نہیں...... ایسا کیسے ہوسکتا ہے۔'' یہ سوچ کر ہی انہیں پھر جھرجھری سی آنے لگی۔

کہنے کو تین نفوس لاؤنج میں موجود تھے مگر زندگی کا احساس اسود احمد کی تتلاتی زبان سے ادا ہونے والے الفاظ سے ہورہا تھا۔ وہ بہت ذہین بچہ تھا اور ہر بات بہت جلدی سیکھ رہا تھا۔ روحیل احمد تو اکثر اس کی ذہانت کے معترف دکھائی دیتے تھے مگر کبھی کبھی اس کے مدبّرانہ سوالات انہیں زچ کر اتے۔

''جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن قبروں سے اس طرح اٹھیں گے جیسے انہیں شیطان کے مس نے مخبوط الحواس بنادیا ہو۔''

الفاظ تھے یا ایٹم بم......! دل و دماغ کو چیرتے ہوئے رگ و پے میں سرایت کرتے ہوئے الفاظ۔ روح کو جھنجھوڑتے' سماعتوں کو جھنجھناتے ہوئے الفاظ۔ روحیل احمد نے درد سے مندی آنکھیں پٹ سے کھول دیں۔

''رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا دونوں ہی جہنم کی آگ کا ایندھن ہیں۔'' روحیل احمد ابھی پہلی آیت کے ترجمے کے اثر سے باہر نہ نکل پائے تھے کہ اسود احمد نے ایک اور آیت کا ترجمہ پڑھ کر انہیں آئینہ دکھایا اور آگہی کا در وا کیا۔ روحیل احمد کا دل یکبارگی دھڑکا اور سانسیں تیز تیز چلنے لگیں۔ ان کا روم روم باعث خوف و ندامت کانپ رہا تھا۔ آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور ہونٹ لرز رہے تھے۔ سامعہ احمد کی حالت بھی کچھ اچھی نہ تھی۔

خدا کی پاک' بابرکت اور روشن آیات کے تراجم کے الفاظ لاؤنج میں گونج رہے تھے۔ جن کا حرف حرف صراطِ مستقیم اور ہدایت کا پیامبر تھا۔ انسانی زندگی کے ہر پہلو کی تفسیر تھا۔

''نیک بیویاں اطاعت شعار ہوتی ہیں اور شوہروں کی عدم موجودگی میں ان کے حقوق کی حفاظت کرتی ہیں۔'' سامعہ احمد نے برق رفتاری سے اسود احمد کو بازوؤں میں بھینچ لیا۔

''بس کرو اسود! بس کرو بیٹے! ہمیں ندامت کی دلدل میں مت پھینکو۔ ہمیں مزید ذلیل و شرمندہ مت کرو۔ میں نے اپنا دائرہ کار سمجھ لیا ہے۔ دنیا کی چکاچوند روشنی میں میری آنکھیں چندھیا گئیں اور یہ روشنی اتنی بڑھ گئی کہ سب کچھ اس روشنی کے پس پردہ گم ہوگیا۔ حتیٰ کہ ہر چیز دھندلا گئی اور میری آنکھیں بھی بے نور ہوگئیں۔ میں نے مادّیت پرستی اور نمود و نمائش کو مقصدِ حیات بنالیا۔ میں اس ذات کو بھول گئی جو ہر چیز پر قادر ہے۔ یاالٰہی! معاف کردے' مجھے معاف کردے۔ میں اصل راہ سے بھٹک گئی تھی اے میرے خالق مجھے معاف کردے۔''

نادم و شرمندہ تھیں اور گڑگڑا رہی تھیں جب کہ اسود احمد ہکابکا ماں کی صورت دیکھ رہا تھا۔ اس کا معصوم ذہن یہ سب سمجھنے سے قاصر تھا۔

''اسود! جو راستہ تم نے آج ہمیں دکھایا ہے' یہ سب تمہیں سکھانا ہماری ذمہ داری تھی۔ ہم نے خود کو اسلامی تعلیمات سے دور کرکے محض بے عزتی اور ذلت کا سودا کیا ہے۔ خود کو جہنم کی آگ کا ایندھن بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔'' روحیل احمد نے اسود احمد کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے گلوگیر لہجے میں کہا۔ ان کی آنکھوں سے اشک رواں تھے جب کہ روم روم ندامت و شرمندگی کی تصویر بنا تھا۔ ان کا دل خدا کے حضور گناہوں کی معافی کا خواستگار تھا۔ اسود احمد پریشان نگاہوں سے والدین کو دیکھ رہا تھا۔

''پاپا! آپ کو...... دادا اور دادی نے ڈانٹا ہے؟ اس لیے آپ رو رہے ہیں......'' اس نے معصومیت اور پریشانی کے ملے جلے تاثرات سے کہا۔

''ہاں بیٹا! بہت ڈانٹا ہے۔''

''بالکل ویسے ہی' جیسے آپ مجھے ڈانٹتے ہیں؟''

''ہاں بیٹا! بالکل ویسے ہی۔'' روحیل احمد نے محبت سے اس کے بال سنوارے۔

''لیکن آپ تو کہتے ہیں کہ ممی پاپا تو تب ڈانٹتے ہیں جب بچے غلطی کرتے ہیں......'' فوراً اگلا سوال کیا۔

''ہاں' جانے انجانے میں ہم سے بہت بڑی غلطی سرزد ہوگئی۔'' روحیل احمد نے پُرنم آنکھوں سے جواب دیا اور ایک بار پھر اسے خود سے لگالیا۔

یہ سچ ہے کہ انسان ٹھوکر کھا کر سنبھلتا ہے۔ روحیل احمد اور سامعہ احمد کو بھی ٹھوکر لگی تھی مگر اتنی شدید بھی نہ تھی کہ سنبھلنا ممکن نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو شعورِ آگہی بخشتا ہے۔ نیکی و بدی' خیر و شر' اچھے اور برے میں امتیاز کرنے کے لیے عقل کا دیا عطا کیا ہے مگر بعض اوقات طمع خام میں ڈوب کر انسان گناہوں کا مرتکب ہوجاتا ہے۔ یہ دنیا امتحان گاہ ہے۔ گناہوں کی آماج گاہ ہے۔ انسان امتحان کو تو بھول جاتا ہے لیکن گناہوں کو اپنا اوڑھنا اور بچھونا بنا کر خود کو اعلیٰ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایسے میں خدا اپنے بندوں کی واپسی کے لیے تدبیر کرتا ہے۔ انہیں آزمائش میں ڈالتا ہے اور اس آزمائش سے نکل کر انسان پتھر سے کندن بن جاتا ہے۔

روحیل احمد پر کڑی آزمائش تھی اور شاید گناہوں کی تلافی کا موجب بھی اور وہ ذاتِ باری تعالیٰ تو برحق ہے بے نیاز ہے۔ سچے دل سے گریہ وزاری کرنے والوں' معافی طلب کرنے والوں کو وہ معاف کردیتا ہے کیونکہ وہ تو قادرِ مطلق ہے وہ ہر شے پر قادر ہے۔ خدا نے سامعہ احمد اور روحیل احمد کو آگہی کا ایک لمحہ عطا کیا' جسے انہوں نے پالیا۔

رشوت اور سود جیسی لعن طعن کی ہوئی چیزوں کے پھندے میں ہمارا معاشرہ بری طرح پھنسا ہوا ہے اور دولت جیسی آزمائش سے مالا مال ہونے کے لیے گناہوں کی کھائی میں اندھادھند سفر کررہا ہے۔ ہم مسلمانوں کا قوم اور ملک کی ترقی کے لیے ایمان داری جیسے سنہری اصولوں پر کاربند ہونا ضروری ہے' تب ہی ایک مسلم معاشرہ ترقی یافتہ اور تہذیب یافتہ کہلایا جاسکتا ہے۔ مجھے تو یہی لگتا ہے آپ کا کیا خیال ہے......؟

❦

نوائے سحر

جویریہ سلیم

انتہا کوئی نہیں ہے ابتدا ہونے کے بعد
عشق کیا ہے جان لو گے مبتلا ہونے کے بعد
بس اسی امید پر پیش فنا خاموش ہیں
اک جہاں تعمیر ہوگا، سب فنا ہونے کے بعد

"میری ممی آ گئی ہیں۔" وہ اپنے معصوم لب وا کیے آنکھوں میں خوشیوں کا بے پایاں احساس لیے بول رہا تھا۔

"بے وقوف......!" راشد جو ان کے گروپ میں عمر میں سب سے بڑا تھا اور آٹھویں کلاس کا طالبِ علم تھا ہنسا۔

"میں جھوٹ تو نہیں کہہ رہا۔ میری مما اتنی پیاری ہیں، سچ!" بلال کسی طور اپنے جذبات ان پر عیاں کرنا چاہتا تھا، مگر اسے اس میں کامیابی نہیں ہو رہی تھی۔ ویسے بھی وہ عمر میں سب سے چھوٹا تھا۔ اس لیے راشد روزی اور نوید اس سے میٹھی میٹھی باتیں کر کے اس کی چیزوں پر ہاتھ صاف کر لیا کرتے۔ اسکول میں اور کسی سے اس کی جان پہچان بھی نہیں تھی۔ وہ ان تینوں سے بڑا مرعوب بھی تھا۔ وہ باتیں ہی ایسی کیا کرتے اسی لیے تو وہ آج خوشی خوشی ان کے پاس دوڑا چلا آیا تھا۔

"تم بھی عجیب بچے ہو، تمہیں تو کچھ بھی معلوم نہیں......!" راشد نے اس کے ننھے شانوں پر ہاتھ رکھ دیا تو وہ اپنی لمبی لمبی پلکیں جھپکا کر اسے دیکھنے لگا۔ "وہ تمہاری سوتیلی ماں ہے۔" راشد نے کہا۔

"سوتیلی ماں کیا ہوتی ہے؟" بالآخر اس نے سہم کر پوچھا۔

"لو بھئی؟" راشد نے تمسخر سے اسے دیکھا۔ روزی نے چیونگم کا کاغذ پھاڑ کر ہنستے ہوئے کہا۔

"کس قدر پاگل ہے۔"

بلال کو شرمندگی نے گھیر لیا تھا، مگر وہ پھر بھی ملتجی انداز میں ان سب کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"بتا دو نا!"

"بھئی سوتیلی ماں بڑی ظالم ہوتی ہے، وہ بچوں کو مارتی ہے۔ بس یوں سمجھ لو وہ جو اس دن میں نے تمہیں ایک چڑیل کی کہانی سنائی تھی نا! بالکل ویسی!"

"نہیں......!" بلال ڈر کر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اس کی ساری خوشی لمحہ بھر میں کافور ہو گئی تھی۔

"خود ہی کچھ دنوں میں پتا لگ جائے گا۔" نوید نے بے پروائی سے کہا۔ کیونکہ گھنٹی بج چکی تھی۔ وہ

آگے بڑھ گیا۔

☆....../□/......☆

"دلہن بنتے ہی ایک بچے کی ماں بن گئیں! واہ مس غزل؟؟! اپنے کالج کی بہترین طالبہ اور مقررہ......! اپنی ہی زندگی کے سب سے اہم فیصلے پر سارے دلائل دھرے رہ گئے اور اسے بالکل روایتی لڑکیوں کی طرح ماں باپ کا فیصلہ قبول کرنا پڑا۔ والدین بھی بعض اوقات کتنا مجبور کر دیتے ہیں۔ کر دی شادی ایک بچے کے باپ کے ساتھ۔ اس کی ساری امنگوں کا ستیاناس ہو گیا۔

"آپ کیا سوچ رہی ہیں؟" ایک نرم آواز نے اس کے خیالات کا تسلسل توڑ دیا۔ اس نے بے خیالی میں سر اٹھا کر اوپر کی طرف نگاہ کی تو صورتِ حال سمجھ میں آئی۔ سامنے اس کے شوہر علی نواز موجود تھے وہ بوکھلا گئی۔ "اچھے خاصے شریف آدمی تو ہیں بس اک بچے کی پخ!" اس نے ٹھنڈی سانس لی۔

"کوئی الجھن؟" انہوں نے پھر پوچھا۔

"جی نہیں تو......!" اس کا سر جھکا ہوا تھا۔

"آپ نے ہمارا پورا گھر تو نہیں دیکھا نا؟"

"ابھی کہاں......!"

"تو چلیے اب اس گھر کے در و دیوار سے بھی آپ کا تعارف کرایا جائے کیا خیال ہے......؟" وہ اثبات میں سر ہلا کر اپنا بھاری بنارسی غرارہ سنبھالتی ہوئی اٹھی تو کلائیوں میں چوڑیاں کھنک گئیں۔

"عورت کا وجود بذات خود ایک موسیقی ہے۔" علی نواز نے اسے پسندیدگی سے دیکھا۔ بلاشبہ وہ اچھے رنگ و روپ کی مالک تھی۔ ان کی اس بات نے اس کے رخساروں پر رنگ بکھیر دیے۔

☆....../□/......☆

"اپنی ہی سگی بیٹی کے ساتھ ایسی زیادتی!" اس کی پھوپو نے نماز کی چوکی پر بیٹھی رضیہ آپا سے کہا۔

"غضب خدا کا! اس کے لیے کوئی رشتوں کی کمی تھی؟"

"جہاں اس کی قسمت لکھی تھی وہاں ہو گیا۔" رضیہ نے دعا پوری کر کے جائے نماز کو تہہ کیا اور سامنے کرسی پر جا بیٹھیں۔

"ایسا بے جوڑ رشتا......؟" پھوپو نے انگلی دانتوں تلے داب لی۔

"علی نواز ایک بچے کا باپ ہونے کے باوجود بھی کم عمر ہے۔ متین اور سلجھے ہوئے مزاج کا حامل ہے۔ اچھے رہن سہن اور بہترین کردار کا مالک ہے یا نہیں......؟"

"وہ تو ہے۔" انہیں کہنا پڑا۔

"پھر بے جوڑ کیسے ہوا؟ صرف اس لیے کہ اس کی پہلی بیوی کا انتقال ہو گیا اور ایک بچہ اس کی ذمہ داری ہے؟ یہ تو کوئی معقول وجہ نہ ہوئی یتیم و یسیر کو سہارا دینا تو سب سے بڑی نیکی ہے۔" رضیہ آپا نے رسانیت سے کہا۔

"نیکی یا بچی کے لیے کڑی آزمائش......!" پھوپو بکھر گئیں۔

"دنیا آزمائش کا گھر ہے پھر غزل کو ہم نے تعلیم دی تا کہ وہ اچھے اور برے میں تمیز کر سکے۔ اپنے اعمال پرکھ سکے جو ہمارا فرض تھا ہم نے پورا کر دیا۔ اب آگے اس کا فرض اور ذمہ داری ہے۔"

"بھئی ہم تو بس انسان ہیں۔ خطاؤں کے پتلے! تمہاری طرح ولی نہیں اپنی اکلوتی لڑکی پر اتنا ظلم......! ہائے میری پھولوں سی غزل!" پھوپو نے اپنا دوپٹا آنکھوں پر رکھ لیا۔

☆....../□/......☆

کھانے کی میز پر چمچوں کی آواز کے علاوہ اور کوئی آواز نہ تھی۔ غزل غور سے اپنے سامنے بیٹھے ہوئے بچے کو دیکھ رہی تھی۔ دبلا پتلا، معصوم چہرے پر بے حد بڑی بڑی آنکھوں والا بچہ سہما سہما سمٹا ہوا بیٹھا تھا۔ اس نے ایک بار بھی آنکھ اٹھا کر اس کی طرف نہیں دیکھا۔ بہت چھوٹے چھوٹے لقمے لے کر کھانا کھا رہا تھا۔ وہ جب سے اس گھر میں آئی تھی بلال نے اس سے بات نہیں کی تھی۔ اگر وہ کبھی اس کی طرف دیکھ لیتا تو اس کے چہرے پر ایک ناقابلِ فہم تاثر ابھر آتا۔ جس پر غزل نے کبھی غور کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ یہ بچہ کبھی بھی اس کے لیے اہم نہیں رہا تھا۔ حالانکہ اس گھر میں آتے ہی علی نے واضح طور پر اس سے کہہ دیا تھا کہ انہوں نے دوسری شادی محض بلال کی وجہ سے کی ہے کیونکہ وہ اپنی دفتری مصروفیات کی وجہ سے گھر کو بہت کم وقت دے پاتے ہیں۔ اس لیے عدم توجہی کے باعث وہ عام بچوں کی نسبت بہت مختلف ثابت ہو رہا ہے۔ بہت کم گو اپنے آپ میں گم اور ویسے بھی بچہ باپ کی نسبت ماں سے زیادہ قریب ہوتا ہے کیونکہ دوستوں کی طرح رہنے کے باوجود بھی بچے باپ کا احترام کرتے ہیں جب کہ ماں کے ساتھ ان کا پیار اور دوستی طویل ہوتی ہے۔ اس لیے وہ اپنی بہت سی باتیں ماں سے کہہ دیتے ہیں۔ ماں کی جدائی بچے کی شخصیت کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیتی ہے۔ یہ ساری باتیں غزل نے سر جھکا کر بڑی عدم توجہ سے سنی تھیں۔ پھر شادی کی رات کون دلہن ایسی باتیں سن کر خوش ہوتی ہوگی۔ سہانے سپنوں میں کوئی دلہن انجانے دیس کی سیر کر رہی ہوتی ہے۔ ایسے میں کسی بچے کا ذکر......! بھلا اس سے زیادہ بھی غیر رومانوی کوئی بات ہو سکتی ہے۔ اس لیے بالکل غیر محسوس

طریقے سے غزل کو بلال سے چڑ ہوگئی تھی۔ ہر جگہ بلال......! یہ بچہ تو آسیب کی طرح اس کے دماغ کو چمٹ گیا تھا۔ پھوپو اماں تو جب بھی ملتیں اسے گلے لگا کر ضرور روتیں اور ہمیشہ یہی کہتیں کہ سوتیلی اولاد کبھی اپنی نہیں بنتی اور لوگوں کی سرگوشیاں بھی اس کے کانوں میں گونجتی رہتیں۔ اب تو اس کی شادی ہوئے بھی کئی ماہ گزر چکے تھے اور علی نواز کو یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ غزل کو بلال سے ذرہ بھر بھی دلچسپی نہیں ہے۔ اس کے چھوٹے چھوٹے کام اب بھی ماسی جیراں کے سپرد تھے۔ وہ دن بدن خاموش اور الجھا ہوا بچہ بنتا جا رہا تھا۔ غزل کے اس گھر میں آنے سے تو وہ اور بھی محتاط ہوگیا تھا۔ اسکول سے آ کر کمرے میں بند ہو جاتا اور باہر بہت کم نکلتا۔ اس کی آواز بھی کبھی سنائی نہ دیتی۔ علی نواز خود ہی اسے سیر کرانے اور شاپنگ کرانے لے جاتا اور رات سونے سے پہلے اس کے کمرے میں ضرور جاتا۔ مگر اس کی آنکھوں کی کیفیت اس کی سمجھ میں نہ آئی۔ وہ روز بروز پریشان ہوتا جا رہا تھا۔

”بیگم صاحبہ! چائے......!“ پیالیوں کی کھڑکھڑاہٹ سے اس کی آنکھ کھلی۔

”اوہو! بڑی دیر ہوگئی۔ صاحب چلے گئے!“ غزل نے پیالی ہونٹوں سے لگاتے ہوئے پوچھا۔

”جی!“ جیراں کمرے سے چلی گئی۔ تو اس کی نظر ڈریسنگ ٹیبل پر پڑی۔ حسبِ معمول وہاں گلاب کے تازہ پھول رکھے تھے۔ کچھ دنوں سے وہ روزانہ یہاں پر یہ پھول دیکھ رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے سارے پھول سمیٹ کر ناک سے لگائے اور طویل سانس لی۔

”تمہاری محبت ہمیشہ ان پھولوں سی تروتازہ رہے علی!“

☆....../□/......☆

”غزل!“ علی نے اسے پکارا۔ وہ کب سے بتی جلائے رسالہ پڑھ رہی تھی۔ علی نے ابھی کچھ دیر پہلے اپنا دفتری کام ختم کیا تھا اور وہ کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ غزل نے نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

”کیا بات ہے؟“ وہ اپنے شوہر کے سارے انداز پہچانتی تھی۔ ویسے بھی علی اس کے لیے آئیڈیل شوہر ثابت ہوا تھا۔

”تم بلال کو مسلسل کیوں نظر انداز کر رہی ہو؟“ بالآخر علی بولا۔

”زبردستی کسی سے محبت نہیں کی جاسکتی۔“ غزل نے بے نیازی سے جواب دیا۔

”شاید تم سچ کہتی ہو۔ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی مگر تم بھی تو سمجھنے کی کوشش کرو۔ مجھے عورت کی ضرورت نہیں تھی۔ اپنے بچے کے لیے ماں چاہیے تھی۔“

”ماں خریدی تو نہیں جاسکتی۔“ غزل کا لہجہ نہ چاہتے ہوئے بھی تلخ ہوگیا۔

”غزل! تم ایک مشرقی گھر کی باشعور خاتون ہو۔ جو صرف اپنے لیے ہی نہیں، دوسروں کے لیے جینا جانتی ہے۔ اگر تمہارے پیار اور حسن سلوک سے کسی کی زندگی سنور جائے تو کیا برا ہے؟“ پھر عورت تو ایک ایسے سایہ دار درخت کی مانند ہوتی ہے جس سے سب ہی ٹھنڈک پاتے ہیں۔ بہرحال، میں تمہیں مجبور نہیں کرسکتا۔ شاید مجھے خوش فہمی ہوگئی تھی کہ تم مجھ سے پیار کرتی ہو، مگر چاہنے والے تمہاری طرح تو نہیں ہوتے، وہ ساتھ دیا کرتے ہیں، دکھ بانٹ لیتے ہیں۔“ علی کا لہجہ بھر آیا تھا۔ اس لیے اس نے سر جھکا لیا۔

ہمدرد
نزلہ، زکام، گلے کی خراش اور کھانسی!
Take No Tension
Take Sualin
with TOOT SIYAH efficacy
نئی
Easy Tear
پیکنگ میں
Sualin

”کل صبح میں دفتر کے کام سے اسلام آباد جا رہا ہوں۔ آتے وقت بلال کا کسی ہوسٹل میں بندوبست کرتا آؤں گا۔ جب تمہیں اچھا ہی نہیں لگتا تو وہ کیوں یہاں رہے۔“ اس کی آواز میں ایک باپ کا دکھ پنہاں تھا۔ غزل کے ہونٹ کچھ کہنے کے لیے کانپے مگر علی اس وقت کمرے سے باہر جا چکا تھا۔

علی کو گئے دوسرا دن تھا۔ غزل کچھ بے چین سی تھی۔ پھر اسے بخار نے آلیا۔ ڈاکٹر نے گھر آ کر دیکھ کر اسے انجکشن لگا دیا تھا۔ غزل کو تنہائی سے وحشت سی ہو رہی تھی۔

”توبہ کتنا سناٹا ہے پورے گھر میں......!“ جیراں بھی اسے دودھ پلا کر جا چکی تھی۔ مگر غزل کو کسی طرح نیند نہ آ رہی تھی۔ بڑی مشکل سے آنکھ لگی تو عجیب عجیب خواب نظر آنے لگے۔ وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔ اس کا بدن پسینے سے شرابور تھا۔ حلق میں پیاس کے مارے کانٹے چبھ رہے تھے۔ قریب میز پر خالی جگ اس کا منہ چڑا رہا تھا۔ زیرو بلب کی روشنی کے باوجود بھی اسے اچھی طرح نظر آ گیا کہ کمرے میں وہ اکیلی ہے۔ کمزوری اور نقاہت اتنی تھی کہ وہ اٹھ نہ پائی، مگر پیاس کی شدت لمحہ بہ لمحہ بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ ہمت کر کے اٹھی تو اس کی ٹانگیں لرزنے لگیں۔ اس سے پہلے کہ وہ گر پڑتی اس نے پاس رکھی میز کا سہارا لے لیا۔ پھر وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی کمرے سے باہر نکل آئی۔ بلال کے کمرے میں روشنی ہو رہی تھی۔

”اتنی رات گئے کیا وہ جاگ رہا ہے؟“ تجسس اسے کشاں کشاں اس کمرے کی طرف لے گیا۔ جہاں وہ کبھی بھی نہیں گئی تھی۔ ننھی منی چیزوں سے سجا کمرا سامنے تپائی پر اسے پانی نظر آ گیا۔ وہیں کرسی پر بیٹھ کر اس نے پانی پیا۔ یہ بلال کی رائٹنگ ٹیبل تھی۔ اس کی نظریں کتابوں پر سے پھسلتی ہوئی ایک چھوٹی سی ڈائری پر جا ٹھہریں۔ اس نے وہ ڈائری اٹھا لی۔ پہلا صفحہ کھولا۔ تاریخ ڈالے بغیر کچھ بے ترتیب جملے لکھے ہوئے تھے۔

”امی آ گئی ہیں میری ساری دعائیں پوری ہو گئیں۔“

”بہت ہی پیاری ہیں۔“ غزل نے دوسرا صفحہ پلٹا۔

”نوید کہتا ہے سوتیلی ماں ظالم ہوتی ہے۔ میری امی تو ایسی نہیں لگتیں۔“

”جھوٹ بولتا ہے نوید!“ تیسرے صفحے پر تحریر تھا۔

”آج میں نے امی کی آواز سنی۔ کتنی اچھی ہے کاش وہ مجھ سے بھی بات کرتیں۔“ آگے تحریر تھا۔ اسکول جاتے ہوئے امی کے کمرے سے گزرا۔ وہ ابو سے کہہ رہی تھیں کہ انہیں پھول بہت پسند ہیں گلاب کے......! پھر لکھا تھا۔

”میں روزانہ ان کے کمرے میں پھول رکھتا ہوں اور دیر تک انہیں دیکھتا ہوں، سوتے میں جی چاہتا ہے ان سے خوب باتیں کروں، مگر نوید......! نہیں...... نہیں مجھے ڈر لگتا ہے۔“ اب غزل کی نظریں اگلے صفحے پر تھیں۔

”امی کو کل سے بخار ہے مجھے معلوم ہے کہ بخار بہت خراب ہوتا ہے۔ سر میں بھی درد ہوتا ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ امی کی ساری تکلیفیں مجھے مل جائیں۔ میں ان کے لیے ضرور دعا کروں گا۔“

غزل کے ضبط کی دیوار گر گئی۔ اس سے آگے اس سے پڑھا ہی نہ گیا۔ آنسوؤں نے ایک دھند کی چادر سی تان دی تھی۔ ایک مجبور، معصوم سا تنہا پھول اس کی بے اعتنائی کا شکار ہو رہا تھا۔ انجانے میں ایا

ظلم وہ بھی بن ماں کے بچے پر......! بھلا اس نے غزل کا کیا بگاڑا تھا۔ وہ تو خود بھری بہار میں لٹ گیا تھا۔ ایک بے ضرر وجود، فرشتوں کا روپ...... یہ میں نے کیا کیا؟“ اپنے فرض سے اتنی غفلت برتی۔ خود تو وہ دو دن کی تنہائی نہیں کاٹ سکتی اور ایک ناسمجھ بچے کو تنہائی کے دوزخ میں پھینک دیا......! مجھ سے زیادہ ظالم کوئی عورت ہوگی۔ جو اتنا پڑھ لکھ کر روایتی سوتیلی ماں بن بیٹھی۔ جسے محبت سے جینا بھی نہ آیا......!

روتے روتے اس نے پلنگ پر سوتے بلال پر نظر ڈالی۔ زرد رخساروں پر بڑی بڑی پلکیں سایہ فگن تھیں۔ وہ بے ترتیبی سے سو رہا تھا۔ غزل نے اسے لحاف اوڑھایا اور دیر تک اس کے چہرے کو دیکھتی رہی۔ اس کے دل میں ممتا کا چشمہ ابل رہا تھا اور چہرے پر بھی ممتا اور عزم کا نور امڈ آیا۔

”میں ازالہ کر دوں گی میرے چاند! اپنے ظلم کا، اپنی بے پروائی کا کہ آج سے میرا وجود تیرے لیے خوشیوں کا اور محبت کا خزانہ ہوگا۔ یہ میرا عہد ہے۔ ایک عورت کا نہیں بلکہ ایک ماں کا۔“ غزل نے جھک کر اس کی پیشانی چوم لی۔

☆....../□/......☆

چڑیوں کی چہچہاہٹ کے ساتھ ہی بلال نے ڈرتے ڈرتے کمرے میں قدم رکھے وہ پھول مخصوص جگہ پر رکھ کر پلٹا ہی تھا کہ غزل کی آواز نے اس کے قدم جکڑ لیے۔

”روز پھول لاتے ہو، خود کیوں نہیں دیتے؟“

”وہ...... میں......!“ بلال کے چہرے پر خوف جھلکنے لگا۔ وہ اپنی جگہ پر ساکت ہو گیا۔ غزل مسکرا کر اپنی جگہ سے اٹھی اور اس کے سامنے دوزانوں بیٹھ کر بولی۔

”خود دیتے تو میں روز تمہیں ایسا پیار کرتی۔“ اس نے اس کے گالوں کو چومتے ہوئے کہا۔

”امی!“ بلال گنگ رہ گیا۔ اس کے وہم و گمان میں غزل سے اس رویے کی توقع نہ تھی۔

”کیوں امی سے دور دور رہتے تھے؟“ غزل نے اسے اپنے ساتھ مسہری پر بٹھا لیا۔ اس کی پلکیں بھیگ چلی تھیں۔

”مگر وہ نوید کہتا تھا کہ......!“

”غلط کہتا تھا نوید، جس طرح پھولوں کی خوش بو سب کے لیے ہوتی ہے۔ بالکل ویسے ماں بھی اپنے سارے بچوں سے پیار کرتی ہے۔ کیوں ٹھیک ہے نا۔“

”جی ہاں امی!“ بلال کے چہرے پر مسکراہٹیں پھیل گئیں اور اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ دروازے پر کھڑے علی نواز کے لبوں پر منتقل ہو چکی تھی۔ اس نے ساری باتیں سن لی تھیں۔ دروازے میں کھڑے کھڑے اس نے ہوسٹل والا فارم پھاڑ دیا اور زندگی سے بھرپور آواز میں تالیاں بجاتے ہوئے ان دونوں کے قریب جا پہنچا جو ایک دوسرے کے گلے میں بانہیں ڈالے پیاری پیاری باتیں کر رہے تھے۔

”بہت اچھے، غزل جی! ویسے تو تمہارے سارے روپ ہی بہت خوب صورت ہیں مگر تمہارا یہ نیا روپ بڑا ہی دلفریب ہے۔“

غزل نے علی کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں میں پیار کی جوت جل رہی تھی اور سچی خوشیوں کے عکس سے اس کا چہرہ جگمگا رہا تھا۔

ہوائیں دل دُکھائیں گی
سنو پاگل!
کھڑے رہنے سے کیا حاصل؟
ہوا تو بس یہی ہوگا
ہوائیں دل دکھائیں گی
نگاہیں بھیگ جائیں گی
چلو اندر چلے آؤ!
سنا ہے جو بھی مرضی سے چلا جائے
کبھی واپس نہیں آتا۔

"اور وہ لوگ جو ایمان لائے ان کے دل اللہ کی یاد سے چین پاتے ہیں۔ بے شک اللہ کی یاد میں ہی دلوں کا چین ہے۔"

قسط نمبر 31

پتھر کی پلکوں پر

نازیہ کنول نازی

طلسمِ عشق تھا سب اس کا ساتھ ہونے تک
خیالِ درد نہ آیا نجات ہونے تک
وہ اس کمال سے کھیلا تھا عشق کی بازی
میں اپنی فتح سمجھتا تھا مات ہونے تک

قرآن پاک کھلا ہوا اس کے سامنے رکھا تھا اور اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کے موتی ٹوٹ ٹوٹ کر اس مقدس کتاب کے پاک اوراق پر گر رہے تھے۔ سورہ الرعد کی بظاہر کتنی چھوٹی سی آیت تھی مگر، بہت گہرا مفہوم سمیٹے ہوئے تھی اپنے اندر......!

وہ مفہوم کیا تھا؟

دلوں کے چین کی کہانی کیا تھی؟

اللہ ربّ العزت کی پاک ذات نے اس بظاہر چھوٹی سی آیت میں علم و حکمت کے کتنے خزانے پوشیدہ رکھے تھے؟ زندگی سے ہارے ہوئے وہ مایوس لوگ، جنہیں اعلیٰ ڈگری ہولڈرز ڈاکٹرز نے جواب دے دیا

تھا۔ جن کے دل بہترین ماہرین ڈاکٹرز کے علم میں لاعلاج ہوچکے تھے۔ یہ آیت ان ''ناکارہ دلوں'' کی شفا تھی۔ دوا تھی۔ بہت گہرے راز تھے اس آیت کے اندر۔ سمندر کی تہوں سے بھی زیادہ گہرے راز۔ جنہیں سمجھنے کے لیے بہت سمجھ کی ضرورت تھی۔

ایک ایک حرف ایک ایک لفظ حکمت سے بھرا ہوا تھا اور وہ رو رہی تھی۔

اپنی لاعلمی و غفلت پر اپنی نادانی پر......!

اس کے نزدیک وہ کتاب صرف احترام سے بہت اونچی جگہ رکھ کر سجا دینے کے لیے تھی۔ یا پھر کبھی بے سکونی و بے قراری اور فرصت کے لمحات میں زور زور سے ہل کر وہ الفاظ دہرا لینے کے لیے۔ وہ کبھی سمجھ ہی نہ سکی کہ اس کتاب کا حق کیا ہے؟ ایسی کیا بات ہے اس کتاب میں، جو اللہ رب العزت نے اس پاک کتاب کو قیامت تک کے انسانوں کے لیے مکمل قرار دے دیا۔ زندگی میں واقعی کچھ باتوں کی سمجھ بہت دیر سے آتی ہے۔ پہلے پارے سے تیرہویں پارے تک کے سفر میں جیسے اس کی شخصیت ہی بدل گئی تھی۔ کیسے کیسے حالات و واقعات سے آگاہی ہو رہی تھی۔ کیا کیا آشکار نہیں ہوا تھا اس پر۔

اب کوئی اسے دیکھتا تو شاید پہچان ہی نہ پاتا کہ وہ گاؤں کی وہ گوری ہے جو لڑائی جھگڑے میں مردوں کو بھی مات دیتی تھی۔ جسے محض تن کر چلنا آتا تھا۔ جو اپنی شادی سے لے کر بھائی کی موت تک زندگی سے بے زار، حالات سے نالاں، خدا سے شکوے کرتی پھرتی تھی۔ اس کی آنکھوں میں اس وقت جو آنسو تھے وہ ان گزرے دنوں کی کوتاہیوں کے آنسو تھے جو کنکر بن کر اس وقت آنکھوں میں چبھ رہے تھے۔ وہ رو رہی تھی اور اس کا دل جیسے پہلو میں کٹتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''اے میرے مالک! میرے معبود حقیقی! اے واحدہٗ لاشریک! میری کیا اوقات جو تیری شان رحیمی و کریمی سے کوئی شکوہ کروں۔ میں تو تیرے ٹکڑوں پر پلنے والی بھکارن ہوں۔ تو عطا کرے تو تیرا شکر ادا کروں گی اور محروم کردے تو صبر کروں گی۔ مجھے میری کم فہمی و غفلت کے لیے معاف کردے مالک! شیطان مردود سے بچا کر اپنی پناہ کے حصار میں لے لے۔''

اور اس دعا کے ساتھ سکون کی لہر جیسے اس کے رگ و پے میں اترتی جارہی تھی۔

……

شجاع اسپتال سے سیدھا گھر چلا آیا تھا۔ اس کی بیٹی تھی کہ امامہ کے لیے روتی روتی سو گئی تھی۔ جب کہ دماغ کی شریانیں جیسے پھٹنے کو تیار ہو رہی تھیں۔ اس کا بس نہ چل رہا تھا کہ وہ کچھ کھا کر سو رہتا۔ اسے لگا وہ زندگی میں کبھی کسی عورت کی وفا نہیں پا سکے گا۔

اس رات ایک مرتبہ پھر امامہ کے لیے سوچتے ہوئے اور سلگتے ہوئے اس نے بہت زیادہ سگریٹ پی تھی۔ اس کا موبائل تاحال آف تھا۔ چوکیدار کو بھی اس نے سختی سے ہدایت کردی تھی کہ کوئی بھی ملنے کے لیے آئے اسے مطلع نہ کیا جائے۔ دل اس وقت جیسے ساری دنیا سے کٹ جانے کی خواہش کر رہا تھا۔

''وہ کہاں کس حال میں ہوگی؟'' یہ سوال اس کے اندر آتش فشاں بنا ہوا تھا۔

ایک کے بعد ایک سگریٹ ختم ہو رہی تھی اور اسی کے ساتھ سلگتے آنسوؤں کا لاوا تھا جو گالوں پر بہہ نکلا تھا۔

''کاش میں تمہیں تمہاری بے وفائی کی سزا دے سکتا امامہ حسن! کاش......!'' اس کے نکاح کے روز والی تصویر کو ہاتھوں میں لیے اس نے حسرت سے سوچا تھا اور وہاں تقدیر ایک نئی کہانی رقم کرنے جارہی تھی۔

……

''شکریہ ارسلان اس وقت اگر تم موقع پر نہ آتے تو جانے میرا کیا حال ہوتا۔'' سڑک کنارے سنگی بنچ پر نڈھال بیٹھی وہ کہہ رہی تھی اور ارسلان کے لبوں پر یوں چپ کا قفل لگا تھا جیسے وہ کچھ بھی بولا تو اس کی ذات چیخ جائے گی۔

کچھ لمحے یونہی خاموشی کی نذر ہوگئے تھے۔ جب وہ بولا۔

''مجھے خبر نہیں تھی کہ تم وہاں ہو یا ہوسکتی ہو، مجھے تم سے ایسی حماقت کی توقع بھی نہیں تھی۔ میں تو محض اپنا سامان لینے آیا تھا وہاں۔ ان لوگوں سے میرا جھگڑا چل رہا تھا ایک لڑکی کی وجہ سے، اسی لیے میں مزید وہاں ان لوگوں کے ساتھ رہنا نہیں چاہتا تھا مگر سامنے جو منظر میں نے دیکھا اس نے میرا خون کھولا دیا۔ کاش وہ دونوں کتے مرجاتے میرے ہاتھوں۔'' وہ ابھی بھی کھول رہا تھا۔

امامہ حسن نے اس کی دی ہوئی شال ٹھیک کرکے کندھوں کے گرد لپیٹ لی۔

''وہ کتے ہیں تو تم کیا ہو ارسلان۔ جو کام وہ کرتے ہیں وہی تم بھی کرتے ہو، تم نے مجھ سے کہا کہ تم بے قصور ہو، تم پر وہ کیس جھوٹا بنا تھا۔ مگر حقیقت میں تم بے قصور نہیں تھے۔ تم پر بنا وہ کیس جھوٹا نہیں تھا۔ بس تم مجھے فریب دیتے رہے۔ میری محبت کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر حماقتیں کرواتے رہے مجھ سے۔''

''جانے دو، اب ان باتوں کا فائدہ نہیں ہے۔ مجھے بتاؤ تم اب کیا چاہتی ہو، میرے ساتھ چلو گی یا اس ایس پی کے گھر چھوڑ آؤں تمہیں؟'' وہ مضطرب تھا اس لیے اس کی بات کاٹتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

امامہ حسن کی آنکھیں پھر سے جلنے لگیں۔

''اس شخص کے گھر میں اب میرے لیے کوئی جگہ نہیں رہی ہے ارسلان! گر گئی ہوں میں اس کی نظروں سے تم پلیز کسی دارالامان میں پہنچا دو مجھے۔''

''خاموش ہوجاؤ۔'' اس بار وہ دہاڑا اور اگلے کچھ ہی لمحوں میں وہ اس کے لیے ٹیکسی روک رہا تھا۔ امامہ نے اس کے بعد پھر لب نہیں کھولے۔

''فی الحال ہم میری ایک دوست کے گھر جارہے ہیں۔ جہاں میرا قیام ہے۔ میں اس سے کہوں گا تم باہر سے پاکستان دیکھنے آئی ہو۔ تم بھی یہی کہنا اوکے۔'' وہ اسے ہدایت کر رہا تھا۔ امامہ چپ چاپ ٹیکسی میں بیٹھ گئی۔

''ایک بات پوچھوں ارسلان؟'' کچھ لمحوں کی مسافت کے بعد اس نے لب کھولے۔

''ہوں۔''

''تم ضرورت کے لیے کب تک محبت کرتے رہو گے۔''

''میں ابھی تمہارے کسی سوال کا جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں ہوں امامہ! لہٰذا چپ رہو پلیز۔'' وہ اضطراب کا شکار تھا اور امامہ وجہ جانتی تھی تبھی اس کے جواب پر رخ کھڑکی کی طرف موڑ کر بیٹھ گئی۔ سر سیٹ کی

پشت گاہ سے ٹکاتے ہی کچھ مناظر پھر ذہن کی اسکرین پر روشن ہوئے تھے اور وہ جیسے کانپ کر رہ گئی تھی۔

"کیا ہوتا اس وقت اگر اس کا ربّ اس پر کرم نہ کرتا......؟ اور وہ وقت جب اس کے حوصلے جواب دے گئے تھے۔ اس وقت ارسلان حیدر کو رحمت بنا کر اس "قتل گاہ" کی طرف نہ بھیجتا؟" قریب تھا کہ آنکھیں پھر چھلک پڑتیں۔ اس نے جلدی سے پلکیں موند لیں۔

"میں تمہیں معاف نہیں کروں گی شجاع حسن! اپنی زندگی کے اس حادثے کے لیے میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔"

……♥☆♥

اس نے ڈور بیل پر ہاتھ رکھا تھا اور پھر جیسے اٹھانا بھول گیا۔

انوشہ گھر پر نہیں تھی، جمال صاحب کو بستر سے نکل کر دروازے تک آنے میں کئی منٹ لگ گئے۔

"السلام علیکم انکل!"

"وعلیکم السّلام تو یہ تم ہو؟ میں سمجھا کوئی شرارتی بچہ یونہی تنگ کر رہا ہوگا۔ آؤ اندر آ جاؤ۔" دروازہ کھول کر شاہ زر پر نگاہ ڈالتے ہی وہ ایک لمحے کے لیے پریشان ہو گئے تھے۔ شاید بریرہ کے ہاتھوں اسی شاہ زر کے لیے انوشہ کو پہنچنے والی تکلیف وہ ابھی تک فراموش نہیں کر پائے تھے۔ شاہ زر نادم سا ان کے خلوص پر اندر بڑھ آیا۔

نزہت بیگم لاؤنج میں بیٹھی تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ شاہ زر پر نگاہ پڑتے ہی ان کے چہرے کا رنگ بھی بدلا تھا۔ شاید انہیں یہ گمان نہیں تھا کہ وہ ان کی تلاش میں یہاں بھی پہنچ جائے گا۔

"السلام علیکم آنٹی۔" وہ جھکا تھا۔ نزہت بیگم نے پریشان نگاہوں سے جمال صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ پھیر دیا۔

"وعلیکم السّلام کیسے ہو بیٹا!"

"الحمد للہ! ٹھیک ہوں، آپ کیسی ہیں۔ مجھے بتایا بھی نہیں اور شہر چھوڑ دیا؟" ان کے پاس بیٹھتے ہی اس نے گلہ کیا۔ جواب میں وہ بے بس سی۔ نظروں کا رخ پھیر گئیں۔

"بس مجبوری بن گئی تھی بیٹے!"

"میں شرمندہ ہوں آنٹی! میں نہیں جانتا کہ اس روز بریرہ نے انوشہ سے کیا کہا، مگر اس روز جو بھی ہوا ہوگا، مجھے اس کی بہت اذیت ہے۔ آپ نہیں جان سکتیں میں اس روز کے بعد کتنا اپ سیٹ رہا ہوں بہر حال میں نے بری کو چھوڑ دیا ہے۔" بہت بڑی بات کو اس نے بہت روانی سے کہہ دیا تھا۔ نزہت بیگم ہکا بکا سی اس کا منہ دیکھتی رہ گئیں۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو۔"

"سچ کہہ رہا ہوں آنٹی! ہمارا اب ایک ساتھ چلنا بہت مشکل ہو گیا تھا۔"

"مگر کیوں؟ بریرہ اچھی لڑکی ہے۔ اگر انوشہ کی وجہ سے کوئی مسئلہ ہو بھی گیا ہے تو اسے درگزر کر دو کیونکہ انوشہ کی شادی ہو گئی ہے۔" ایک پہاڑ اس نے گرایا تھا اور دوسرا نزہت بیگم نے گرا دیا۔ وہ چکرا ہی تو گیا تھا۔

"انوشہ کی شادی؟"

"ہاں انوشہ کی شادی! زاور کا بہت اچھا دوست ہے سرمد۔ انگلینڈ میں رہتا ہے۔ ابھی تک شادی نہیں کی اس نے، انوشہ کے بیٹے سے بھی بہت پیار کرتا ہے۔ اسی کے ساتھ ہو رہی ہے۔"

"مگر......!"

"مگر کیا......! ساری عمر گھر بٹھا کر تو نہیں رکھ سکتے اسے!"

اس بار نزہت بیگم کے لہجے میں لچک نہیں تھی۔ شاہ زر کو لگا اس کا دل رک جائے گا۔

"کیا انوشہ اس شادی سے خوش ہے؟"

"نہیں۔ مگر جلد ہی ہو جائے گی زندگی بھر حالات سے سمجھوتا ہی تو کیا ہے اس نے، اب بھی کر لے گی۔" ہاں اس کے مزید رکنے کا جیسے کوئی جواز نہیں رہا تھا۔ مگر پھر بھی اس نے ہمت نہیں ہاری۔

"آنٹی! میں انوشہ کے لیے اپنا پرپوزل پیش کرنے آیا تھا۔"

"جانتی ہوں مگر یہ ممکن نہیں۔"

"کیوں ممکن نہیں ہے؟ میں اس کے لیے بریرہ رحمٰن کو طلاق دے چکا ہوں۔"

"بہت غلط کیا تم نے اتنا بڑا قدم اٹھانے سے پہلے تمہیں ہم سے بات کرنی چاہیے تھی۔"

"بات ہی تو کرنے آیا ہوں آنٹی! اور غلط بھی کچھ نہیں ہوا۔ میرے اور انوشہ کے بیچ اب تک جو ہوتا رہا ہے، وہ غلط تھا آنٹی! اسی غلطی کو صحیح کرنے کی کوشش میں یہاں تک آیا ہوں میں۔"

"کیا مطلب؟"

"آپ آئیے میرے ساتھ، سب بتاتا ہوں۔ سوری انکل! میں یہ بات آپ کے سامنے نہیں کر سکتا۔"

اس نے آر یا پار کرنے کی ٹھان لی تھی۔ جمال صاحب اور نزہت بیگم دونوں اس کا منہ دیکھتے رہ گئے۔ اگلے دو منٹ کے بعد وہ علیحدہ کمرے میں نزہت بیگم کو بتا رہا تھا۔

"انوشہ کی بربادی کا ذمہ دار میں ہوں آنٹی! اس کے ساتھ جو بھی ہوا وہ میں نے کیا۔ میں نے عین نکاح کے وقت شافیہ کی بے وقوفی کا سبب زاور کو سمجھا اسی لیے انتقام کی آگ میں انوشہ کا وجود جلا دیا۔ میں بہت شرمندہ ہوں آنٹی! ایک پل کا سکون میسر نہیں ہے مجھے وہ بچہ جو میرا خون ہے۔ میں اسے مزید محرومیوں کا شکار نہیں دیکھ سکتا۔ اسی لیے ساری کشتیاں جلا کر یہاں آپ کی دہلیز پر چلا آیا ہوں۔ خدا کا واسطہ ہے آنٹی! مجھے معاف کر دیں اور میری خوشیاں پانے میں میرا ساتھ دیں پلیز!" شاہ زر کا حال اس وقت کسی سوالی سے مختلف نہیں تھا۔

نزہت بیگم پتھرائی ہوئی بے یقین آنکھوں سے اسے دیکھے گئیں۔

"بہت تمانچے کھا لیے ہیں میں نے حالات کے اب مزید کچھ مت کہیے گا آنٹی پلیز! وہ لڑکی صرف میرے لیے بنی ہے۔ اسے صرف میں خوش رکھ سکتا ہوں اور کوئی نہیں۔" وہ سوال کر رہا تھا اور نزہت بیگم کے دماغ میں اس کی صرف ایک ہی بات گونج رہی تھی۔

"انوشہ کی بربادی کا ذمہ دار میں ہوں آنٹی۔"

اس بات کے بعد اب کچھ بھی کہنے کی گنجائش رہی ہی کہاں تھی۔ اب جو بھی کرنا تھا بہت سمجھداری سے کرنا

تھا نہیں۔"

……♥☆♥……

صاعقہ چارپائی پر بیٹھی تھی تھوڑی دیر کے بعد دروازے پر دستک ہوئی۔

"لگتا ہے آ گیا تیرا ہیرو۔" آمنہ نے دستک سنتے ہی سرگوشی کی اس کا دل زور سے دھڑک اٹھا۔ صائمہ اندر کمرے میں پانی نکال رہی تھی۔ اس نے دھڑکتے دل سے دروازہ کھول دیا۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام! آؤ۔" کتنا خوب صورت لگ رہا تھا وہ اس وقت اس کے لیے نظریں اٹھا کر اس کے چہرے کو دیکھنا دشوار ہو گیا۔

"سوری! مجھے تھوڑی دیر ہو گئی۔ وہ اصل میں باس نے ایک ضروری کام سے بھیج دیا تھا۔ میں نے ابھی ایک دوست سے بات کر کے گھر کا انتظام کر لیا ہے۔ تمہیں جو ضروری سامان لینا ہے وہ لے لو شام تک یہ گھر خالی کر دیں گے ہم۔"

"لیکن زین! تمہیں یہ سب کرنے کی ضرورت......"

"چپ! دادی اماں نہ بنی رہا کرو ہر وقت میری۔"

اس کے ہونٹوں پر شہادت کی انگلی رکھ کر کہتے ہوئے وہ آگے بڑھا تو پاس کھڑی آمنہ نے صاعقہ کو مسکرا کر دیکھا انگلیوں سے وکٹری کا نشان بنا دیا۔ اگلے ہی پل عباد شرٹ کے بازو فولڈ کیے کمرے سے سامان نکال رہا تھا۔ سمعان کو بخار تھا لہٰذا آمنہ رشک بھری نگاہوں سے صاعقہ کو دیکھتی دوسرے کمرے میں سمعان کے پاس چلی آئی۔

"کون آیا ہے؟" اسے پاتے ہی سمعان نے آنکھوں سے بازو ہٹایا تھا۔ وہ چارپائی کے کنارے پر ٹک گئی۔

"صاعقہ کے آفس سے کوئی صاحب آئے ہیں۔ مدد کے لیے شام تک کہتے ہیں۔ شفٹنگ ہو جائے گی۔"

"ایان کا پتا چلا کہاں گیا ہے؟"

"نہیں شاید صاعقہ کو پتا ہو تمہارا بخار کیسا ہے اب؟"

"پتا نہیں تم جاؤ اب اپنے گھر۔ سارے دن ادھر ہی نہ گھسی رہا کرو۔"

"کیوں نہ رہوں، تمہیں کیا تکلیف ہے میرے گھسے رہنے سے۔"

"مجھے کوئی تکلیف نہیں، تمہارے سسرال والوں کو ہو سکتی ہے۔"

"بھاڑ میں گئے ایسے سسرال والے، میرا سسرال یہی ہے بس!"

"پاگل پن کا مظاہرہ مت کرو، کچھ نہیں دے سکتا میں تمہیں۔"

"مجھے تم سے کچھ چاہیے بھی نہیں، سوائے نام کے سمجھے تم!"

سمعان جانتا تھا وہ اس سے کبھی جیت نہیں سکے گا۔ تبھی خاموش ہو گیا۔

"اور ویسے بھی میں اپنی ماں کو منا کر ہی تم سے شادی کروں گی۔ بے فکر رہو تم!" جل کر کہتی وہ اٹھ کر اس کے کمرے کا سامان سمیٹنے لگی۔ سمعان پھر سے آنکھوں پر بازو رکھ کر اپنے آنسو ضبط کرنے کی کوشش میں لگ گیا اور دوسرے کمرے میں صائمہ عباد کا شکریہ ادا کر رہی تھی۔

"اب تو پریشان نہیں ہونا؟" سارا سامان نکال کر قدرے پھولی ہوئی سانس کے ساتھ وہ صاعقہ سے پوچھ رہا تھا۔ جواب میں اس نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا۔

"چلو شکر ہے۔ میں چاہتا تو یہ کام کسی سے پیسے دے کر بھی کروا سکتا تھا۔ مگر مجھے اچھا نہیں لگا۔ تم کہو نا صاعقہ! تو میں ساری دنیا چھوڑ کر آ جاؤں تو صرف ایک لمحے میں، میں ساری دنیا ترک کر کے تمہارا ہاتھ تھام سکتا ہوں۔ بہت بہادر بنا دیا ہے تمہاری محبت نے مجھے سچ میں۔"

"بہت شکریہ!"

"اپنے پاس رکھو اپنا شکریہ اور چلو ایک کپ چائے بناؤ۔ تب تک میں ذرا آنٹی کے پاس بیٹھتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے مگر...... وہ چائے کا سامان تو پانی کی نذر ہو گیا۔" کتنی شرمندگی تھی اس وقت اس کے لہجے میں عباد مسکرایا۔

"کوئی بات نہیں سادا پانی تو پلا سکتی ہو نا پھر آنٹی سے مل کر مارکیٹ چلتے ہیں۔ جو چیز چاہیے ہو، لے لینا۔"

"ٹھیک ہے۔" بنا سر اٹھائے وہ زیر بار ہوئی تھی۔ عباد ہلکی سی ایک چپت اس کے سر پر لگاتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔ تبھی صائمہ اس کے پاس آئی تھی۔

"بہت اچھا لڑکا ہے صاعقہ! اگر یہ تمہاری پسند ہے تو یقیناً لاجواب ہے۔"

کتنی اچھی لگی تھی اس وقت اسے صائمہ کے منہ سے عباد کی تعریف یوں جیسے وہ بہت معتبر ہو گئی ہو۔ صائمہ اب چارپائی پر بیٹھی پاؤں کے انگوٹھے سے گیلی زمین کھرچ رہی تھی۔ وہ کچھ لمحے خاموشی سے اسے دیکھتی رہی، پھر اس کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے نیچے زمین پر بیٹھ گئی۔

"کیا تم خدا کی رحمت سے مایوس ہونے کا سوچ سکتی ہو صائمہ!"

"نہیں۔"

"تو پلیز ہمت رکھو نا اداس مت ہو اللہ بہتر کرے گا۔ کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی تو ہو گا نا! جس کے ہاتھوں کی لکیروں میں تمہارا نام ہو گا۔"

"پتا نہیں یار!"

"میرا ایمان ہے، ضرور ہو گا۔ اب جو تھوڑی بہت چیزیں رہ گئی ہیں۔ وہ سمیٹ لو۔ میں زین کے ساتھ کھانے پینے کی چیزیں لے آؤں۔ ٹھیک ہے۔"

"ٹھیک ہے لے آؤ۔ ایان کب تک آئے گا؟"

"پکا نہیں پتا۔ مگر امکان ہے آج ہی آ جائیں گے۔ میں پانی دے آؤں زین کو۔" اچانک یاد آنے پر وہ اٹھی مگر تب تک عباد اس کے سر پر پہنچ چکا تھا۔

"بہت بے وقوف لڑکی ہو تم، پانی تک نہیں پلا سکتیں۔"

''سوری۔''

''چھوڑو سوری ووری کو۔ مارکیٹ چلنا ہے کہ نہیں؟''

''بس چل رہی ہوں چادر لے آؤں۔'' جلدی سے کہہ کر وہ اندر کمرے میں گئی اور اگلے کچھ ہی منٹوں میں اس کے ساتھ باہر آ گئی۔

''دوست کی گاڑی مانگ کر لایا تھا۔ بے چارہ انتظار کر رہا ہوگا۔'' صاعقہ کے بیٹھنے کے بعد گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے اس نے کہا تو وہ پریشان ہوگئی۔

''کیا ضرورت تھی گاڑی مانگ کر لانے کی......؟ ہم رکشہ یا ٹیکسی سے بھی تو جا سکتے تھے۔''

''مجھے رکشہ یا ٹیکسی کی عادت نہیں ہے۔ ویسے بھی پریشان ہونے کی ضرورت نہیں' دوست جان دیتے ہیں مجھ پر تم آنٹی کا سناؤ ڈاکٹر کیا کہتے ہیں۔''

''ابھی تو سب ٹھیک ہے۔ وہ جو کینسر کا کہا تھا ڈاکٹر عارف نے وہ سب غلط نکلا۔ الحمدللہ امی کی رپورٹس بالکل ٹھیک ہیں۔ بس گھریلو حالات اور مسائل کی وجہ سے پریشان ہوتی ہیں۔ تو مسئلہ بن جاتا ہے۔''

''چلو شکر ہے خدا کا۔ میں نے منیجر صاحب سے بات کی تھی تمہارے لیے. بہت خوش ہیں وہ تمہارے کام سے اللہ نے چاہا تو اگلے ماہ سے ڈبل تنخواہ ہوگی تمہاری۔''

''کیا......! تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا مجھے۔''

ایک پل میں گلاب کی طرح کھل اٹھی تھی وہ عباد دیکھتا رہ گیا۔

''سرپرائز بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے عزیز از جان! اور ابھی میں مما سے ہماری شادی کے لیے بھی بات کرنے والا ہوں۔''

آج کا دن خوشیوں بھرا تھا۔ اس کے گالوں پر سرخی دوڑ گئی۔

''تم بہت اچھے ہو زین! کبھی کبھی مجھے لگتا ہے جیسے میں تمہیں سمجھ ہی نہیں سکی۔ تم آسمان ہو اور میں زمین' پھر بھی تمہارا مجھ سے اتنا پیار! سمجھ میں نہیں آتا کن الفاظ میں تعریف کروں تمہاری۔''

''جن الفاظ میں بھی کرو گی' مجھے تو اچھا لگے گا۔'' وہ مسکرایا تو صاعقہ اسے دیکھتی مسکرا کر نگاہ پھیر گئی۔

''کون کہتا ہے زین کہ محبت کا وجود ختم ہو گیا ہے۔ کون کہتا ہے موجودہ وقت کی لڑکیوں کی قسمت میں وفا نہیں رہی۔ دیکھو میرے ہاتھوں میں خوشیوں اور راحت کے کتنے پھول ہیں۔ دیکھو میں کتنی سرخرو ہوں ایک انسان کی محبت میں......! اب مجھے اپنے ربّ سے اور کچھ بھی نہیں چاہیے۔''

''شکریہ! اللہ نے چاہا تو بہت جلد تمہارے ہر خواب کی تعبیر دوں گا تمہیں اور اس کے ساتھ ایک بہت خوب صورت سرپرائز بھی۔'' مہارت سے ڈرائیو کرتے اس کے ہاتھوں میں مضبوطی تھی۔

صاعقہ کا دل چاہا وہ ہواؤں میں اڑنے لگے۔ اس روز اس نے عباد کے ساتھ بہت سا وقت بتایا تھا۔ شاپنگ کے ساتھ ساتھ عباد نے اسے رات کا کھانا بھی کھلایا تھا۔ وہ شام اس کی زندگی کی ایک حسین شام تھی۔

عباد گھر آیا تو آسیہ بیگم اس کے انتظار میں جاگ رہی تھیں۔

''مما! آپ ابھی تک سوئی نہیں......؟''

''نہیں! جوان اولاد رات دیر تک گھر سے باہر رہے تو ماؤں کو نیند اور قرار ذرا کم ہی آتا ہے۔'' وہ غیر معمولی سنجیدہ تھیں۔ عباد قدرے پریشان ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

''پریشان لگ رہی ہیں۔ سب ٹھیک تو ہے نا!''

''پتا نہیں! لیکن تمہاری وجہ سے میں حقیقت میں بہت پریشان ہوں۔ تمہارے پاپا نے تمہاری شادی طے کر دی ہے اور تم ہو کہ آزاد بیل کی طرح مست بے پروائی کا مظاہرہ کر رہے ہو' کیا چاہتے ہو تم آخر......؟''

''میں یہ شادی نہیں کرنا چاہتا مما! ہادیہ میری پسند نہیں ہے۔''

''بکواس بند کرو' تم شاید بھول گئے ہو تمہاری مرضی پر ہی ہادیہ سے تمہاری نسبت طے ہوئی تھی۔''

''ہوئی ہوگی مگر اب وہ میری پسند نہیں ہے۔''

''یہ کیا بکواس ہے عباد! تم رشتوں کو مذاق سمجھتے ہو؟''

وہ غصے سے دہاڑی تھیں۔ جواب میں عباد نے محبت سے ان کے ہاتھ تھام لیے۔

''آئی ایم سوری مما! میں واقعی بہت شرمندہ ہوں آپ سے۔ میرا مقصد کسی بھی طرح سے آپ کو اذیت پہنچانا نہیں' مگر آپ میری ماں ہیں اور میں جو بات آپ سے شیئر کر سکتا ہوں اور کسی سے نہیں کر سکتا۔ مجھے سمجھنے کی کوشش کریں۔ میں ہادیہ کے ساتھ خوش نہیں رہ سکتا۔''

''تو یہ بات اپنے پاپا کو بتاؤ مجھے نہیں۔ میرا کوئی اختیار نہیں ہے' نہ تم پر نہ ان پر۔''

''او کے' کہہ دوں گا۔''

''بہت بدتمیز ہو گئے ہو تم کون ہے وہ لڑکی جس نے اتنی خودسری سکھا دی ہے تمہیں؟'' اچانک وہ بھڑکی تھیں۔ عباد نے اس بار گہری سانس بھر کر سر سوفے کی پشت گاہ سے ٹکا دیا۔

''میں کسی کی باتوں میں آنے والا نہیں ہوں مما! اور یہ بات آپ بہت اچھے طریقے سے جانتی ہیں۔''

''پھر اس شادی سے انکار کی وجہ؟'' اس بار آواز اس کے پیچھے سے آئی تھی۔ عباد نے چونک کر گردن موڑی اور سوفے کی پشت پر یاور صاحب کو کھڑے دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''السلام علیکم پاپا!''

''وعلیکم السلام برخوردار! کچھ پوچھا ہے میں نے آپ سے؟'' ان کے تیور کڑے تھے۔ عباد کو لگا اگر اس وقت وہ کمزور پڑ گیا تو پھر کبھی ان سے اپنی بات نہیں منوا سکے گا۔ تبھی اس نے لب کچلتے ہوئے رخ پھیرا تھا۔

''میں کسی اور کو پسند کرتا ہوں پاپا! اور اسے پرپوز بھی کر چکا ہوں۔''

''ہمیں مطلع کیے بغیر۔ کسی بھی اہمیت کے قابل نہیں سمجھا تم نے ہمیں؟''

''ایسی بات نہیں ہے پاپا! میں نے صرف پرپوز کیا ہے نکاح نہیں کیا۔''

''تو وہ بھی کر لو۔ ہم سمجھ لیں گے ہمارا کوئی بیٹا تھا ہی نہیں۔''

''ٹھیک ہے۔ جیسی آپ کی خوشی' میں کل ہی یہاں سے شفٹ ہو جاؤں گا۔''

وہ انہی کا بیٹا تھا اور بے حد ضدی' یاور صاحب کے ساتھ آسیہ بیگم بھی اس کا منہ دیکھتی رہ گئی تھیں۔ مگر وہ

وہاں سے سیدھا اپنے کمرے میں چلا آیا تھا۔

''سن لیا آپ نے......؟ وہ گھر چھوڑنے کو تیار ہے۔''

''ہوں' مگر میں بھی اس کا باپ ہوں۔ اتنی آسانی سے اسے اپنی من مرضی نہیں کرنے دوں گا۔''

''مجھے ڈر لگ رہا ہے یاور! اولاد قد میں برابر آجائے تو ان کے ساتھ زبردستی نہیں چلتی۔''

''جانتا ہوں مگر تم فکر مت کرو۔ ان شاء اللہ وہی ہوگا جو ہم چاہیں گے۔'' ان کے ذہن میں کچھ تھا۔ آسیہ بیگم ان کے ارادے سے بے خبر' ساری رات بے چینی سے کروٹ بدلتی رہیں۔ اگلے روز عباد ابھی بے دار نہیں ہوا تھا کہ وہ یاور صاحب کی ہدایت پر اس کے کمرے میں چلی آئیں۔

عباد کی آنکھ اپنے بالوں میں ان کی نرم انگلیوں کے لمس سے کھلی تھی۔ وہ رو رہی تھیں۔

''مما! آپ یہاں......؟'' فوراً سے پیشتر وہ اٹھ بیٹھا جواب میں آسیہ بیگم نے اپنے آنسو پونچھ لیے۔

''ہاں دیکھنے آئی تھی کہ جس بیٹے کو میں نے اپنی کوکھ سے جنم دیا راتوں میں جس کے لیے جاگی' وہ آج خود مختار ہو کر کسی ایک لڑکی کے لیے اسی ماں کو چھوڑ جانے کا فیصلہ کر کے کیسے سکون کی نیند سوتا ہے۔''

''اونو مما! کسی لڑکی کے لیے آپ کو کبھی نہیں چھوڑ سکتا۔ مگر...... پاپا جو چاہتے ہیں وہ کرنا بھی میرے لیے آسان نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے' تمہارے پاپا کچھ بھی کہتے رہیں مگر میرے لیے میرے چاند کی خوشیوں سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں ہے۔ جو تم چاہو گے وہی ہوگا۔ بس ابھی خاموش رہو۔ بلکہ مکمل طور سے خود کو بزنس میں گم کر کے ثابت کر دو کہ تم کسی سے کم نہیں ہو' اگر وہ تمہیں عاق کریں گے تو نقصان اٹھائیں گے۔ کل سڈنی جانا ہے انہیں' ایک ماہ کے ٹور پر۔ میں چاہتی ہوں اس بار ان کی جگہ اس ٹور پر تم جاؤ اور جب واپس آؤ تو اتنے کامیاب ہو کہ وہ خوش ہو کر ہماری ہر ایک بات تسلیم کرنے کو تیار ہو جائیں۔'' عباد کے مضبوط گرم ہاتھوں کو اپنے نرم ہاتھوں میں دباتے ہوئے وہ اس کا ذہن بنا رہی تھیں۔ عباد نے ان کے چہرے پر ممتا کے رنگ دیکھتے ہوئے کچھ سوچ کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

''ٹھیک مما! اگر آپ میرے ساتھ ہیں تو جیسا آپ کہیں گی ویسا ہی ہوگا۔''

''شاباش میری جان! چلو اب جلدی سے اٹھ کر شاور لو اور ناشتا کرو' تب تک میں تمہارے پاپا سے بات کرتی ہوں۔'' اس کے اقرار پر بے پناہ خوش ہوتے ہوئے انہوں نے اس کی پیشانی چومی تو جواب میں وہ کمبل ہٹاتے ہوئے بستر سے اٹھ کھڑا ہوا۔ آسیہ بیگم کی محبت اور رضا مندی نے اس کے اندر جیسے نئی روح پھونک دی تھی۔ اس کا دل چاہا وہ فوری صاعقہ کو فون کر کے یہ خوش خبری سنائے مگر پھر خوب صورت سرپرائز کا سوچ کر اس کام کو بھی اپنی واپسی پر اٹھاتے ہوئے اس نے صبح بخیر کے میسج کے ساتھ اسے اپنی سڈنی روانگی کی اطلاع دی اور مسرور سا واش روم کی طرف بڑھ گیا۔

……♥☆♥……

انزلہ کے قدم جونہی حویلی کے وسیع صحن میں پڑے بہزاد کی ماں اور بابا دونوں کے چہروں پر مسرت دوڑ گئی۔ دادی ماں کا چہرہ البتہ ابھی بھی سنجیدہ تھا۔ وہ حیران سی آگے بڑھ آئیں۔

''آ گئی میری دھی! بڑے مبارک قدم ہیں اس کے......!''

بابا کے لہجے میں اس کے لیے صرف محبت ہی نہیں' توصیف اور ستائش بھی تھی اور یہ توصیف و ستائش کیوں تھی' اس وقت وہ نہیں جان پائی تھی۔

''السلام علیکم! سب ٹھیک تو ہے نا!'' قدرے حیران' سب سے پیار لیتی وہ دادی ماں کے پہلو میں ٹک گئی تھی۔ بہزاد الٹے پیروں ڈیرے کی طرف بڑھ گیا۔ دادی اب احسن کی طرف دیکھے بغیر کہہ رہی تھیں۔

''ہاں' اللہ کے فضل سے سب ٹھیک ہے بس آج سے تو اس حویلی کی امانت ہوگئی ہے۔ کنیز کا فون آیا تھا بہزاد بیٹے کی طرف اسی نے اجازت دی ہے۔''

''کیسی اجازت! اور مما کا بہزاد سے کیا تعلق ہے؟'' وہ ساکت ہی تو رہ گئی تھی تاہم اس سے پہلے کہ دادی ماں اسے جواب دیتیں بابا بول اٹھے۔

''تعلق کیسے نہیں ہوگا بیٹے! بتایا تو تھا آپ کے بابا کا بہت گہرا تعلق تھا اس حویلی سے اور بہزاد تو کھیلا ہی کنیز کی گود میں ہے' جب آپ پیدا ہوئی تھیں تو تبھی میں نے بہزاد کے لیے آپ کو مانگ لیا تھا۔''

''مگر ماما نے مجھ سے کبھی ایسی کوئی بات نہیں کی۔'' اس کا دل بہت تیزی سے دھڑک رہا تھا چہرے کی رنگت بھی بدل گئی تھی۔ تبھی دادی ماں نے سختی سے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔

''ہر بات وقت سے پہلے تیرے علم میں لانا ضروری نہیں۔''

''مگر یہاں میری زندگی کی بات ہو رہی ہے دادی ماں!''

''تو کوئی سولی تو نہیں چڑھا رہا ہے تجھے۔ رشتہ ہی پکا کر رہے ہیں پھر اتنا شور مچانے کی کیا ضرورت ہے؟''

بڑی ماں اور بابا کے سامنے یہ عزت افزائی اسے غرق کر رہی تھی۔ وہ روہانسی سی اٹھ کر حویلی کے کشادہ صحن سے نکل آئی۔ باہر ڈیرے کی طرف بہزاد اپنی گن صاف کر رہا تھا۔ وہ اس کی طرف بڑھ آئی۔

''بہزاد یہ سب کیا ہے۔ آپ نے مجھ سے کہا تھا میں اسے اپنی محبت سے انسان بنا لوں' ساری برائیاں سارے غلط کام چھڑا دوں اور اب جب کہ وہ ہوش میں بھی نہیں آیا ہے۔ آپ چاہ رہے ہیں میں پھر اسے اس کے حال پر چھوڑ دوں۔ بھٹکنے دوں اسے گمراہی میں تنہا۔''

''ہاں۔''

ٹھہرے جامد لہجے میں اس کی ''ہاں'' نے پل میں برف کر دیا تھا اسے وہ ہکا بکا سی اس کا منہ دیکھتی رہ گئی۔

''مگر کیوں؟''

''کیونکہ تم نے ساری دنیا کی بھلائی کا ٹھیکہ نہیں لے رکھا۔ نہ ہی وہ شخص تمہاری کوششوں سے سدھرنے والا ہے۔''

''مگر پھر بھی میں اسے تنہا نہیں چھوڑ سکتی فی الحال اسے سہارے کی ضرورت ہے۔''

''تو ہو' اس شخص کے لیے تمہاری اس درجہ ہمدردی میری سمجھ سے باہر ہے انزلہ شاہ!'' وہ برہم ہوا تھا۔ انزلہ کو لگا اس کا دماغ پھٹ جائے گا۔

”سوری بہزاد علی مراد! میں اپنی زندگی کے ذاتی معاملات میں کسی کی بھی پابند نہیں ہوں۔ جیسے خوش بو پر کوئی پہرا نہیں، جھرنوں پر کوئی بندش نہیں، ایسے ہی انزلہ شاہ بھی آزاد ہے۔ وہ شخص اس وقت ٹوٹ پھوٹ کے عمل سے گزر رہا ہے اور یہی وہ وقت ہے جب مجھے اس کی مدد کرنی ہے اسے حیوان سے انسان بنانا ہے۔ تم اس کے لیے چاہو تو سمجھوتا کرلو۔ چاہو تو مجھ سے دستبردار ہوجاؤ۔ مجھے کوئی پروا نہیں ہے۔“ اپنی بات مکمل کرنے کے بعد وہ پلٹ آئی تھی اور بہزاد علی مراد کی پُرسوچ نگاہیں دور تک اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہیں۔

* * *

دونوں بازو سر کے نیچے ٹکائے بستر پر چت لیٹا وہ جانے کس سوچ کے حصار میں تھا کہ انزلہ شاہ کی کمرے میں آمد نے اسے چونکا دیا۔ خیالوں کا تسلسل ٹوٹا تھا اور اب وہ صرف اسے دیکھ رہا تھا۔

”السلام علیکم!“ اداس چہرے پر بہت نرم مسکراہٹ سجا کر اس نے کہا تھا مگر سانول نے جواب نہیں دیا۔ وہ شاید اس سے بہت خفا تھا۔

”تو اب تم سلام کا جواب بھی نہیں دو گے؟ ٹھیک ہے مت دو مگر میں تو پھر بھی یہاں آؤں گی اور بار بار آؤں گی۔“ وہ مسکرا کر کہتی پاس چلی آئی تھی سانول نے اس بار اپنی نظریں اس کے چہرے سے ہٹالیں۔

”آتی رہنا، میں آج ڈسچارج ہو رہا ہوں یہاں سے۔“

”پاگل ہوئے ہو؟ اتنا بڑا آپریشن ہوا ہے ابھی ٹھیک نہیں ہوئے اور تم......!“

”ہاں میں ڈسچارج ہو رہا ہوں۔ زخموں کی پروا نہ میں نے پہلے کبھی کی تھی نہ اب کروں گا۔ تم رکھو اپنی ہمدردیاں اپنے پاس سنبھال کر۔“

”صرف ہمدردیاں سانول......؟“ کس قدر دکھ سے اس نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ وہ نظریں چرا گیا۔

”پچھلے چند روز سے گاؤں میں بہت سکون ہوگیا ہے۔ لوگوں نے پھر سے اپنے بچوں کو اسکول بھیجنا شروع کردیا ہے۔ اب وہ جھولیاں اٹھا اٹھا کر تمہاری موت کے لیے دعا نہیں کرتے۔ کیونکہ انہیں یقین ہے اس بار تم زندہ گاؤں واپس نہیں آؤ گے۔ ہاں، تمہارے مرحوم ڈرائیور کی بیوی اور بیٹیاں ضرور دن رات تمہاری عبرت ناک موت کی دعائیں مانگتی ہیں اور وہ ڈرائیور کا بیٹا اس کی رگوں میں تاحال انتقام کا خون جوش مار رہا ہے۔ سنا ہے راتوں کو نیند نہیں آتی اسے۔ کچھ کھاتا پیتا بھی نہیں ہے۔ اصل میں کسی طاقت ور امیر کے ہاتھوں جب کسی بے کس غریب پر ظلم ڈھایا جاتا ہے تو یہی کیفیت ہوتی ہے سانول! بہت اذیت میں گرفتار ہوکر رہ جاتا ہے وہ بے کس غریب دنیا کی عدالتوں میں انصاف نہیں ملتا اسے مگر......!“

”تم اپنی بکواس بند کرو گی یا میں کمرے سے باہر نکالوں تمہیں؟“ اس کی توقع کے عین مطابق وہ بھڑکا تھا۔ وہ مسکرادی۔

”اب گھاؤ کیسے ہیں تمہارے؟“ اگلے ہی پل اس نے موضوع بدل دیا تھا۔ سانول نے خاموشی سے پلکیں موند لیں۔

”چھوڑوں گا نہیں میں اپنے بڑے بھائی کو، جتنے گھاؤ اس نے میرے وجود پر لگائے ہیں ایک ایک کا حساب لوں گا۔“

”ضرور لینا، دولت اور اقتدار کی سب سے بڑی پہچان ہی یہی ہے کہ خون کے رشتے کو بے حس کر کے بے جان چیزوں کی اوقات بڑھا دیتی ہے اور کتنے مزے کی بات ہے قیس کہ یہ بے جان چیزیں مدتوں یونہی پڑی رہتی ہیں مگر رشتے نہیں رہتے۔“

”خدا کا واسطہ ہے انزلہ شاہ! تم جاؤ یہاں سے۔“ ایک بار پھر وہ بے زار ہوا تو انزلہ خاموشی سے اٹھ کر اس کی دوائیاں چیک کرنے لگی۔ کل بہزاد علی مراد کی حویلی میں جو فیصلہ اس کی تقدیر کا ہوا۔ وہ اس پر بہت دل برداشتہ تھی۔ جانے کیوں کل سے پھر میران شاہ بہت یاد آرہا تھا اسے جانے وہ کہاں چلا گیا تھا۔ زوبی کے بعد ایک وہی تو تھا جو اسے اندر سے جانتا اور سمجھتا تھا۔

دوائیاں چیک کرنے کے بعد وہ پلٹی تو سانول کو پلکیں موندے بے خبر سوتے پایا۔ نجانے وہ جاگ رہا تھا یا نہیں۔ وہ بنا اس کے چہرے سے نظریں ہٹائے قریب آبیٹھی۔

موٹی موٹی بند غلافی آنکھیں۔ مغرور تنی ہوئی تیکھی ناک، کشادہ پیشانی پر بکھرے سیاہ ریشمی بال، مضبوط چوڑے کندھے، بھاری مونچھوں تلے دبے گداز ہونٹ، وہ واقعی اس قابل تھا کہ اسے نظر بھر کر دیکھنے کے بعد سراہا جاتا۔ جانے وہ کیوں بھٹک کر رہ گیا تھا۔ اعلیٰ تعلیم بھی اس کے اندر سے روایتی جاگیردار کی سوچ تبدیل نہیں کرسکی تھی۔ اس لمحے جانے کیا سوچتے ہوئے اس نے شہادت کی انگلی سے اس کی پیشانی، پھر ناک، پھر ہونٹوں کو چھوا تھا۔

”تم برے ہو سانول شاہ! قابل نفرت ہو لوگوں کے لیے پھر بھی انزلہ شاہ تم سے پیار کرتی ہے۔“ اس کا لہجہ سرگوشی سے بلند نہیں تھا مگر پھر بھی سانول شاہ نے آنکھیں کھول دی تھیں۔

”انزلہ شاہ سے کہو مت پیار کرے مجھ سے میں اس کی محبت کے قابل نہیں ہوں۔ بہت برا انسان ہوں میں۔“

”اسے برے نہیں لگتے وہ تمہیں اپنانا چاہتی ہے قیس!“

”اس کا قیس نہیں رہا اب۔“

”اچھا! تو پھر بچپن کی منگ سے تعلق کیوں توڑا؟ اپنے بھائی کی بات مان کر شادی کیوں نہیں کرلی؟“

”وہ لڑکی میرے قابل نہیں تھی۔“

”ایسا کب تک چلے گا قیس! کیا تم ساری زندگی خود سے یونہی لڑتے رہو گے؟“

”پتا نہیں، مگر یہ طے ہے انزلہ کہ اب کسی خوب صورت خوش گوار زندگی پر میرا کوئی حق نہیں رہا ہے۔ بابا کے بعد خدائی کا جو نشہ میں نے چکھا ہے وہ اب سکون سے جینے بھی نہیں دے گا۔ میں جانتا ہوں ایک روز میں انہی پر پیچ راستوں پر بھٹکتے بھٹکتے کسی بدنام دہشت گردوں کی طرح موت کی بے رحم بانہوں میں چلا جاؤں گا۔ مگر مجھے اب اس کا افسوس نہیں ہے انزلہ! کیونکہ میں جانتا ہوں میں دنیا کے لیے جتنا بھی قابلِ نفرت سہی مگر اب بھی کوئی ہے، جو میرے مرنے کے بعد......!“

اس سے پہلے کہ وہ اپنی بات مکمل کرتا انزلہ شاہ نے سرعت سے ہاتھ اس کے منہ پر رکھ دیا۔

”جب تک انزلہ شاہ کے جسم سے روح کا تعلق برقرار ہے قیس! تب تک تمہیں کچھ نہیں ہوسکتا۔“ ایک دم

سے بہت حساس، بہت جذباتی ہوگئی تھی۔ سانول شاہ اسے دیکھتا رہ گیا۔

”تمہیں خدائی کرنے میں مزا آتا ہے، تم کرو خدائی، مگر خدا کا واسطہ ہے سانول! مجھے میرا قیس واپس کرو۔ میں اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی ہوں خوش نہیں رہ سکتی۔“ وہ رو رہی تھی۔ سانول کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔

”میں جانتی ہوں قیس! تم بہت اچھے ہو۔ یقیناً تم بہت اچھے ہو یقیناً تم نے بھی زندگی میں بہت دکھ اٹھائے ہیں۔ میرا یقین کرو میرا دل تمہارے ہر نقصان پر تازہ زخم کی مانند رس رہا ہے۔ مگر میں تمہیں مزید ان اذیتوں کی گود میں سانس لیتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی۔ وہ خوب صورت دن جو ہاتھ سے نکل گئے ہیں۔ بہت انمول تھے۔ میں انہیں دنوں میں واپس جانا چاہتی ہوں قیس! تمہارے ساتھ ایک خوش گوار زندگی بسر کرنا چاہتی ہوں۔ اس سے پہلے کہ میری تقدیر ہمارے درمیان صدیوں کے فاصلے حائل کردے۔ میں تمہیں پالینا چاہتی ہوں۔ تمہیں یہ احساس دلانے کے لیے ایک عاجز انسان بن کر جینے میں بھی زندگی بہت خوب صورت ہے۔ میں ساری کشتیاں جلا کر آسکتی ہوں سانول! پلیز میرے ہو جاؤ۔“ وہ مضبوط سوشل گرل تھی مگر اس لمحے محبت کے احساس میں بکھر رہی تھی۔ سانول نے بہت آہستگی سے اپنا ہاتھ اس کے سرد ہاتھوں کی گرفت سے نکال لیا تھا۔

”میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے انزلہ! پلیز اس وقت تم جاؤ یہاں سے۔“ اس کا کوئی لفظ اس وقت اس پتھر دل انسان پر اثر نہیں کر رہا تھا۔ وہ مایوس سی اٹھ آئی۔

سانول نے اس کے کمرے سے باہر نکلنے پر بے ساختہ گہری سانس بھری تھی۔

کچھ مرحلے وفا کے جفا کے سپرد ہیں
وہ دیپ کیا جلیں جو ہوا کے سپرد ہیں
اس نے بھی اپنی ضد نہیں چھوڑی کسی طرح
ہم کیا کریں ہم بھی انا کے سپرد ہیں

……♥☆♥……

دن خاصا ڈھل چکا تھا۔

دور نیلے آسمان پر اڑتے پرندے اب جیسے تھک ہار کر اپنے ٹھکانوں کو واپس پلٹ رہے تھے۔ فضا میں حبس قدرے بڑھ گیا تھا۔ اونچے اونچے درختوں کے سرسبز پتے ساکت تھے۔ دور افق کے اس پار غروب ہوتا سورج، اب اپنی نارنجی کرنیں تیزی کے ساتھ سمیٹ رہا تھا۔ قریب ہی کچے گھروں کے کھلے احاطے میں خواتین اپنے گھریلو فرائض سرانجام دیتی دکھائی دے رہی تھیں۔

گھر سے اسکول جاتے ہوئے انزلہ شاہ نے عجیب تھکی تھکی سی نظر اٹھا کر دیکھا تھا۔ وہاں بہت دور تک مٹی سے اٹے کچے راستے پر کسی سانول شاہ کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ گاؤں کے لوگ مسرور تھے، مگر اس کا دل جیسے سنسان ہو کر رہ گیا تھا۔ آج کتنے دن ہو گئے تھے اس کی صورت دیکھے۔ اب تو بہزاد علی مراد بھی ملک سے باہر تھا۔ دادی ماں کے رویے میں تھوڑی بہت لچک آئی تھی مگر اب وہ زیادہ خود ہی ان سے بات نہیں کرتی تھی۔

دل جیسے بجھ کر رہ گیا تھا۔

تھکے تھکے سے قدم اٹھاتی وہ قبرستان کے قریب سے گزر رہی تھی جب اچانک ٹھٹک کر رک گئی۔ وہاں قبرستان سے کچھ ہی فاصلے پر درختوں کے جھنڈ کے قریب سانول شاہ کا ڈیرہ تھا اور وہیں درختوں کے جھنڈ کے قریب سے قدرے فاصلے پر وہ ایک درخت سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔

وہ سرعت سے اس کی طرف لپکی۔

”قیس!“

اس کی پکار پر سانول شاہ نے بھی آنکھیں کھولنے میں ایک لمحے کی تاخیر نہیں کی تھی ہلکی ہلکی بڑھی ہوئی شیو کے ساتھ ساری دنیا سے بے نیاز وہ کتنا دل کے قریب لگ رہا تھا۔ گو ابھی اس کے زخم پوری طرح سے مندمل نہیں ہوئے تھے مگر پھر بھی وہ گاؤں چلا آیا تھا۔ انزلہ دھڑکتے دل کے ساتھ وہیں اس کے مقابل بیٹھ گئی۔

”اب کیسی طبیعت ہے؟“

”ٹھیک ہوں، تم آئیں نہیں دوبارہ۔“

”کوئی فائدہ ہی نہیں تھا آنے کا۔ بلکہ اب تو تمہیں بہت خوش ہو جانا چاہیے ڈیئر کہ میں یہاں سے جا رہی ہوں شاید ہمیشہ کے لیے۔“

”کہاں جا رہی ہو؟“

”مما کے پاس۔“

”کیوں؟“

”تمہارے ”کیوں“ کا جواب نہیں ہے میرے پاس، مگر میری تقدیر کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ مجھے کسی سے کوئی شکایت نہیں ہے سانول! شاید جو بھی ہوا اچھا ہی ہوا۔ میں اب بھی تم سے یہ نہیں کہوں گی کہ تم یہ غنڈہ گردی چھوڑ دو۔ کیونکہ میں جانتی ہوں، تمہیں اپنی خوشی، اپنی آن و شان آج بھی ہر شے سے زیادہ پیاری ہے۔ میں کیا اور میری بے لوث محبت کیا۔“ بہت دھیمے لہجے میں بولتے ہوئے اس کی آنکھیں جل رہی تھیں۔ تبھی وہ بولا۔

”کیوں جا رہی ہو؟“

”شادی طے ہوگئی ہے میری، بہزاد علی مراد سے اور اب اسے میرا تم سے میل جول رکھنا گوارا نہیں ہے۔ سچ پوچھو تو میں خود بھی اب کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتی تم سے نفرت کا، نہ محبت کا تمہارا جو دل چاہے وہ کرنا، کوئی منع نہیں کرے گا تمہیں نہیں پوچھوں گی اب کہ تم نے میران شاہ کے ساتھ کیا کیا؟ ادریس شاہ کی بہن گوری کا کیا بنا، وہ کہاں گئی؟ کچھ نہیں پوچھوں گی اب میرا تم سے جو تعلق تھا وہ ایک سہانے خواب کے سوا اور کچھ بھی نہیں تھا اور تمہاری مجھ سے جو نام نہاد محبت تھی وہ ایک بکواس کے سوا اور کچھ نہیں تھی۔“

”بس! آگے ایک لفظ بھی مت بولنا انزی! میں اپنی محبت کے معاملے میں تمہارا کوئی بہتان برداشت نہیں کروں گا۔“ شدتِ ضبط سے اس وقت اس کی آنکھیں خوب سرخ ہو رہی تھیں۔ مگر وہ بالکل سپاٹ چہرہ

لیے اس کے مقابل بیٹھی ان آنکھوں میں دیکھتی رہی جہاں اس وقت ایک طوفان مچل رہا تھا۔

”سچ کڑوا ہوتا ہے سانول شاہ! اور تمہاری محبت کا سچ یہی ہے کہ وہ محض ایک بکواس کے سوا اور کچھ نہیں تھی۔“

”چٹاخ۔“

بہت دنوں کے بعد اس نے انزلہ شاہ کی کسی بات پر ضبط کھویا تھا۔ مگر وہ تھپڑ کی شدت سے سرخ گال کے ساتھ بھی مسکرا رہی تھی۔

”تھینکس۔“ ڈبڈبائی آنکھوں میں تشکر کا احساس لیے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بہت آہستگی سے اس نے کہا تھا جواب میں سانول شاہ نے از حد اضطراب کے عالم میں رخ پھیر لیا۔

”میں زندگی میں سب کچھ کھو چکا ہوں انزلہ! سب کچھ گنوا دیا ہے میں نے، سب کچھ۔ مگر تمہیں کھو کر جینے کا حوصلہ نہیں ہے مجھ میں۔ خدا کا واسطہ ہے تمہیں۔ اپنی فضول ضد چھوڑ دو۔ یہاں چھپکلی کی طرح سہم کر دیوار سے لگ جانے والوں کو کوئی نہیں پوچھتا۔ بس جس کے پاس طاقت ہے وہی سر اٹھا کر زندہ رہ سکتا ہے۔“

”ہمیں ایسی زندگی نہیں چاہیے سانول! ہمیں لوگوں پر اپنی دہشت، اپنی دھاک بٹھا کر نہیں جینا۔ یہاں جس کو دیکھو وہی طاقت کے نشے میں چُور مست ہاتھی کی طرح جھوم رہا ہے۔ اپنے سے کمتر کو دبا کر سکون محسوس کرتا ہے۔ خدا کی زمین پر خدائی کا دعویٰ کرتا ہے۔ ہنستی مسکراتی زندگیوں کا فیصلہ کرتا ہے۔ یہاں بہت سے دیہات ایسے ہیں سانول جہاں کوئی نہ کوئی چوہدری، کسی نہ کسی میراں شاہ پر ظلم کے پہاڑ توڑ رہا ہے۔ جہاں تعلیم منہ چھپائے رو رہی ہے۔ زہریلی رسمیں فروغ پا کر انسانیت کو خون کے آنسو رونے پر مجبور کر رہی ہیں۔ جہاں زندگی تھک رہی ہے سانول! مگر آج تک کوئی کسی ڈرائیور کا بیٹا، بندوق اٹھا کر ان برائیوں کو جڑ سے ختم نہیں کر سکا ہے۔ کسی وزیر مشیر کے پاس اتنی فرصت ہی نہیں کہ وہ محض چند گھڑیوں کے لیے ہی سہی۔ کبھی ان دیہاتوں میں آ کر یہاں فروغ پاتی حیوانیت کا نظارہ کر سکے جہالت کی بھینٹ چڑھتی زندگیوں کے اوراق پلٹ سکے۔ درد سے چور دلوں کا حال سن سکے۔ رنج و کرب سے برستی بے بس آنکھوں کے انمول موتیوں کو چن سکے۔ ہم سب مر گئے ہیں قیس! نفسا نفسی اور بے حسی کے زہر نے ہم سب کو پتھر کا بنا دیا ہے۔ اب ہم پر اچھے برے موسم اثر انداز نہیں ہوتے کسی کی سسکیاں کسی کی بد دعائیں ہمارے ذہن کو نہیں جھنجوڑتیں ہم سب بھنبھوڑ، بھنبھوڑ کر اپنے ہی مسلم بھائیوں کا گوشت کھا رہے ہیں۔ اسی لیے تو اللہ رب العزت نے بھی ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیا ہے۔ قدم قدم پر ٹوٹتی آفتیں ہمارا نصیب بن کر رہ گئی ہیں۔ جب مر جانا ہی مقدر ٹھہرا تو پھر کیوں نا سرخرو ہو کر مریں۔ کیوں نا اپنے معبودِ حقیقی کے سامنے سرشار ہو کر مریں کہ جس نے ہم سب پر اپنا خاص کرم فرماتے ہوئے، ہمیں اپنے محبوب نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب امت میں پیدا فرمایا۔ سانول کیوں نا ہم وہ راستے ہی بند کر دیں جو ہمارے اس معاشرے میں جانے کتنے ہی بے بس نوجوانوں کو غلط منزل کی طرف لے جا رہے ہیں۔ جب مر جانا ہی مقدر ٹھہرا تو کیوں نا اس زندگی کو کسی کی بھلائی کے لیے وقف کر دیں؟“ خوب صورت سیاہ آنکھوں میں اک جوت جگائے وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ جواب میں سانول نے گہری سانس بھرتے ہوئے رخ پھیر لیا۔

”کیا کرنا چاہتی ہو تم؟“

”کچھ نہیں! بس جہالت کو ختم کرنا چاہتی ہوں۔ بھٹکے ذہنوں کو راہِ راست پر لانا چاہتی ہوں۔ گمراہ لوگوں کی درست رہنمائی کرنا چاہتی ہوں۔“

”نہیں کر سکو گی تم چاہ کر بھی ایسا نہیں کر سکو گی انزلہ شاہ! کیونکہ جب بھی تم اپنے ان احساسات کو ذہن کے طاقچے سے نکال کر عمل کی دہلیز تک لاؤ گی تمہیں مار دیا جائے گا۔ تمہارے اپنے آزاد وطن میں تمہارے اپنے لوگ تمہیں مار ڈالیں گے۔ کسی سڑک پر چلتے ہوئے کسی ان دیکھی گاڑی کے نیچے آ کر کچلی جاؤ گی۔ کسی انجانی سمت سے آتی ہوئی گولی سینے پر کھا کر مر جاؤ گی۔ کسی طاقت ور بم کے کہیں پھٹنے سے تمہاری موت ہو جائے گی۔ یہاں کوئی تمہیں سچ کی راہ پر چلنے نہیں دے گا۔ حکمرانی کے نشے میں چُور یہ لوگ تم سے تمہاری زندگی کو چھین لیں گے۔ انزلہ! مار ڈالیں گے تمہیں۔“

یونیورسٹی کے بعد وہ پہلی بار اسے یوں جذباتی دیکھ رہی تھی۔ تبھی لبوں پر مسکراہٹ پھیلاتے ہوئے بولی۔

”جب مر جانا ہی مقدر ٹھہرا تو کیوں نا سچائی کی راہ گزر پر چلتے ہوئے موت سے ہاتھ ملائیں قیس! بد دعائیں لے کر کیوں مریں۔ حبس زدہ فضا میں مزید اندھیرے کیوں بکھیریں؟ ہماری زندگی میں کچھ تو ایسا ہو کہ ہم دنیا سے سرخرو ہو کر جا سکیں۔“

اس وقت انزلہ شاہ کے لہجے میں جو مضبوطی اور آنکھوں میں جو پیاس تھی اس نے سانول شاہ کی ذات پر چڑھے بے حسی اور کٹھور پن کے خول کو توڑ دیا تھا۔ وہ ٹوٹنا نہیں چاہتا تھا مگر انزلہ شاہ نے بالآخر اسے ریزہ ریزہ کر کے توڑ ڈالا تھا۔ تیز سیلاب کی مانند اس کی محبت کے بہاؤ نے اس مضبوط درخت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا تھا۔ وہ اس کی آنکھ میں مچلتے جدائی کے خوف سے لڑھکتے آنسوؤں سے ہار گیا تھا۔

کوئی زنجیر ہو چاہت کی، چاندی کی، روایت کی
محبت توڑ سکتی ہے
یہ ایسی ڈھال ہے، جس پر
زمانے کی کسی تلوار کا سکہ نہیں چلتا
اگر چشمِ تماشا میں ذرا سی بھی ملاوٹ ہو
یہ آئینہ نہیں رہتا
یہ ایسی آگ ہے، جس میں
بدن شعلوں میں جلتے ہیں تو روحیں مسکراتی ہیں
یہ وہ سیلاب ہے، جس کو
دلوں کی بستیاں آواز دے کے خود بلاتی ہیں
یہ جب چاہے کسی بھی خواب کو تعبیر مل جائے
دعا جو بے ٹھکانا ہو، اسے تاثیر مل جائے
کسی رستے میں، رستہ پوچھتی تقدیر مل جائے

محبت روک سکتی ہے، سمے کے تیز دھارے کو
کسی جلتے شرارے کو فنا کے استعارے کو
محبت روک سکتی ہے، کسی گرتے ستارے کو
یہ چکنا چور آئینے کی کرچیں جوڑ سکتی ہے
جدھر چاہے، محبت یہ باگیں موڑ سکتی ہے
کوئی زنجیر ہو اس کو محبت توڑ سکتی ہے

''تو تم نے قسم کھالی ہے کہ تم مجھے میری مرضی کے مطابق جینے نہیں دو گی؟ ہے نا!'' اگلے ہی پل انزلہ کا ہاتھ اس کی گرفت میں تھا وہ مسکرا دی۔

''ہاں! تمہیں شاید یاد نہیں ہے یونیورسٹی پریڈ میں تم نے خود کو میرے سپرد کر دیا تھا۔ تو پھر میری مرضی۔ جس رستے پر بھی چلاؤں۔''

''چلو ٹھیک ہے مگر مجھے میری ڈگر سے ہٹانے کے بعد اگر ساتھ چھوڑا تو معاف نہیں کروں گا انزلہ!''

''نہیں چھوڑوں گی بس تم میرا ساتھ دینا۔ ہر منزل، ہر گام پر پلیز قیس!''

''ٹھیک ہے۔''

نئے سفر کے لیے نئے عہد ہو رہے تھے اور ادھر تقدیر ان کی بے خبری پر مسکرا رہی تھی۔

……❤☆❤……

نئے گھر میں شفٹ ہونے کے بعد وہ بہت خوش تھی۔

عباد جیسے شاندار، مخلص شخص کا ساتھ کسی جنت سے کم نہیں تھا اس کے لیے۔ اوپر سے اس کی نوازشیں اس کا بس نہ چلتا تھا کہ وہ ہواؤں میں اڑنے لگے۔ گھر میں سب اس کی قسمت پر رشک کرتے نہ تھکتے تھے۔ صائمہ اور آمنہ کی نگاہوں میں الگ ستائش ہوتی تھی۔ اس ایک شخص نے جیسے بہت معتبر کر دیا تھا اسے۔ اس نے سوچ لیا تھا وہ اب کبھی اس سے بدگمان نہیں ہوگی۔ کبھی شک نہیں کرے گی اس کی محبت پر ہمیشہ اس کے چرنوں کی داسی بن کر اسے محبت اور راحت دیتی رہے گی۔

عباد کو سڈنی گئے دو ہفتے ہو گئے تھے اور ان دو ہفتوں میں وہ پل پل اس سے رابطے میں رہا تھا۔ دو ہفتوں کے بعد اچانک اس کی طرف سے خاموشی چھا گئی تھی اور اسی خاموشی نے اسے پریشان کیا تھا۔ ایک دن، دو دن، تین دن، صبر کی انتہا ہو گئی تھی۔

اس نے خود سے عہد کیا تھا کہ وہ بدگمان نہیں ہوگی مگر وہ بدگمان ہو رہی تھی۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ شک نہیں کرے گی مگر وہ شک کر رہی تھی۔ غیر ملک میں، کسی بھی حسینہ کے حسن کا جادو چل سکتا تھا اس پر اور یہ خیال اس کے بدن سے لہو نچوڑنے کو کافی تھا۔ دل کے اندر نہیں اس کے خیریت بخیر نہ ہونے کا خدشہ بھی سر اٹھا رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس روز وہ ''عباد انڈسٹری'' کے مین آفس میں آئی تھی۔ آمنہ اس کے ہمراہ تھی۔

اسی کے ساتھ لنچ بریک سے قبل جب استقبالیہ پر اس نے ''زین'' کا نام لیا تو وہاں موجود لڑکی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''سوری! یہاں اتفاق سے زین نام کے کوئی صاحب کام نہیں کرتے۔ منیجر صاحب کا نام سعد صدیقی ہے وہ ابھی آئے نہیں ہیں۔ آپ پلیز انتظار گاہ میں چاہیں تو بیٹھ کر انتظار کر سکتی ہیں۔'' ریسپشنسٹ کے الفاظ نے اس کے دل کو جیسے دھچکا لگایا تھا۔ وہ ہکا بکا سی اس کا منہ دیکھتی رہ گئی۔

''مگر اس نے تو یہی کہا تھا کہ وہ......!''

''کس نے کہا تھا؟''

ریسپشنسٹ اب اس کی بوکھلاہٹ کو شک کی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ روہانسی سی آمنہ کی طرف منہ پھیر گئی۔

''کسی نے نہیں، ہم منیجر صاحب کا انتظار کرتی ہیں۔''

بالآخر آمنہ نے لب کھولے تھے۔ صاعقہ آنکھوں میں آنسوؤں کے ساتھ جیسے سرد پڑتی جا رہی تھی۔ اگلے پون گھنٹے کے کوفت آمیز انتظار کے بعد انہیں کمپنی منیجر کے آنے کی اطلاع ملی تھی اور عباد نے یہی بتایا تھا کہ وہ کمپنی منیجر کا اسسٹنٹ ہے۔ یقیناً اسی سے اس کے حال احوال کی خبر مل سکتی تھی۔ اسے اب خود پر اور اپنی بے پروائیوں پر غصہ آ رہا تھا کہ ایک ہی کمپنی میں کام کرتے ہوئے وہ اس کے مقام سے کیوں لاتعلق رہی۔ جانے وہ واقعی وہاں کام کرتا بھی تھا یا نہیں۔ ایک کے بعد ایک خدشہ سر اٹھا رہا تھا اور اس کا دل دھڑک دھڑک کر صرف یہی صدا بلند کر رہا تھا۔

''نہیں وہ ایسا نہیں ہے، مجھے اپنے رب پر اور اپنے پیار کی سچائی پر پورا یقین ہے۔ وہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ مجھ سے جھوٹ بولے۔ یقیناً وہ کسی مشکل میں ہوگا۔ یقیناً ریسپشنسٹ کو کچھ بھول رہا ہے۔''

اگلے مزید بیس منٹ کے بعد وہ منیجر کے آفس میں بیٹھی تھی۔

''جی بی بی فرمایئے!''

عام سی شکل و صورت کا حامل ادھیڑ عمر منیجر خاصا خشک بندہ دکھائی دے رہا تھا۔ وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر انہیں تر کرتی۔ بہت مشکل سے بول پائی تھی۔

''وہ...... سر وہ مجھے زین یاور صاحب سے ملنا تھا۔ وہ اسی کمپنی میں آپ کے اسسٹنٹ کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ آج کل سڈنی میں ہیں شاید!''

''آج کل سڈنی میں ہیں تو یہاں کس طرح مل سکتے ہیں آپ کو؟ ویسے بھی میرے کسی اسسٹنٹ کا نام زین نہیں، ضرور آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہوگی۔''

منیجر کا لہجہ اخلاق سے مبرا تھا۔ عین اسی پل کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور ہادیہ کی سینڈل کی آواز اس کی سماعتوں میں اتری تھی۔

''سعد صاحب! یہ چند فائلز ہیں آج فائنل کرنی ہیں۔ انکل کہہ رہے ہیں۔ آپ ایک نظر انہیں دیکھ لیں تو آج بھجوا دیتے ہیں۔'' منیجر اس کی آمد پر فوراً کھڑا ہو گیا تھا۔ تبھی صاعقہ نے پلٹ کر دیکھا تھا۔ تنگ ٹراؤزر پر انتہائی شارٹ قمیص اور گلے میں لٹکتا دوپٹا اس کے ماڈرن ہونے کے ساتھ اس کی حیثیت و مقام ں عیاں کر رہا تھا۔ تاہم وہ اسے فوری پہچان گئی تھی۔ یہ وہی لڑکی تھی جسے عباد نے اپنے باس کی بیٹی کہہ کر متعارف

کروایا تھا۔ دوسری طرف وہ لڑکی بھی اسے پہچان گئی تھی تبھی اس کے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی ٹھٹک گئی۔

"تم...... یہاں......؟"

کیا نہیں تھا ان دو لفظوں میں؟ اسے لگا وہ بھرے بازار میں ننگے سر ہو گئی ہو۔

"انہیں میرے کمرے میں بھیجیں سعد صاحب! بہت اہم مہمان ہیں یہ ہماری۔" استہزائیہ نگاہوں سے عجیب سی جلن چھلکاتی وہ ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلاتے ہوئے بولی اور اگلے ہی پل منیجر کے کمرے سے باہر نکل گئی۔

صاعقہ کو لگا جیسے آج کا دن طلوع ہی اسے ذلیل کرنے کے لیے ہوا ہے۔ وہ اب وہاں آنے پر پچھتا رہی تھی۔ جانے ابھی آگے اور کون سی سچائی اس کا منہ چڑانے کو تیار بیٹھی تھی۔

منیجر نے اسے ہادیہ کے کمرے میں بھجوا دیا اور وہ جیسے ان دونوں کی منتظر ہی تھی۔

عباد یاور کی بہت خوب صورت سی فریش تصویر اس کی ٹیبل پر سیٹ تھی۔ صاعقہ وہ تصویر وہاں دیکھ کر مزید الجھ گئی۔ عین اسی پل یاور حیات صاحب وہاں کمرے میں داخل ہوئے تھے۔

"انکل! یہ کچھ گیسٹ آئے ہیں آپ کے عباد صاحب سے ملنے۔" بنا انہیں بیٹھنے کی آفر کیے اس نے کھڑے کھڑے گولا داغ دیا تھا۔

یاور صاحب اس کی اطلاع پر چونکے تھے۔

"کون ہے یہ......؟"

"وہی آپ کے عباد کی اسپیشل فرینڈ جسے اس روز ریستوران میں دیکھا تھا میں نے اور شاید وہی لڑکی جس کی وجہ سے آج کل وہ بزنس سے بے پروا ہو رہا ہے۔"

کتنا عجیب اور الجھا ہوا تعارف تھا اس کا۔ صاعقہ کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ آخر وہ اسے عباد نام کے شخص سے کیوں منسوب کر رہی ہے۔ آمنہ الگ پریشان اور حیران ہو رہی تھی۔

یاور صاحب اب خاصی تنقیدی نگاہوں سے اسے گھور رہے تھے۔

"بیٹھو!" حکم یوں تھا جیسے وہ ان کی زر خرید غلام ہو۔

وہ دونوں ازحد کنفیوز سی بیٹھ گئی تھیں۔ جواب میں وہ بھی ان کے مقابل ٹک گئے۔

"شکل سے تو دونوں شریف گھرانے کی لگتی ہو پھر ہوٹلوں میں پرائے لڑکوں کے ساتھ ماں باپ کی عزت اچھالتے ہوئے شرم نہیں آتی؟"

اگلے ہی پل سگار جلاتے ہوئے انہوں نے جیسے اسے زندہ درگور کیا تھا۔ وہ رو پڑی۔

"معاف کیجیے گا سر! آپ کو ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ ہم ویسی لڑکیاں نہیں ہیں جیسی آپ سمجھ رہے ہیں۔" یہاں بھی آمنہ نے شدید برہم ہو کر لب کھولے تھے۔

صاعقہ کا دماغ تو جیسے کام ہی نہیں کر رہا تھا۔

"عباد کو کیسے جانتی ہو تم؟" اگلے ہی پل وہ پھر اس کی روح کو رگید رہے تھے۔ اس بار صاعقہ نے سر اٹھایا تھا۔

"کون عباد......؟"

"اللہ رے معصومیت! عباد ان کا بیٹا' اس کمپنی کا مالک وہی شخص جس کے ساتھ اس روز تم وہاں ریستوران میں بیٹھی کھانا کھا رہی تھیں۔" اس کے حیرانی سے پوچھنے پر ہادیہ نے آگ برساتے لہجے میں جواب دیا صاعقہ کو لگا جیسے وہ کسی پہاڑ کے نیچے آ گئی ہو۔

"وہ عباد نہیں تھا۔ زین تھا' زین اس کمپنی کا ایک معمولی سا ورکر۔"

"جسٹ شٹ اپ زیادہ اسمارٹ بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ عباد تھا۔ میرا منگیتر۔" حلق کے بل چلاتے ہوئے اس کا بس نہ چلتا تھا کہ صاعقہ کا چہرہ نوچ لیتی۔ یاور صاحب کے ماتھے کے بلوں میں بھی اضافہ ہوا تھا۔

"میں جھوٹ نہیں بول رہی اس نے اپنا نام زین ہی بتایا تھا۔"

"جھوٹ بولا تھا اس نے تم جیسی لڑکیوں کی کمی نہیں ہوتی امیر زادوں کو کان کھول کر سن لو لڑکی! عباد کی بات ہادیہ بیٹی سے طے ہے اور شادی بھی عنقریب اسی کے ساتھ ہو گی۔ تم اپنا وقت کہیں اور برباد کرو۔ پہلے ہی تمہاری وجہ سے بہت نقصان کر دیا اس نے کمپنی کا۔ سمجھیں تم......!" اس وقت ان کے لبوں سے نکلنے والا ہر لفظ کسی نشتر سے کم نہیں تھا۔ اس کے لیے کوئی عرش سے فرش پر کیسے آتا ہے۔ یہ اس لمحے صاعقہ احمد سے بہتر کوئی نہیں جان سکتا تھا۔ اس کا دل چاہا وہ چلا چلا کر اپنی صفائی دے۔ روئے اور اپنے ساتھ ہوئے فریب کا گلہ کرے مگر اب اس کا فائدہ ہی کیا تھا۔

اس کے اور یاور حیات صاحب کے درمیان محض ایک ٹیبل نہیں دولت اور حیثیت کی بلند فصیل بھی تھی۔ جس کے اوپر سے جھانک کر انہیں دیکھنا اس کے لیے ممکن ہی نہیں رہا تھا۔ کیونکہ عباد یاور کے جھوٹ اور فریب نے بہت پستہ قد کر دیا تھا اسے۔

آمنہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر اس نے اس کا ہاتھ دبا کر اسے خاموش کروا دیا۔ اتنی تذلیل اس جیسی لڑکی کے لیے کافی تھی۔

اس وقت وہاں اس کے محض خواب نہیں ٹوٹے تھے۔ بلکہ وہ خود بھی ٹوٹ کر بکھر گئی تھی۔

جسم میں اتنی سی سکت بھی نہیں رہی تھی کہ وہ خود سے اٹھ کر کھڑی ہی ہو جاتی۔ لبوں پر چپ کا قفل لگائے خود سے کھڑے ہونے کی کوشش میں وہ لڑکھڑا کر رہ گئی تھی۔

اس روز اگر آمنہ عباس اس کے ساتھ نہ ہوتی تو شاید وہ صحیح سلامت گھر نہ پہنچ پاتی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

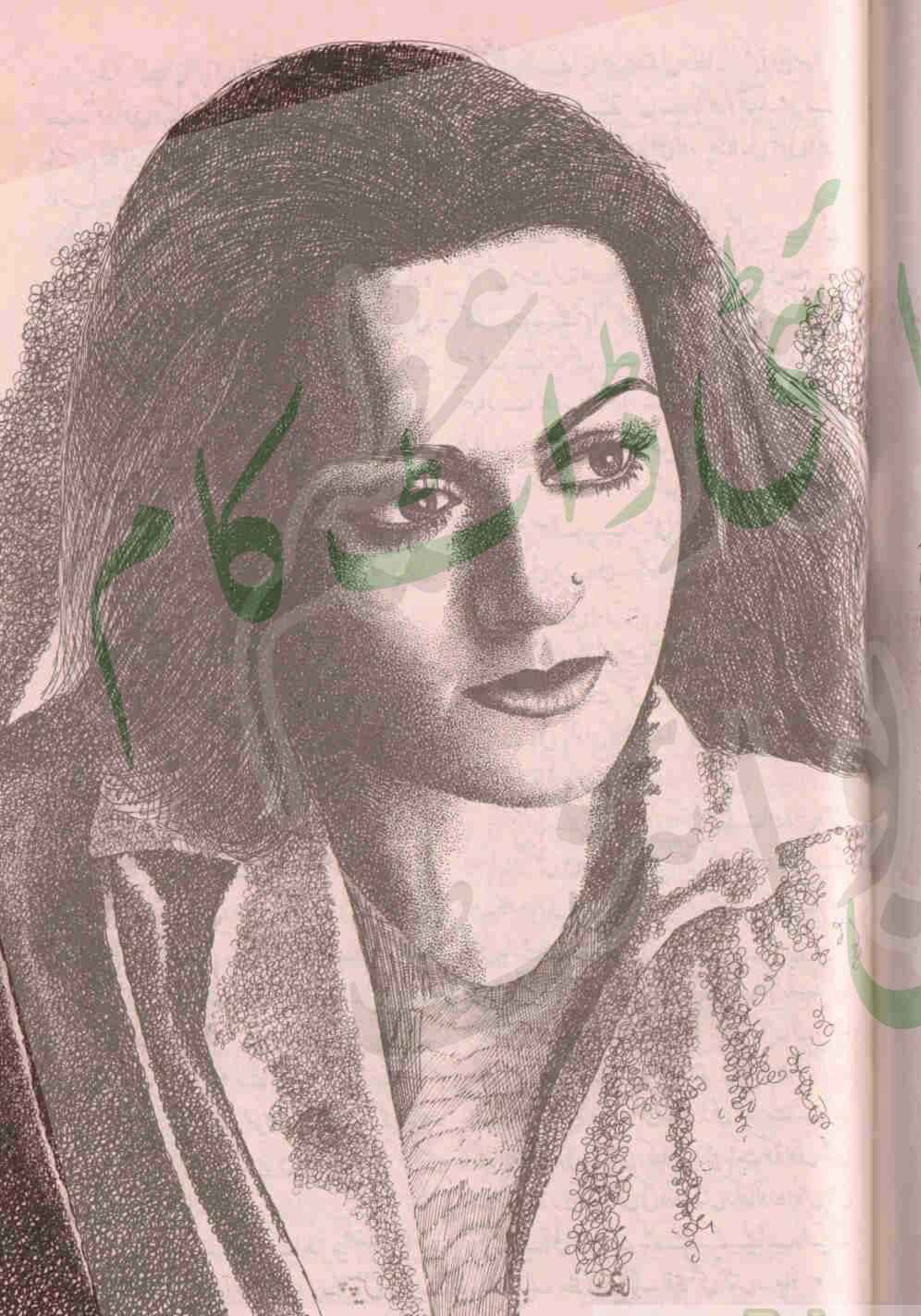

انتظار کا موسم

نسیم ارشد

کوئی حرفِ وفا نہ حرفِ سادہ
میں خاموشی کو سننا چاہتی ہوں
میں بچپن کے کسی لمحے میں رک کر
کوئی جگنو پکڑنا چاہتی ہوں

ایک طویل تھکا دینے والے مرحلے سے گزر کر جب وہ خواب گاہ میں پہنچا تو مارے حیرت کے چکرا کر رہ گیا۔ محترمہ مہر یعنی دلہن صاحبہ سیاہ جینز اور سفید لان کے کلیوں والے کُرتے میں ملبوس انتہائی انہماک سے کمپیوٹر پر مصروف تھیں۔ مہندی رچے ہاتھوں کی مخروطی انگلیاں سبک روی سے کی بورڈ پر متحرک تھیں۔ چہرہ بالکل صاف شفاف تھا۔ بیوٹیشن کی محنت واش روم میں بہہ چکی تھی اور ساتھ ہی وہ تگڑی سی رقم بھی جو بیوٹی سیلون میں ادا کی گئی تھی۔ ہیئر اسٹائل شاید بہت پیچیدہ تھا۔ تبھی تو ڈریسنگ ٹیبل پر ہیئر پنز کا ڈھیر پڑا تھا۔ کچھ پنیں ہلکے انگوری کارپٹ پر بکھری ہوئی تھیں۔ عروسی لباس بیڈ پر ڈھیر تھا اور زیورات ڈریسنگ ٹیبل پر...... بالوں کو کس کے جوڑے کی شکل دی گئی تھی، عمر نے طویل سانس خارج کرتے ہوئے جائزہ مکمل کیا۔

کی بورڈ ہنوز کھٹ کھٹ چل رہا تھا یعنی اس کی موجودگی کا کوئی اثر نہیں تھا۔ وہ بالکل متوازن انداز میں چلتا ہوا وارڈ روب کی طرف گیا اور شب خوابی کا لباس نکال کر واش روم میں چلا گیا۔ پچیس تیس منٹ شاور لے کر اس نے اپنا دماغ ٹھنڈا کیا اور باہر آیا تو وہ اسی طرح مصروف تھی گویا اگلی پچھلی کسر آج ہی پوری کرے گی اور تمام رکے ہوئے کام آج ہی مکمل ہوں گے۔ وہ آئینے کے سامنے کھڑا ہو کر بال برش کرنے لگا، ساتھ ہی اس نے آئینے میں سے مہر کا جائزہ لیا۔ اس کے چہرے پر انہماک کی بنا پر ایک متفکر تاثر تھا۔ کافی دیر عادتاً بال سنوارنے کے بعد وہ پلٹ کر روم فریج کی طرف گیا۔ ٹھنڈے دودھ کا گلاس اور سیب لے کر وہ بڑے سکون سے صوفے پر بیٹھ گیا۔ مہر کی مصروفیت میں کوئی کمی نہ ہوئی، وہ سیاہ فائل سامنے رکھے برق رفتاری سے ٹائپ کرتی چلی جارہی تھی۔ گلاس خالی کر کے اس نے میز پر رکھا اور بیڈ کی طرف گیا لیکن بیڈ پر ریشمی کپڑوں کا ڈھیر پڑا ہوا تھا۔

”مہر......!“ وہ چلتا ہوا اس کے پاس جا کر اس کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ مہر کے ہاتھ سیکنڈ کے دسویں حصے کے لیے رکے پھر متحرک ہو گئے۔ ”مہر!“ اس نے مہر کے شانے پر ہاتھ رکھا اور اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا۔

”کیا ہے؟“ اس نے پلٹ کر دیکھنا بھی گوارا نہ کیا۔ انداز بالکل سپاٹ تھا۔

"بیڈ پر سے اپنا لباس فاخرہ اٹھاؤ' مجھے نیند آرہی ہے۔" وہ کرسی دھکیل کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ وہیں کھڑا مانیٹر پر نگاہیں جمائے ہوئے تھا۔ مہر کوئی اسائنمنٹ ٹائپ کررہی تھی۔ رف میں بہت زیادہ کٹنگ اور اوور رائٹنگ تھی۔ عمر سیاہ فائل میں کلپ صفحات کو سرسری نظر سے دیکھنے لگا۔ وہ وہیں کھڑا تھا جب مہر دوبارہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔ اس نے پلٹ کر بیڈ کی طرف دیکھا وہی ڈھیر اب صوفے پر پڑا تھا۔ عمر نے لمبی سانس کھینچ کر موتیے اور گلاب کی مہک کو اپنے اندر جذب کیا۔

"مہر! مجھے بے ترتیبی سے الجھن ہوتی ہے' یہ سب ٹھیک نہیں۔" اس نے ناپسندیدہ نظروں سے ڈریسنگ ٹیبل پر بکھرے زیورات اور صوفے پر پڑے لباس کو دیکھا۔

"مجھ سے زیادہ کون جانے گا کہ تم زندگی میں ہر کام کو کس قدر ترتیب اور صفائی سے کرنے کے عادی ہو۔" مہر نے اس کی کمرے میں موجودگی کے ایک گھنٹے میں پہلی بار کوئی لمبی بات کی تھی۔ انداز سرد تھا' لفظ بہت چبا چبا کر ادا کیے گئے تھے۔

"اچھا! اتنا جانتی ہو مجھے؟" وہ زیر لب مسکرایا۔ مہر کی نگاہیں مانیٹر پر تھیں' وہ چپ رہی۔ "جب جانتی ہو تو مانتی کیوں نہیں؟" کچھ دیر کے توقف سے وہ گویا ہوا۔ "سمجھتی کیوں نہیں ہو؟ بولو!" اس نے نرمی سے مہر کے کندھے کو چھوا۔

"بیڈ خالی ہوچکا ہے' سو جاؤ اور مجھے کام کرنے دو۔" اس نے عمر دراز کے ہاتھ کو جھٹکا۔ عمر کی انا پر کاری ضرب پڑی' ہونٹ بھینچ کر اس نے خود پر قابو پایا۔

"اگر تم نے چند سیکنڈ کے اندر یہ فضول کام نہ چھوڑا تو میں کمپیوٹر آف کردوں گا۔" اس نے پھر کوشش کر کے اپنا لہجہ معتدل رکھا۔ "کم آن مہر!" اس نے کی بورڈ پر چلتے اس کے ہاتھ کو تھاما۔ مہر نے ایک جلتی ہوئی نگاہ اس پر ڈالی اور پھنکارتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میرے ذاتی معاملات میں دخل دینے کی کوشش مت کرنا اور ہاں مجھے ہدایات لینے کی عادت نہیں ہے۔ سمجھے تم!" عمر نے کوئی تاثر نہ دیا۔ "تمہیں صرف بے ترتیبی سے الجھن ہوتی ہے اور مجھے تمہارے وجود سے' تمہارے نام سے حتیٰ کہ تمہارے خیال سے بھی الجھن ہوتی ہے۔ بتاؤ کرسکتے ہو ترتیب درست......؟ اگر میں تمہیں برداشت کرسکتی ہوں تو تم صرف یہ بے ترتیبی برداشت نہیں کرسکتے؟ تمہیں کرنی پڑے گی۔ کچھ لو کچھ دو۔ سمجھے!" وہ دھیمے لہجے میں غرائی۔

"تمہاری کچھ لو اور کچھ دو کی پالیسی ٹھیک نہیں ہے۔ میں تو تم سے عشق کرتا ہوں اور جواباً تم......" اس نے باقی باتوں کو نظر انداز کردیا۔ غالباً اسے یہی ایک جملہ قابل گرفت لگا تھا۔

"جس کے پاس جو ہو وہ وہی دیتا ہے اور رہی اس نام نہاد عشق کی بات' تو تم عشق نہیں کاروبار کرتے ہو۔ کاروباری نقطۂ نگاہ سے...... ہے نا!" اس نے گہرا طنز کیا۔ عمر حوصلے سے پی گیا۔

"تم تھوڑا سا غلط بول گئیں' میں عشق کو صرف عشق سمجھتا ہوں۔ تم سمجھنے کی کوشش تو کرو۔" اس کی بات سنے بغیر مہر تیزی سے صوفے کی طرف بڑھی۔ بھاری لہنگا' دوپٹا وغیرہ اس نے بڑی مہارت سے تہہ کیا اور وارڈ روب میں رکھ دیا۔ زیورات کو ڈبوں میں بند کر کے ڈریسنگ ٹیبل کی دراز میں رکھا اور واپس اس کی طرف آئی۔ عمر نے کچھ کہنے کے لیے لب وا کیے۔

"ایک لفظ نہیں' ایک لفظ بھی نہیں۔ جاؤ سو جاؤ

جا کر۔ تمہیں چھوٹی چھوٹی چیزوں سے الجھن ہوتی ہے' کبھی دوسروں کے بارے میں سوچا ہے؟ ایسا دہرا معیار اور دوغلا پن......؟" وہ درشتی سے کہتی ہوئی رخ موڑ گئی۔ عمر کچھ دیر اس کی پشت پر نظریں جمائے کھڑا رہا پھر پلٹ گیا۔

"میں لائٹ آف کررہا ہوں۔"

"کردو!" مہر نے جان چھڑائی۔ لائٹ بند ہوچکی تھی لیکن مانیٹر کی اسکرین سے نکلتی ہوئی روشنی کمرے میں پھیل رہی تھی۔

"مہر! کمپیوٹر آف کردو' مجھے روشنی میں نیند نہیں آتی۔"

"جن کے اندر اندھیرے ہوں' انہیں باہر بھی اندھیرے ہی اچھے لگتے ہیں۔" زہر میں بجھے الفاظ اس کی سماعتوں میں اتار کر وہ ملحقہ اسٹڈی روم میں چلی گئی۔ کافی دیر کروٹیں بدلنے کے بعد وہ اس کے پیچھے چلا گیا۔

"مہر! مجھے اکیلے میں نیند نہیں آرہی۔"

"عمر! تم کیا چاہتے ہو؟" وہ غصے میں بے قابو ہوگئی۔ عمر کی دھڑکن بے ترتیب ہوگئی۔ آج پہلی بار مہر نے اس کا نام پکارا تھا۔ "صرف عمر...... یعنی رشتے کی نوعیت بدلنے سے رویے بھی بدلیں گے۔" وہ اس کے خوب صورت ہونٹوں کو دیکھ رہا تھا جن سے چند لمحے پہلے اس کا نام نکلا تھا۔ اس کی بے خود اور پر تپش نگاہیں مہر کو پگھلانے لگیں۔

"تم کیا چاہتے ہو؟" مہر کی خفگی آمیز آواز اسے واپس کھینچ لائی۔

"میں صرف تمہیں چاہتا ہوں' اگر تم یقین کرسکو تو کرلو۔"

"اور تمہارے خیال میں محبت اور جنگ میں سب کچھ جائز ہے؟" اس کا لہجہ سلگنے لگا۔

"مہر! میں نے تمہارے ساتھ شادی کی ہے اور بس......" وہ نہ جانے کیوں اور کیسے اس قدر لچک کا مظاہرہ کررہا تھا ورنہ خلاف مزاج ذرا سی بات ہو جانے پر وہ زمین اور آسمان ایک کردیا کرتا تھا۔

"ہاں شادی کرنا تھی تمہیں مجھ سے...... جیسے بھی ممکن ہوتا۔ اب ہوگئی ہے اور واقعی بڑی مہارت اور صفائی سے تم نے سب کو بے وقوف بنایا ہے' اب اور کیا چاہتے ہو تم...... مجھے یقین دلانا چاہتے ہو؟ یہ بات اہمیت نہیں رکھتی۔ میرے یقین کرنے نہ کرنے سے میرے چاہنے نہ چاہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں اگر یقین نہ کروں گی تو کچھ نہیں ہوگا' کوئی قیامت نہیں آئے گی۔ بالکل اسی طرح جیسے میں تمہاری دلہن نہیں بننا چاہتی تھی مگر بن گئی ہوں۔ میرے چاہنے یا نہ چاہنے سے کچھ بھی نہ ہوسکا۔ تم یہ فضول کوششیں ترک کردو اور مجھے سکون لینے دو یا تم مجھ پر زندگی اس قدر تنگ کردینا چاہتے ہو کہ میں سانس بھی نہ لے پاؤں؟" عمر کا وجود جھٹکوں کی زد میں تھا۔

"تم یہاں اسٹڈی میں کیوں آئی ہو؟" بہت دیر بعد اس نے خود کو بولنے کے قابل پایا تھا۔

"میں سب کچھ تمہاری مرضی سے نہیں کروں گی۔"

"ٹھیک ہے لیکن تم سب کچھ اپنی مرضی سے بھی نہیں کرو گی۔ ابھی تم نے خود کہا ہے کہ تمہارے چاہنے یا نہ چاہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" کہتے ہوئے عمر دراز نے مہر کو ننھی سی گڑیا کی طرح بازوؤں میں اٹھالیا اور بڑی احتیاط سے بیڈ پر لٹا دیا۔

"تمہارے چاہنے اور نہ چاہنے سے مجھے بہت فرق پڑتا ہے مہر! میں تمہاری چاہت کے بغیر تمہیں دیکھوں گا بھی نہیں' چھونا تو بہت دور کی بات ہے۔ بے کار کے خدشے دل سے نکال دو اور پُرسکون ہو کر

سوجاؤ۔" ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہہ کر اس نے مرکزی لائٹ بند کرکے نائٹ بلب جلادیا اور ساتھ ہی اے سی کی کولنگ بڑھادی۔

"عمر......!" لمحوں کا سر ایک بار پھر تھما۔ عمر دراز کا رواں رواں سماعت بن چکا تھا۔

"بولو!"

"مجھے کچھ دیر کام کرنا ہے، تم سوجاؤ۔"

"کام صبح بھی ہوسکتا ہے۔"

"صبح نہیں ہوسکتا، ولیمے کا فنکشن، مہمانوں کا ہنگامہ...... مجھے کل یہ اسائنمنٹ جمع کروانی ہے۔"

"اوکے!" عمر نے کروٹ بدل کر کمبل سر تک تان لیا، غالباً اسے کام کرنے کی اجازت دی تھی۔ مہر کے اندر ایک بار پھر توڑ پھوڑ شروع ہوگئی۔

"تو میں اب پابند ہوگئی ہوں تمہاری مرضی اور اجازت کی...... نہ چاہتے ہوئے بھی مجبور ہوگئی ہوں اتنی کہ کمپیوٹر استعمال کرنے سے پہلے مجھے تمہاری اجازت و رضامندی کی ضرورت پڑے اور میں کچھ وقت اسٹڈی میں اپنی مرضی سے نہ گزار سکوں؟ تم نے مجھے مغلوب کرلیا اور تم برابر مجھے ہراتے چلے جاؤ گے اور میں اتنی بے بس ہوں کہ تمہاری بات ماننے کے سوا میرے پاس کوئی چارہ نہیں اور میں...... جو وقت کو اپنے مطابق ڈھالنے کے خواب دیکھا کرتی تھی، اب ذرا ذرا سی بات کے لیے مجھے تمہاری طرف دیکھنا پڑے گا۔ تمہاری ابرو کی جنبش میری خواہش، میری خوشی اور اختیار پر اثر انداز ہوا کرے گی۔ اب ایک سلسلہ شروع ہوگیا ہے حکم چلانے اور رعب جمانے کا...... تم نے آج تک اپنی من مانی کی، تم نے حالات کا رخ ہمیشہ اپنی طرف موڑے رکھا، تم نے وہی پایا جو تم نے چاہا۔ تو کیا میں حالات کا ایک حصہ ہوں، یا میں کسی گاڑی کا برانڈ نیو ماڈل ہوں یا کسی فارن یونیورسٹی کی ڈگری۔ جسے تم نے حاصل کرلیا ہو؟ کیوں بھول رہے ہو تم کہ مہر جمال ایک جیتی جاگتی انسان ہے۔ ایک باشعور اور آزاد لڑکی! جو دیکھ سکتی ہے، سن سکتی ہے، اپنے اچھے برے کا فیصلہ خود کرسکتی ہے۔ محض اپنی انا کا پرچم سربلند رکھنے کے لیے تم نے میری ذات کی نفی کی اور اب نفی کا یہ سلسلہ آگے بڑھا رہے ہو۔" مہر کی آنکھیں جلنے لگیں۔ "تم نے یہ نہ سوچا کہ میں کس بحران سے گزر رہی ہوں۔ منافقت کے طور ہی سہی کچھ تو خیال کیا ہوتا۔ تھوڑا سا ہی سہی......" اسے بیڈ سے اپنا لباس اٹھانا یاد آگیا پھر وہاں سے وارڈ روب میں اور جیولری جو اس نے ڈبوں میں رکھی تھی اور...... پھر لائٹ بھی آف کی تھی۔ "یہ تو حد ہی ہوگئی کہ مجھے اسٹڈی سے اٹھا لایا۔ یعنی میں واقعی اپنی مرضی سے ہل بھی نہیں سکتی۔ ایسے جیسے تم نے مجھ سے شادی نہیں کی بلکہ تم نے مجھے خریدا ہے۔ بہت بڑی خوش فہمی اور حماقت......" جوں جوں وہ سوچ رہی تھی، غصے کا گراف بلند ہوتا جارہا تھا۔ اس نے بڑے جوش سے کرسی دھکیلی اور کھڑی ہوگئی۔ ٹچ ٹچ کمرے کی ساری لائٹیں آن ہوچکی تھیں۔ ڈریسنگ ٹیبل کا دراز کھول کر اس نے جیولری کے ڈبے باہر نکالے اور ایک ایک چیز اٹھا کر پھینکنے لگی۔ چوڑیاں، نیکلس، ایئر رنگز، ہلکے انگوری کارپٹ پر جابجا گولڈ اور ڈائمنڈ کے مختلف زیورات بکھر چکے تھے۔ چوڑیاں گول گول گھومتی ہوئی بیڈ کے نیچے تک جا پہنچی تھیں۔ اس کا اشتعال بڑھتا جارہا تھا۔

"ترتیب اور سلیقہ...... ہونہہ!" اس نے الماری کھول کر لہنگا باہر نکالا اور الماری کے پٹ زور سے بند کیے۔ کھٹکے کی آواز سے عمر کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے کمبل منہ سے ہٹایا، تیز روشنی سے اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ اس نے بے اختیار آنکھیں دونوں ہاتھوں سے رگڑیں۔ مہر نے آگے بڑھ کر کمبل کھینچ لیا۔ وہ حواس باختہ رہ گیا۔ مہر نے زور سے بھاری لباس اس کے اوپر پھینکا۔ کچی نیند سے بیدار ہونے کے سبب عمر کے حواس پوری طرح بحال نہیں ہوئے تھے اس لیے وہ ناسمجھی کی کیفیت میں سرخ آنکھیں کھولے اسے دیکھ رہا تھا۔

"تمہیں الجھن ہوتی ہے بے ترتیبی سے اور روشنی میں تمہیں نیند نہیں آتی؟ ہے نا! اب لائٹ آف کرکے دکھاؤ اور مجھے کہہ کر دیکھو کہ میں یہ چیزیں اٹھا کر ان کی جگہ پر رکھوں اور اب مجھے کمپیوٹر آف کرنے کی دھمکی دو پھر میں تمہیں بتاؤں کہ مہر جمال کیا چیز ہے...... یہ دیکھو یہ پیپرز ہیں نا جو میں پرنٹ نہ کرپائی تمہارے کمپیوٹر آف کرنے کی وجہ سے......" اس نے کمپیوٹر پرنٹر سے نکالے صفحات اس کے آگے لہرائے۔ "یہ لو!" اس نے صفحات ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے اور ششدر بیٹھے عمر دراز کے منہ پر دے مارے۔

"مہر!" عمر کا ہاتھ ایک دم اٹھا لیکن مہر نے راستے میں ہی تھام لیا۔

"عمر دراز! میں تمہاری باندی نہیں ہوں جو یہ بدتمیزی برداشت کروں۔ مجھ پر ہاتھ اٹھانے کی غلطی کبھی نہ کرنا۔ میں کسی چک کی گنوار مٹیار نہیں ہوں، جو تمہارے رعب میں آجاؤں اور نہ ہی تمہاری کوئی تھرڈ کلاس احساس کمتری کی ماری یونیورسٹی فیلو جو تم سے متاثر ہوجاؤں۔ زمین آسمان ایک کردوں گی اگر کوئی ایسی ویسی حرکت کی......" اس نے جھٹکے سے عمر کا ہاتھ چھوڑا۔ "میں اس گھر میں دلہن بن کر آئی ہوں اور یہ کمرا میں تمہارے ساتھ نہیں بلکہ تم میرے ساتھ شیئر کرو گے۔ برابری کی بنیاد پر...... سمجھے! میں جیسے چاہوں رہوں، تم جو چاہو کرو۔" وہ یک ٹک اس کے برہم انداز اور شعلے برساتے شبنمی ہونٹوں کو دیکھ رہا تھا، مہر کے ہاتھ کا لمس اس کے مضبوط ہاتھ پر ٹھہر سا گیا تھا۔

زخم بھی لگاتے ہو پھول بھی کھلاتے ہو
کتنے کام لیتے ہو ایک مسکرانے سے

وہ سانس روکے اس کو گرجتے برستے دیکھ رہا تھا۔

"اچھا آغاز ہے یاالٰہی!" عمر نے اوپر کی طرف دیکھا۔ وہ خود کو ڈھیلا چھوڑ کر تکیے پر ڈھیر ہوگیا۔ خوش بو میں رچا نازک دوپٹا منہ پر اوڑھ لیا۔

"اتنی بکواس کا یہ اثر......؟" مہر نے جھلا کر بیڈ کے گرد لگی پھولوں کی لڑیاں نوچنا شروع کردیں۔ عمر چھلانگ لگا کر اس تک پہنچا اور اسے بازوؤں سے پکڑ لیا۔

"ارے یہ غضب نہ کرو، کمرے کی سجاوٹ پر ہزاروں روپے خرچ ہوئے ہیں۔ کچھ تو اپنے مجازی خدا کی خون پسینے کی کمائی کا خیال کرلو۔" اس نے مہر پر جھکتے ہوئے کہا، وہ خود کو چھڑا کر پیچھے ہٹی۔ "مجھے یقین ہے کہ تمہارا اوپری خانہ خالی ہے۔" وہ مسکرایا۔

"اپنی حدود میں رہو۔" وہ سلگ کر چیخی۔

"اوکے میم! اب سوجاؤ تین بج چکے ہیں۔" اس نے گھڑی کی طرف اشارہ کیا۔ "اوہ سوری! تم اپنی مرضی کی آپ مالک ہو۔ چاہو تو سوجاؤ چاہو تو...... جیسے تمہاری مرضی۔" وہ کندھے اچکا کر رہ گیا۔

"پتا نہیں یہ شخص میرا خون کھولانے سے باز کیوں نہیں آتا۔ مجال ہے جو کوئی ایک دن بھی میری زندگی میں آرام سے گزرنے دیا ہو اور اب ساری عمر کے لیے مسلط ہوگیا ہے۔"

"عمر! تم مجھے طلاق دے دو۔" اس نے جھلاہٹ میں بلا سوچے سمجھے خود کلامی کی۔ عمر کا ہاتھ پوری قوت سے گھوما اور مہر بیڈ پر لیٹ گئی۔ اس کا ایک ہی جملہ عمر

کو جلا کر خاکستر کر گیا تھا، سارے نرم احساسات ساری مصلحت کوشی بھک سے اڑ گئی تھی۔

"اب اگر ایسی فضول بات کبھی بھی کی تو میں تمہاری جان لے لوں گا۔" عمر نے جھک کر اسے کندھوں سے تھام کر سیدھا کیا اور پہلی بار انتہائی سخت لہجے میں تنبیہہ کی پھر اسے جھٹکتے ہوئے سیدھا ہو گیا۔ مہر کی آنکھوں میں سیلاب اتر آیا تھا لیکن عمر نے رخ پھیر لیا تھا۔

"میری نرمی کا اس قدر ناجائز فائدہ...... بہت غلط بات ہے مہر!" وہ محض سوچ کر رہ گیا۔ اس نے مہر کا جوڑا اٹھا کر الماری میں رکھا۔ ایک ایک کر کے سارے زیورات اکٹھے کیے اور ڈریسنگ ٹیبل کی دراز میں رکھ کر کمپیوٹر کی طرف بڑھ گیا۔ مہر وہیں روتے روتے سو چکی تھی۔ کچھ دیر بعد اس نے پلٹ کر بیڈ کی طرف دیکھا اور اٹھ کر اس کے پاس آ گیا۔ احتیاط سے کمبل اس پر ڈال کر اس نے لائٹس آف کیں اور دوبارہ کمپیوٹر کے سامنے بیٹھ گیا۔ برق رفتاری سے ٹائپ کرتے ہوئے اس نے اسائنمنٹ کے پرنٹ دوبارہ نکالے۔ شکر ہے مہر نے اصل اسائنمنٹ نہیں پھاڑی تھی۔

……☆……

موبائل فون مسلسل بجنے پر اس کی آنکھ کھلی تھی۔ اس نے بمشکل آنکھیں کھول کر موبائل فون کان سے لگایا۔

"مہر تم اتنی وقت کی پابند ہو کہ......"

"سوری یار! اسائنمنٹ مکمل نہیں ہو سکی۔" اس نے راحیلہ کی بات کاٹی۔

"لیکن مہر......!" راحیلہ حیران ہوئی

"بس کہا نا! نہیں ہو سکی۔ پھر کیوں پیچھے پڑ گئی ہو؟"

"یار! میں صرف حیران ہوں کہ تمہیں اپنے ولیمہ کے دن بھی اسائنمنٹ جمع کروانے کی فکر لگی ہوئی ہے؟"

"کیا مطلب......؟"

"مطلب یہ کہ تمہاری اسائنمنٹ سر نصیر تک پہنچ چکی ہے اور میں حیران ہوں کہ تم شادی انجوائے کرنے کی بجائے کتابوں میں مغز ماری کر رہی ہو۔ خدا کا خوف کرو مہر!" راحیلہ نے اطلاع دینے کے ساتھ ساتھ اسے ڈانٹا۔

"اچھا! ٹھیک ہے اللہ حافظ۔" اس نے جلدی سے لائن کاٹ دی۔ ساری سستی حیرانی کی نذر ہو چکی تھی۔ "اسائنمنٹ کیسے پہنچی۔ عمر دراز؟ نہیں، وہ صرف کمینگی دکھا سکتا ہے۔ اب خود تو چل کر اسائنمنٹ جانے سے رہی۔" کوئی سرا ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔ "صبح صبح ہی یہ انکشاف ہونا تھا۔" اس نے بدمزگی سے ٹائم دیکھا۔ "اوہ! ایک بج چکا ہے (دوسرا انکشاف)۔" وہ واش روم کی طرف بڑھ گئی۔ عمر کمرے میں نہیں تھا۔ وہ فریش ہو کر آئی تو ملازمہ ناشتا لا چکی تھی۔

"میں ناشتا ڈریسنگ روم میں کروں گی۔" اس نے خاصی نخوت سے کہا اور بال سلجھانے لگی۔ ملازمہ خاموشی سے ٹرالی واپس لے گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ ڈائننگ روم میں پہنچی تو لاؤنج اور دوسرے کمروں میں گہما گہمی نے اسے چونکا دیا۔ وہاں قریبی عزیز رشتہ دار تھے، جو شادی میں شرکت کے لیے آئے تھے۔ وہ ادھر اُدھر دیکھے بغیر کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی اور چائے پینے لگی۔ ایک دن کی دلہن دن کے ڈیڑھ بجے ڈائننگ روم میں اکیلی ناشتا کر رہی تھی۔ عمر کی بہن تارا آپی نے عمر کو وہاں بھیجا تاکہ رشتہ داروں کے سامنے ہونے والی ممکنہ شرمندگی سے بچا جا سکے۔ عمر نے بمشکل تمام ایک کپ چائے زہر مار کی ورنہ بے وقت اتنی گرمی میں وہ بھی دن کے اس حصے میں چائے پینا اسے بہت ناگوار لگ رہا تھا۔ اسے سامنے بیٹھ کر چائے پیتا دیکھ کر مہر کے انداز تیکھے ہو گئے۔

"اچھی طرح فارمیلیٹز پوری کرواتی ہوں تمہیں......" اس نے دانت پیستے ہوئے سلائسز کی پلیٹ اپنی طرف کھسکالی اور سلائس پر بڑی باریک بینی سے مارجرین لگانے لگی۔ کافی دیر بعد اس کام سے فارغ ہونے کے بعد اس نے کارن فلیکس میں چمچ چلانا شروع کر دیا پھر آملیٹ اپنی پلیٹ میں رکھ کر اس کی چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اٹھا کر منہ میں رکھے۔ "تاج! اخبار لاؤ۔" اس نے تلے ہوئے انڈے پر سیاہ مرچ چھڑکتے ہوئے بڑی فرصت سے ملازمہ کو پکارا۔ عمر چائے ختم کر چکا تھا۔ اب اس کی تاؤ دلانے والی فضول حرکتیں دیکھ کر اس کا خون کھولنے لگا۔ ملازمہ اخبار لے کر حاضر ہو گئی۔ ادارتی صفحہ کھولتے ہوئے اس نے نیا حکم جاری کیا۔ "تاج! میں ناشتے میں جوس پیتی ہوں۔ ایک گلاس جوس لاؤ فوراً......" وہ اطمینان سے اخبار پڑھنے لگی۔ عمر کا جی چاہ رہا تھا اس کا گلا دبا دے۔ چند منٹ بعد تاج جوس لے آئی۔ اب مہر کیا کرتی۔ وہ تو ناشتے میں بمشکل چائے کا ایک کپ اور مکھن لگے سلائس لیتی تھی، بے وقت ناشتے نے ویسے ہی بھوک اڑا دی تھی۔ مارے باندھے اس نے محض عمر کو دکھانے کے لیے ایک دو گھونٹ جوس کے پیئے۔ اسی وقت عمر کا سیل فون بج اٹھا۔ اس نے یک گونہ سکون محسوس کرتے ہوئے سیل اٹھایا اور ڈائننگ روم سے نکل گیا۔ اب بیٹھنا بے کار تھا۔ اخبار اٹھا کر مہر اپنے کمرے میں چلی آئی۔

"یہ تو ٹریلر ہے عمر دراز! آگے آگے دیکھنا میں تمہارا کیا حال کرتی ہوں، تم بال نوچنے پر مجبور نہ ہو گئے تو کہنا۔" فیصلہ کن انداز میں اس نے منہ پر ہاتھ پھیرا اور بیڈ پر نیم دراز ہو کر اخبار دیکھنے لگی۔

"مہر جانو! پارلر کب جانا ہے؟ ولیمے کا فنکشن شام چھ بجے ہے اور دو بج چکے ہیں۔ اٹھو میں گاڑی نکلواتی ہوں، تم ضروری چیزیں لے لو۔" تارا آپی کمرے میں آئیں اور اسے محو مطالعہ دیکھ کر بڑی محبت سے بولیں۔

"ٹھیک ہے آپی! لیکن ضروری چیزوں کا مجھے نہیں پتا، آپ خود ہی دیکھ لیں۔" اس نے بڑی سعادت مندی سے کہا۔ "اور کپڑے یہی ٹھیک ہیں۔" لائٹ اورنج شلوار سوٹ اور دوپٹے میں ملبوس اس نے اپنا ناقدانہ جائزہ لیا۔

"ہاں کپڑے تو ٹھیک ہیں، بس تم چلو۔" الماری سے مختلف پیکٹ اور ڈبے نکالتے ہوئے وہ مصروف انداز میں بولیں۔ مہر اُن کے ساتھ پورچ میں آئی، گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر عمر کو دیکھ کر اس کا حلق کڑوا ہو گیا۔ ساری تابعداری اڑنچھو ہو چکی تھی۔ وہ اپنے تاثرات چھپاتی ہوئی فرنٹ ڈور کھول کر بیٹھ گئی۔ تارا آپی شکر ادا کرتی ہوئی واپس چلی گئیں۔ عمر نے اسے دیکھ کر کوئی تاثر نہ دیا، انتہائی سنجیدگی سے گاڑی ڈرائیو کرتا رہا پھر سیلون کے سامنے گاڑی روک دی اور اسی خاموشی کے ساتھ مطلوبہ سامان گاڑی کی پچھلی سیٹ سے اٹھا کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ مہر سامان لے کر چلی گئی۔ عمر نے گاڑی ریورس کی اور واپسی کے لیے روانہ ہو گیا۔

……☆……

"عمر! تم لوگ ہنی مون کے لیے کہاں جا رہے ہو؟" تارا آپی نے اپنے چھوٹے بیٹے کو نوڈلز کھلاتے ہوئے پوچھا۔ مہر کے چہرے سے ناگواری جھلکنے لگی۔

"کہیں بھی نہیں آپی!" عمر نے اطمینان سے کہا۔

"کیا...... کیا مطلب......؟" حد درجہ حیرانی سے

اس کی طرف دیکھتے ہوئے آپی نے دریافت کیا۔

”آپی! بتایا تو ہے کہیں بھی نہیں...... مجھے آفس دیکھنا ہے۔ پاپا اور چھوٹے پاپا یہاں نہیں ہیں‘ اب کام کا دہرا دباؤ ہے تو ایسی مصروفیت میں‘ میں کہیں جانے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔“ اس نے دوٹوک کہتے ہوئے چینل بدلا۔ تارا آپی اپنے بیٹے کا منہ دھلانے چلی گئیں۔

”یہ دہرا کام اور دباؤ مجھے سنانے کی ضرورت نہیں‘ میں اپنے پاپا کا بزنس خود دیکھ سکتی ہوں‘ تم مجھ پر احسان کرنے کی کوشش مت کرو۔“ مہر سراپا سلگ اٹھی تھی۔

”اچھا!“ عمر نے بڑے غور سے اس کی طرف دیکھا۔

”تم چھوٹے پاپا سے بات کرلو‘ اگر وہ اجازت دیں تو تم ان کا آفس جوائن کرلو‘ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔“ مہر جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔ چھوٹے پاپا کبھی بھی مہر کو عمر پر فوقیت نہ دیتے۔ نہ جانے عمر نے انہیں کیا گھول کر پلایا تھا۔

”تم نے مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا ہے۔ میرے پاپا کو بھی۔ تمہاری فضول حرکتوں نے مجھ سے میرے ماں باپ بھی چھین لیے۔ لاوارثوں کی طرح ان کے بغیر ہی شادی اور وہ بھی زبردستی...... واہ! کیا بات ہے تمہاری...... میں ایک ایک گن کے بدلہ لوں گی۔ ابھی مجھے صبر کرنا ہے بس کچھ دیر اور...... تمہاری ساری سازشیں تمہارے منہ پر الٹ کر دے ماروں گی۔ تم جسے محبت کہتے ہو میں اسے جنگ کہتی ہوں۔ انا کی جنگ! اور مجھے اپنی عزت نفس سے بڑھ کر کچھ بھی عزیز نہیں۔ تم نے میری ذات کی نفی کی ہے عمر دراز! میں یہ جرم کبھی معاف نہیں کروں گی۔“

عمر دراز سے اس کی پہلے بھی کون سا بنتی تھی لیکن اب تو حد ہوگئی تھی۔ اس قدر پے در پے جھٹکے! وہ پوری طرح اس سے متنفر تھی۔

* * *

وہ شروع ہی سے بہت بد مزاج تھی۔ جب کہ عمر اپنی من مانی کرنے والا۔ اوچھے طریقوں سے دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کرنے والا۔ یوں کہ مہر کسی نہ کسی طرح پس منظر میں رہے۔ کبھی کوئی تقریری مقابلہ جیت کر تو کبھی کسی فنکشن کی کمپیئرنگ...... کبھی پلے میں مرکزی کردار اور کبھی کھیل کے میدان میں کامیابیاں۔ وہ اپنے آپ کو گھر میں نمایاں رکھتا تھا۔ ہر کامیابی پر اسے گفٹ دیئے جاتے۔ مہر کے ماما پاپا بھی اسے انعام دیتے۔ دنوں عمر کے کارناموں کا چرچا رہتا اور تب تک کوئی نیا کارنامہ‘ کسی امتحان میں فرسٹ پوزیشن‘ کبھی غیر نصابی سرگرمیوں میں بہترین کارکردگی۔ وہ کسی نہ کسی طرح خود کو نظروں میں رکھ لیتا تھا۔ جنرل نالج اس کی غضب کی تھی۔ بین الاقوامی سیاست‘ کاروباری دنیا کے اتار چڑھاؤ‘ چھوٹے پاپا اور بڑے پاپا کے ساتھ مل کر گرما گرم بحث و مباحثے‘ اولیول تک اس نے یونہی اپنی دھاک بٹھائے رکھی تھی۔ اسکول لیول تک تو وہ پھر بھی جامے میں تھا لیکن کالج جا کر تو زیادہ ہی بے لگام ہوگیا۔ پڑھائی کے علاوہ اس کی سرگرمیاں جن پر بجائے اسے سرزنش کرنے کے گھر میں اس کی حوصلہ افزائی کی جاتی۔ ڈائننگ ٹیبل پر سب سے زیادہ ڈشز کی تعداد عمر کی پسند کی ہوتیں۔ کہیں آنے جانے‘ سیر و تفریح کا پروگرام عمر کی مصروفیت اور فراغت کے حساب سے رکھا جاتا تھا۔ وہ چھایا ہوا تھا۔ اسے خود کو نمایاں رکھنا آتا تھا‘ وہ خود کو ایسے لوگوں میں سے سمجھتا تھا۔ جو آتے ہیں دیکھتے ہیں اور فتح کرلیتے ہیں۔ اس کی شخصیت کا تاثر انا کی خود نمائی اور خودسری کا زوال بہت بُرے طریقے سے شروع ہوا تھا۔ مہر کو خود بھی افسوس تھا۔ اگر عمر کو بدلنے کے لیے اسے اپنی اوقات میں واپس آنے کے لیے کسی ایسے بڑے نقصان کی ضرورت تھی تو مہر کی بلا سے...... وہ پہلے سے بڑھ کر بگڑتا لیکن وہ سب نہ ہوتا جو ہوا تھا۔ وہ ان دنوں بی بی اے کا طالب تھا‘ جب بڑی ماما کی وفات نے سارے گھر کو ہلا کر رکھ دیا۔ عمر بھی بُری طرح متاثر ہوا تھا۔ بڑی ماما کی جدائی میں جہاں سارا گھر ویران ہوا تھا۔ وہاں عمر کے ہونٹوں پر چپ کے تالے لگ گئے تھے۔ جانا تو سب کو ہی ہے اور پھر چلے جائیں انہیں بھلا کون روک سکتا ہے لیکن عمر تو کچھ زیادہ ہی حساس ہو رہا تھا۔ وہ ایسا ہی تھا ہر معاملے میں شدت پسند‘ مہر اکثر اس کے انتہا پسند رویے پر چڑتی‘ پہلے تو وہ پھر بھی کھلے عام عمر کی مخالفت کرتی تھی‘ اب اس کی نازک صورتِ حال پر کوئی بات کہہ کر یقیناً خود ہی موردِ الزام ٹھہرتی۔ تمام سرگرمیاں ترک کرکے عمر صرف کتابوں میں گم ہوگیا تھا۔ اس نے بولنا بہت کم کردیا تھا۔ اس کے چہرے پر کبھی مسکراہٹ آتی تھی تو بے حد اجنبی اور مصنوعی سی...... وہ جو اپنے آگے کسی کو ٹھہرنے ہی نہ دیتا تھا‘ جس کے قہقہوں سے پورا گھر گونجتا تھا‘ وہ عمر جس کی باتیں ختم نہ ہوتی تھیں‘ جس کے پاس سنانے کے لیے ہر وقت من گھڑت قصے اور فرضی کہانیاں ہوتی تھیں۔ اب سب کچھ بھول گیا تھا‘ اس کی زبان سے نپے تلے لفظ نکلتے تھے لیکن یہ دیکھ کر مہر کی جان جل جاتی کہ اس کے منہ سے نکلنے والے چند نپے تلے لفظ بھی مستند سمجھے جاتے۔ اس کی ہر فرمائش پوری کی جاتی۔ ماما پہلے سے بڑھ کر اس کا خیال رکھتیں۔ چھوٹے پاپا اور بڑے پاپا پہلے سے بڑھ کر اس کے آگے پیچھے پھرتے مگر وہ گم گڑھا بن چکا تھا۔ ماما کا سارا وقت عمر کی دلجوئی میں گزرتا تھا اور ایسے میں مہر نظر انداز ہونا شروع ہوگئی۔ مہر جو پہلے ہی اس کی چھائی ہوئی شخصیت سے چڑتی تھی‘ اس کی گم سم کیفیت سے مزید کوفت میں مبتلا ہوگئی۔ عمر نے اس کے ماما پاپا چھین لیے تھے لیکن وہ کچھ کہہ بھی نہیں سکتی تھی۔ عمر کی ماما تو اسے چھوڑ کر چلی گئی تھیں مگر مہر کی جیتی جاگتی ماما اس سے چھن گئی تھیں۔ انہوں نے بڑی ماما کی کمی پوری کرنے کی کوشش میں مہر کو بالکل بھلا دیا تھا۔ اب مہر کو کیسے عمر سے ہمدردی ہوتی‘ وہ تو غاصب تھا۔ اس کی اپنی ماما نہ رہیں تو اس نے مہر کی ماما لے لی۔ تارا آپی بھی تو تھیں‘ بے چاری خود ہی سنبھل گئی تھیں انہوں نے حقیقت کو قبول کر ہی لیا تھا لیکن یہ عمر...... اسے اسپیشل بننے کی عادت تھی‘ وہ ایسے ہی تو نہیں دوسروں کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ عمر کو بہانے بہانے سے مخاطب کیا جاتا‘ ہر غیر ضروری بات میں اس سے رائے لی جاتی محض اس لیے کہ وہ بات کرے اور تو اور ماما اپنی ذاتی شاپنگ کے لیے بھی اسی سے مشورے لیتی تھیں۔ مہر کے لیے یہ سب ناقابل برداشت تھا۔ وہ چڑ جو بڑی ماما کی وفات پر ختم ہوگئی تھی‘ اب پہلے سے بھی بڑھ گئی تھی۔ مہر پہلے بھی اس کی وجہ سے نظر انداز ہوتی تھی‘ اب بھی اس کی وجہ سے سب مہر کو نظر انداز کر رہے تھے اور یہ عمر تو جیسے کہیں کا شہزادہ بن گیا تھا۔ سب اس کا حکم بجالانے کو تیار...... عمر کی خواہش پوری کرنا عین سعادت سمجھی جاتی تھی۔ انہی دنوں مہر نے آئی کام میں ٹاپ کیا تھا اگر عمر کو بڑی کامیابی ہوتی تو اسے بڑے پیمانے پر سلیبریٹ کیا جاتا لیکن یہ عمر کی نہیں مہر کی کامیابی تھی سو بھلا فنکشن کرنے کی رشتہ داروں کو بلانے کی کیا ضرورت تھی؟ واہ واہ تو صرف عمر کے لیے تھی۔ ستائش کا حق دار تو صرف وہ تھا۔ تحسین کے ڈونگرے عمر دراز پر برستے اور مہر کے لیے کچھ بچتا ہی نہ تھا۔ بڑی ماما کی

We at Paksociety.com giving you the facility to download urdu novels,monthly digest,imran series etc with direct links and alternatively 21 other mirrors.
for complaint about site not opening contact us @

admin@paksociety.com or

message at 0336-5557121

وجہ سے عمر کی دل آزاری نہ ہو۔ بڑی خاموشی سے سب نے اسے مبارک باد دی تھی۔ پاپا انہیں ڈنر کے لیے باہر لے کر گئے تھے اور وہ اس کا دشمن خاص وہ ڈنر پر نہیں آیا تھا۔ وہ مجبوراً ہی سہی عمر کا ہر فنکشن اٹینڈ کرتی تھی لیکن عمر نے اس کی کامیابی کی خوشی میں دیا جانے والا ڈنر اٹینڈ کرنے کی بھی زحمت نہیں کی۔ اسے کہاں گوارا تھا کہ مہر سب کی توجہ کا مرکز بنے۔ اسے تو بس اپنی جی حضوری کا شوق تھا۔ تارا آپی بڑے پاپا اور اس کے ماما پاپا نے اسے گفٹ دیے تھے۔ وہ ڈنر کر کے سب کے ساتھ خوشی خوشی گھر آئی تھی۔ وہ اپنے بیڈروم میں سب کے دیے ہوئے تحفے دیکھ رہی تھی جب دروازے پر دستک ہوئی۔

''یس!'' اس نے اسی مگن انداز میں کہا۔ اندر آنے والا عمر دراز تھا۔ مہر کو اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ عمر کبھی اس کے کمرے میں نہیں آیا تھا' بڑی ماما کی وفات کے بعد وہ بہت کم اپنے کمرے سے نکلتا تھا۔ پہلے تو وہ پھر بھی اسے جلانے کے لیے اپنی فتوحات کی داستانیں سنانے تارا آپی کے ساتھ اس کے کمرے میں آجاتا تھا لیکن اس ایک سال میں پہلی بار وہ اس کے کمرے میں آیا تھا۔

''بہت بہت مبارک ہو مہر! مجھے بہت خوشی ہوئی تمہاری اس عظیم کامیابی سے۔ وہی کالج جہاں میں نے آئی کام میں سابقہ ریکارڈ توڑا تھا' اسی کالج میں میری کزن نے میرا ریکارڈ بریک کیا۔ مجھے واقعی تم پر فخر ہے۔'' وہ بڑی پُرخلوص مسکراہٹ کے ساتھ کہہ رہا تھا۔ مہر آنکھیں پھاڑے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''کیا یہ عمر ہے' عمر دراز مسکرا بھی سکتا ہے...... وہ بھی مہر کی خوشی میں......؟''

''آئی ایم سوری مہر! میں ڈنر اٹینڈ نہیں کرسکا۔ کام ہی ایسا پڑ گیا تھا کہ میں باوجود کوشش کے ڈنر پر نہیں پہنچ سکا' میرے دوست کی طبیعت اچانک خراب ہوگئی تھی۔ اسپتال میں سارا ٹائم نکل گیا لیکن تم مائنڈ نہیں کرو ہم تینوں مل کر آئس کریم کھانے چلتے ہیں' تمہارے پسندیدہ پارلر سے...... تارا کو تیار ہونے کے لیے کہہ آیا ہوں۔ تم بھی تیار ہو جاؤ پھر چلتے ہیں۔ میں اپنی کزن کے اعزاز میں کم از کم آئس کریم تو کھلا ہی سکتا ہوں نا! اور یہ تمہارا گفٹ۔'' عمر نے ہلکے جامنی کور میں بڑا سا پیکٹ مہر کے سامنے رکھا۔ مہر نے غور سے عمر کا حلیہ دیکھا۔ اس کی حالت واقعی کافی ابتر تھی' ورنہ وہ بڑے نک سک سے تیار رہتا تھا۔ اس کے بال بھی بے ترتیب تھے اور چہرے پر تھکن تھی۔ ''گفٹ میں کل ہی لے آیا تھا' آج دینا تھا سب کے ساتھ لیکن بتایا نا مسئلہ ہوگیا تھا۔'' عمر نے اپنی سرخ آنکھیں مسلیں۔

''تھینک یو عمر! تھینک یو سو مچ! گفٹ لانے کا بہت شکریہ۔ کوئی بات نہیں اگر تم ڈنر اٹینڈ نہیں کرسکے' ہم پھر چلے جائیں گے۔ وہ ڈنر تو پاپا نے دیا تھا۔ میں اپنی پاکٹ منی سے سب کو ڈنر کراؤں گی اور آئس کریم ہم کل کھائیں گے۔ اس وقت تم تھکے ہوئے ہو اس لیے آرام کرو۔ کل ہم ضرور آئس کریم کھانے جائیں گے وہ بھی تمہاری جیب سے۔'' مہر نے مسکراتے ہوئے کہا عمر باقی لوگوں کے دیئے ہوئے گفٹ اٹھا کر دیکھ رہا تھا۔

''بہت اچھے گفٹ ملے ہیں تمہیں اور یہ کرسٹل فریم' اس میں تم اپنی میڈل والی تصویر لگانا۔'' عمر نے تارا کا دیا فریم اٹھا کر معائنہ کرتے ہوئے مشورہ دیا۔ کتنا اپنا اپنا لگ رہا تھا عمر۔ مہر کو یقین کرنے میں دقت ہو رہی تھی۔ ''اچھا! میں چلتا ہوں۔ کل چلیں گے آئس کریم کھانے۔'' عمر خدا حافظ کہتا ہوا چلا گیا' مہر نے اپنا آپ ڈھیلا چھوڑ دیا۔

"یہ واقعی عمر تھا' اس نے اتنی لمبی بات کی میرے ساتھ......؟ اور آئس کریم کی پیش کش اور معذرت!" وہ حیرت کے ان جھٹکوں سے سنبھل نہیں پارہی تھی۔ "اُف خدایا! ناقابل یقین......" وہ بڑبڑاتے ہوئے گفٹ ریپر پھاڑنے لگی اور گفٹ دیکھ کر وہ مزید حیران ہوئی۔ اتنا لاتعلق رہنے کے باوجود عمر اس کی پسند سے واقف تھا اور عین اس کی پسند سے گفٹ لایا تھا۔ مستنصر حسین تارڑ اور جاوید چوہدری کی کتابوں کا سیٹ۔ مشہور رائٹرز کی بہترین کتابیں۔ وہ بہت خوش ہورہی تھی۔ "واہ عمر! آج تو تم نے حیران کرنے کے اگلے پچھلے ریکارڈ توڑ ڈالے ہیں۔" وہ گفٹس اٹھا کر سنبھالنے لگی۔ یہ پہلا مرحلہ تھا جب وہ عمر کے بارے میں تھوڑی سی مثبت سوچنے لگی لیکن یہ مثبت تاثر بعد میں ہونے والی چھوٹی چھوٹی باتوں نے زائل کردیا تھا۔

"مہر! ماما کا فون ہے' بات کرلو۔" عمر دراز کی آواز اسے حال میں واپس لے آئی۔ وہ فون سٹ گود میں رکھے ماما سے باتوں میں مصروف تھا۔ تارا آپی فواد کو سلا کر آچکی تھیں اور اب شوکت سے چائے لانے کے لیے کہہ رہی تھیں۔ مہر نے آگے بڑھ کر اس کی گود سے سیٹ اٹھایا اور میز پر رکھ کر بات کرنے لگی۔

"مہر! میری بات کرواؤ نا ماما سے۔" تارا آپی کچن سے واپس آکر اس کے پاس بیٹھ گئیں' ریسیور انہیں تھما کر وہ اپنے کمرے میں جانے لگی۔ "مہر! چائے پی لو' شوکت چائے لارہا ہے۔" انہوں نے ریسیور پر ہاتھ رکھ کر اسے پکارا۔

"میرے کمرے میں بھیج دیں۔" وہ پلٹے بنا چلی گئی۔ عمر دراز پُرسوچ نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

❀......☆......❀

وہ یونیورسٹی سے واپس آئی تو گھر میں بالکل خاموشی تھی۔ تارا آپی کچھ دن نئی نویلی دلہن کے ناز اٹھانے کے لیے وہاں رہیں لیکن وہ خود ہی ناز اٹھوانے کے موڈ میں نہیں تھی۔ شادی کے چوتھے دن اس نے یونیورسٹی جانا شروع کردیا۔ تارا آپی نے سمجھانا چاہا تو عمر نے انہیں منع کردیا۔ وہ اس پر کسی قسم کی پابندی نہیں لگانا چاہتا تھا۔ ورنہ وہ زیادہ ضد میں آجاتی۔ ویسے بھی گھر میں فارغ رہنے سے وہ صرف اوٹ پٹانگ سوچتے ہوئے کڑھتی رہتی' یونیورسٹی جانے کی وجہ سے اس کا دھیان بٹ جاتا۔ وہ یونیورسٹی سے سیدھی ایک میگزین کے آفس چلی جاتی تھی پھر تقریباً شام کو وہاں سے لوٹتی۔

عمر آفس میں کافی مصروف تھا۔ بڑے پاپا اور چھوٹے پاپا کی غیر موجودگی میں سارا بوجھ اس پر آن پڑا تھا۔ وہ مہر کے اکیلے پن کی وجہ سے جلدی گھر آنے کی کوشش کرتا لیکن آفس کے علاوہ باہر کی بھاگ دوڑ میں بہت سارا وقت نکل جاتا۔ پاپا اور چھوٹے پاپا کو تجربہ تھا وہ آسانی سے معاملات چلا لیتے لیکن عمر کو کلائنٹس سے ناواقفیت اور اسی طرح کے دوسرے مسائل کا سامنا تھا۔

مہر گھر آئی تو حسب معمول وہی جامد سناٹا اس کا استقبال کرنے کو تیار تھا۔ اب ملازم کب گھر میں رونق لگا سکتے تھے' جب مالک ہی بے زار اور منتشر تھے۔ مہر نے جھنجلا کر بیگ بیڈ پر پھینکا جوتے اتار کر کارپٹ پر اچھالے اور واش روم میں گھس گئی۔ شاور لینے کے بعد گیلا تولیہ کرسی پر' کپڑے اِدھر اُدھر ڈال کر اس نے اونچی آواز میں ڈی وی ڈی پلیئر آن کردیا۔ اسے سناٹے سے وحشت ہورہی تھی اور وہ اس خاموشی کو توڑنا چاہ رہی تھی۔ تبھی ترتیب سے رکھی سی ڈیز کو ہاتھ مار کر بکھیر دیا پھر میز پر رکھی کتابیں بیڈ پر پھینکیں۔ الماری سے اپنے اور عمر کے کپڑے نکال کر بیڈ پر پھینکے گلدانوں سے پھول نکال کر نوچ ڈالے' اپنی بے چینی اور گھبراہٹ دور کرنے کے لیے اس نے کمرا ادھیڑ ڈالا تھا۔ لیکن اندر کی تپش بڑھتی جارہی تھی۔ ڈی وی ڈی چلتا چھوڑ کر وہ لان میں آگئی۔

"شوکت! میرے لیے چائے اور فرنچ فرائز لے آؤ۔" اس نے پائپ اٹھا کر پودوں کو پانی دینا شروع کیا۔ شوکت کے چائے لانے تک وہ لان کو اچھی طرح بھگو چکی تھی۔ پودوں کے پتوں سے پانی ٹپک رہا تھا۔ پائپ کھلا چھوڑ کر وہ کچن میں آگئی۔

"شوکت! رات کے کھانے میں کیا بنا رہے ہو؟"

"بی بی! جو آپ کہیں گی وہی بنے گا۔"

"اچھا! تم ایسا کرو آج کچن سے چھٹی کرو' کھانا میں خود پکاؤں گی' آج تم موج کرو۔" شوکت بے ہوش ہوتے ہوتے بچا۔

"کیا! آپ کھانا پکائیں گی؟" اسے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔

"ہاں بالکل......کھانا میں پکاؤں گی۔"

"جی ٹھیک ہے۔" شوکت چائے کپ میں ڈال کر فرنچ فرائز نکالنے لگا۔

"بس اب تم جاؤ۔" مہر کچن میں ہی اسٹول گھسیٹ کر بیٹھ گئی اور چائے پینے لگی۔ اپنے پسندیدہ فرنچ فرائز کھانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ چائے ادھوری چھوڑ کر اس نے مسور کی دال چڑھائی اور سلاد کے لیے سبزیاں کاٹنے لگی۔ اُبلے چاول اور دال پکنے تک اس نے سلاد اور رائتہ بنالیا تھا۔ دوپہر کو بھی کھانا نہیں کھایا تھا' نا شام کو چائے پی اس لیے بھوک خوب چمک رہی تھی۔ کھانا ٹرے میں سجا کر وہ لاؤنج میں آگئی۔ اپنی پسندیدہ مووی لگا کر اس نے کھانا کھایا اور برتن وہیں میز پر کھسکا کر مووی دیکھنے کے لیے صوفے پر لیٹ گئی۔ تقریباً گیارہ بجے عمر واپس آیا تھا۔ مہر کی مصروفیت کو ایک سرسری نظر سے دیکھتا ہوا وہ بیڈ روم میں چلا گیا۔ اندر قدم رکھتے ہی وہ ٹھٹک گیا لیکن وہ اس قدر تھکا ہوا تھا کہ مزید دماغ خراب نہ کرنے کا ارادہ کرکے اس نے ایک کرتا شلوار اٹھایا اور واش روم کی طرف جانے لگا۔ مہر اس کے لیے پانی لے کر آئی تھی' اب بکھرے کمرے میں اسے کھڑا دیکھ کر ذرا سا گھبرائی لیکن پھر اس کی خودسری عود کر آئی۔ اس نے جگ سائیڈ ٹیبل پر رکھا تو کھٹکے کی آواز پر عمر نے پلٹ کر دیکھا۔ اسے اپنی طرف دیکھتا ہوا پا کر وہ فوراً باہر نکل آئی۔ عمر نے ایک گلاس پانی پیا اور فریش ہونے چل دیا۔ کافی دیر بعد وہ واپس آیا تو مہر دوبارہ مووی دیکھنے میں مگن ہوچکی تھی۔

"شوکت! ابھی تک کھانا نہیں لگایا۔" اس نے شوکت کو آواز دی۔

"شوکت! آج گھر چلا گیا تھا' اس کی بیوی بیمار تھی۔ میں نے کھانا پکایا ہے' لگاتی ہوں۔" وہ ٹی وی بند کرکے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے کچن میں جاتے ہی عمر نے دوبارہ ٹی وی آن کرلیا اور جیوگرافک چینل پر کوئی ڈاکومنٹری دیکھنے لگا۔ مہر اُبلے چاولوں کی پلیٹ اور پتلی دال ٹرے میں سجائے لاؤنج میں آگئی۔ اچار' رائتہ' سلاد ندارد تھے۔ عمر کا حلق کڑوا ہوگیا لیکن وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ فیکٹری میں مال کی ڈیلیوری تھی۔ ساری دوپہر مختلف شعبوں میں خوار ہوتا رہا تھا۔ اسی چکر میں دوپہر کا کھانا بھی نہ کھاسکا۔ اب گیارہ بجے وہ کام ختم کروا کر آیا تو بھوک اور تھکن سے بُرا حال تھا۔ مہر کی حرکتوں نے طبیعت مزید مکدر کردی تھی۔ مہر اچھا خاصا کھانا پکالیتی تھی لیکن صرف عمر کو چڑانے کے لیے اس نے اُبلے چاول پکائے تھے۔ عمر مسور کی دال کھالیتا تھا لیکن ابلے چاولوں سے اسے سخت چڑ تھی اور پھر خالی

دال چاول۔ اتنی تھکن کی وجہ سے باہر کھانا کھانے کے لیے جانے کا موڈ نہیں ہو رہا تھا۔

"مہر! میرے لیے روٹی پکادو۔ فریج میں سالن ہوگا۔ ساتھ میں......"

"ماشاءاللہ! میں نے دال چاول لادیے ہیں ان پر شکر مناؤ' اب تمہارے لیے روٹی پکاتی پھروں؟" وہ بدتمیزی سے کہتی ہوئی صوفے پر ڈٹ گئی۔

"تو پھر یہ کھانا یہاں سے لے جاؤ۔"

"تم اسے ٹیبل پر ہی پڑا رہنے دو' اگر دیکھ دیکھ کر کھانے کو دل کرنے لگے تو بے شک کھالینا ورنہ آنکھیں بند کرلو۔" اس نے میگزین اپنے سامنے پھیلا لیا۔ عمر نے ہاتھ مار کر ٹرے نیچے گرادی اور جھپٹ کر میگزین اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔ میگزین کے ٹکڑے کرکے اس نے وہیں پھینک دیے۔

"مسز مہر عمر دراز! اگر میں تمہیں برداشت کررہا ہوں تو اسے میری مجبوری نہ سمجھو ورنہ پچھتاؤ گی اور میں نہیں چاہتا کہ تمہیں پچھتانا پڑے۔ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ مجھے روٹی پکوانا آتا ہے اگر میں تمہارے ہر بکواس رویے پر درگزر کررہا ہوں تو اس کا ناجائز فائدہ مت اٹھاؤ اور مجھے میری برداشت سے زیادہ نہ آزماؤ۔" اسے کندھوں سے پکڑ کر عمر دراز نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر ادا کیا۔ "میں دو منٹ میں تمہارا دماغ ٹھکانے لگا سکتا ہوں لیکن......" اس نے درشتی سے مہر کو صوفے پر دھکا دیا اور تیز قدم سے کچن میں چلا گیا۔ آدھے گھنٹے کی کوشش کے بعد وہ چکن سینڈوچ اور چائے کا مگ تیار کرکے لاؤنج میں آیا تو مہر وہیں بیٹھی رو رہی تھی۔ اس نے اسے مکمل نظر انداز کرتے ہوئے سینڈوچ کھانا شروع کیا۔ مہر اٹھ کر بیڈ روم میں چلی آئی۔ ابھی اس نے چند نوالے ہی لیے تھے' جب اس کا سیل فون بجنے لگا۔ چائے کا مگ میز پر رکھ کر اس نے موبائل آن کرکے کان سے لگایا' دوسری طرف کی بات سنتے ہی وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ اس کے چہرے پر زردی چھا رہی تھی۔

* * *

مہر کپڑے کارپٹ پر پھینک کر بیڈ پر سوگئی تھی۔ صبح یونیورسٹی جانے کے لیے تیار ہوکر وہ کمرے سے باہر آئی تو عمر ہنوز صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ چائے اور سینڈوچ جوں کے توں پڑے ہوئے تھے' عمر کی آنکھیں بے تحاشا سرخ سوجی ہوئی تھیں' شاید وہ روتا رہا تھا یا شاید ساری رات سو نہیں پایا تھا۔ مہر کو بے چینی سی محسوس ہوئی۔

"عمر! کیا ہوا؟" وہ رات کی ناراضی بھلا کر اس کے پاس چلی آئی۔ عمر نے خالی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔ وہ باہر جانے لگی۔

"مہر! آج یونیورسٹی نہ جاؤ۔" اس کی آواز بے حد بھاری ہورہی تھی' مہر ان سنی کرتی ہوئی پورچ میں آگئی۔ وہ ابھی گاڑی نکال رہی تھی جب عمر اس کے سامنے آگیا۔ "مہر! کہا نا آج یونیورسٹی نہ جاؤ۔"

"کیوں! کیا تکلیف ہے تمہیں؟ میں یونیورسٹی نہ جاؤں؟" وہ تنک کر باہر نکل آئی۔

"مہر!" وہ ہونٹ کاٹ رہا تھا۔ "مہر! آج پاپا آرہے ہیں۔" شدید ضبط کی کوشش کے باوجود اس کے آنسو بہہ نکلے' مہر تڑپ کر اس کے پاس آئی۔

"تو اس میں رونے والی کون سی بات ہے؟ یہ تو خوشی کی بات ہے کہ پاپا آرہے ہیں۔" مہر نے عمر کو کبھی روتے نہیں دیکھا تھا۔ بچپن میں بھی وہ کبھی گر جاتا یا کھیلتے ہوئے اسے بال لگ جاتی تو وہ کبھی نہیں روتا تھا۔ ہاں بڑی ماما کی وفات پر مہر نے اسے روتے دیکھا تھا۔ اسے کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا۔ کہیں کچھ گڑبڑ محسوس ہورہی تھی۔ "عمر! بولو کیا ہوا ہے؟" مہر نے اس کا کندھا جھنجوڑ ڈالا۔ وہ کچھ کہے بنا تیزی سے اندر چلا گیا' مہر اس کے پیچھے دوڑی۔ "عمر! تم کچھ بولتے کیوں نہیں ہو۔" وہ بیڈ روم میں اس کے پاس چلی گئی۔

"مہر! پاپا چلے گئے' پاپا بھی مجھے چھوڑ کر چلے گئے۔"

"عمر......!" مہر پوری قوت سے چلائی۔ اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ "عمر...... عمر تم جھوٹ بول رہے ہو بکواس کررہے ہو...... تمہیں...... عادت ہے مجھے تنگ کرنے کی۔ ستانے کی ہے نا۔ تم غلط کہہ رہے ہو' بولو عمر...... تم مجھے بتاؤ تم غلط کہہ رہے ہو' جھوٹ بول رہے ہو۔" وہ اس کا گریبان پکڑے چیخ رہی تھی۔

"بڑے پاپا نہیں جاسکتے عمر...... تم...... کہہ کیوں نہیں دیتے یہ جھوٹ ہے۔" وہ اس کے گریبان کو جھٹکے دے رہی تھی۔ عمر نے ہونٹ سختی سے بھینچ رکھے تھے۔ آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔ مہر کی آنکھوں میں دھند اتر آئی۔

"عمر! پاپا نہیں جاسکتے۔ پلیز عمر...... مجھے کہہ دو پلیز خدا کے لیے عمر!" وہ اس کے کندھے سے لگ کر روئے جارہی تھی۔

"یہ سچ ہے مہر! کاش یہ سچ نہ ہوتا۔" عمر کے حواس مختل ہورہے تھے۔

"تارا آپی...... ماما......!" مہر ہذیانی انداز میں چیختی ہوئی باہر دوڑی۔ عمر وہیں بیڈ پر ڈھے گیا۔

* * *

"کوئی میرا نہیں' کوئی بھی نہیں۔ ماما' پاپا' تارا آپی' عمر کوئی بھی میرا نہیں۔ یہ عمر جو کہتا ہے کہ اسے مجھ سے عشق ہے' یہ بھی میرا نہیں۔ یہ عمر جس نے میرے ماما پاپا مجھ سے چھین لیے' میرا سب کچھ لے لیا' اب خود بھی میرا نہیں ہے۔ سب کچھ لینے کے باوجود میرا نہ بن سکا۔ میں کسی کی کچھ نہیں لگتی۔ کوئی مجھ سے محبت نہیں کرتا۔ نہ ماما' نہ پاپا اور نہ عمر اور تارا آپی۔ میں کسی کے لیے اہم نہیں ہوں اگر میری ان کی نظر میں کوئی وقعت ہوتی تو یہ مجھے بتاتے۔ مجھ سے شیئر کرتے اگر یہ مجھے اپنا سمجھتے تو مجھے اپنے دکھوں میں شریک کرتے۔ سب مجھے خود غرض سمجھتے ہیں' سب مجھے پاگل اور کم عقل سمجھتے ہیں۔ جو جب چاہتا ہے مجھے بے وقوف بنالیتا ہے۔ چھپاتے ہیں مجھ سے سارا کچھ...... میں ان کی کون ہوں جو مجھے اپنی باتیں بتائیں؟ میں ان کی کیا لگتی ہوں جو مجھے اپنے رازوں میں شریک کریں۔ میں اکیلی ہوں' تنہا! کوئی میرا نہیں۔" گھر کی پچھلی طرف کچن کی سیڑھیوں پر بیٹھی وہ مسلسل بڑبڑا رہی تھی اور آنسو قطرہ قطرہ بہہ کر گود میں گر رہے تھے۔ بڑے پاپا کی وفات کے بعد وہ بالکل خاموش ہوگئی تھی۔ سارا سارا دن چپ چاپ بیٹھی رہتی یا پھر اکیلے میں خود سے باتیں کرتی اور روتی رہتی۔ اسے اپنا ایک ایک بدصورت رویہ یاد آتا تھا' جو اس نے عمر دراز کے ساتھ روا رکھا۔ اسے اپنی ایک ایک بات یاد آتی تھی جو اس نے عمر سے کہی' عمر کی پریشانیوں میں ہردم اضافہ کیا۔ آفس کے مسائل' پاپا کی پریشانی' وہ بجائے اسے تسلی دینے کے ہر وقت اسے زچ کیے رکھتی تھی' وہ انجانے میں اسے مزید دکھ دیتی تھی اور عمر! وہ پہلے تو ذرا سی بات برداشت نہیں کرتا تھا۔ اب کیسا عظیم بنا اس کی ہر حرکت برداشت کرتا رہا۔ اس سے اتنا نہ ہوسکا کہ چار پانچ تھپڑ لگا کر اس کا دماغ ٹھیک کردے۔ وہ انجانے میں اسے دکھی کرتی رہی' وہ اپنے ہی خود ساختہ دکھ میں مبتلا ہر چیز کو نظر انداز کرتی تھی اور یہی خود غرضی اسے کچوکے لگاتی تھی۔ یہی احساس اسے ہر وقت ڈستا رہتا تھا۔ اگر یہ لوگ مجھے بتادیتے تو میں ایسا نہ کرتی۔ کبھی نہ کرتی۔ وہ

پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"مہر! بس کرو اور کتنا روؤ گی؟" عمر نے اس کے برابر میں بیٹھتے ہوئے اس کے کندھے پر اپنا بازو پھیلا کر اسے تسلی دی۔ مہر نے تیزی سے بہتے آنسو صاف کیے، اس نے عمر سے کوئی بات کرنے کی کوشش نہ کی۔ "تمہارے امتحانات قریب ہیں، تم یونیورسٹی جانا شروع کردو۔ باہر نکلو گی تو جی بہل جائے گا۔ یہ سب کب تک چلے گا؟" وہ اسے تسلی دے رہا تھا۔ مہر اب بھی خاموش تھی۔ وہ ماما، پاپا اور تارا آپی کی باتیں بھی اسی خاموشی سے سنا کرتی تھی۔ کافی دیر یکطرفہ گفتگو کے بعد عمر اپنے خیال میں اسے یونیورسٹی جانے کے لیے تیار کرکے اٹھ گیا تھا۔ وہ ابھی تک وہیں بیٹھی تھی۔

بی بی اے کے بعد عمر نے ایم بی اے میں ایڈمیشن کے ساتھ ہی آفس جانا شروع کردیا تھا۔ پریکٹیکل لائف میں آنے کے بعد وہ مزید سنجیدہ ہوگیا تھا۔ گھر والے اتنی سی عمر میں اس کے اس قدر ذمہ دار رویے پر فخر کرتے تھے۔ عمر دراز کی عمر کے لڑکے ابھی کالجز میں تھے اور وہ اپنے پاپا اور چھوٹے پاپا کا بزنس جوائن کرچکا تھا۔ گھر کا اکلوتا چشم و چراغ ہونے کی وجہ سے ظاہر ہے بزنس اسی کو سنبھالنا تھا، سو ابھی سے اس نے آفس پر توجہ دینی شروع کردی تھی۔ مہر کے خیال میں یہ بھی عمر کی ایک شاطرانہ چال تھی۔ وہ یقیناً مہر کے حصے پر بھی قابض ہونا چاہتا تھا، اگر مہر کے پاپا براہ راست فیکٹری اور کمپنی کے شیئرز اس کے نام نہ بھی کرتے تو وہ ہاتھ کی صفائی دکھاتے ہوئے بہت کچھ ہڑپ کرلیتا۔ مہر کا کون سا کوئی بھائی تھا جو عمر کے مقابل کھڑا ہوتا۔ رہ گئی مہر تو اسے تارا آپی کی طرح شادی کرکے اس گھر سے چلے جانا تھا پھر بلا شرکت غیرے یہ عمر کی راج دھانی ہوتی اور وہ راجکمار۔ مہر کے خدشات کو تقویت اس وقت ملی جب عمر نے آفس جوائن کرنے کے چند دن بعد ہی اپنی گاڑی بدل لی۔ اس کے پاس پہلے بھی اچھی خاصی گاڑی تھی۔ جو اس نے دو سال پہلے لی تھی۔ مگر اب وہ گاڑی چھوڑ کر اس نے پچیس لاکھ کی زیرو میٹر گاڑی لی تھی۔ ظاہر ہے جب مفت میں ریوڑیاں بٹ رہی ہوں تو پھر دونوں ہاتھوں سے لی جاتی ہیں۔ وہ کیوں نہ عیش کرتا۔ مہر بے شک اکلوتی تھی لیکن اس کے پاس تو وہی کرولا تھی جو پاپا نے اسے کالج جانے کے لیے لے کر دی تھی اور اسے گاڑی ڈرائیو کرنے کی بھی اجازت نہ تھی، ہر وقت ڈرائیور کے ساتھ جانا پڑتا۔ ایم اے مکمل ہوتے ہی تارا آپی کی شادی ان کے کزن سے ہوگئی اور تبھی عمر نے مہر کی اور اپنی منگنی کا شوشا چھوڑا۔ مہر نے سنا تو اس کے سر کو لگی تلووں پر بھی نہ بجھی۔ پہلے تو وہ سوچتی تھی کہ شادی کے بعد اس کی جان عمر کی منحوس صورت سے چھوٹ جائے گی، اب اگر اس کی شادی عمر سے ہوجاتی تو وہ تو ساری زندگی یونہی گھٹ گھٹ کر مرجاتی۔ عمر نے جائیداد پر قبضے کا بڑا اچھا منصوبہ بنایا تھا۔ شادی بھی ہوجاتی مہر کو ساری عمر جلانے کے لیے اور رعب جمانے کے لیے اور ساتھ ہی عمر جائیداد پر بھی ہاتھ صاف کرلیتا۔ ماما پاپا تو پہلے ہی عمر کے قبضے میں تھے، اگر عمر اسے کچھ کہتا بھی تو اسے کون سا ان دونوں سے شکایت کرنی تھی۔ وہ الٹا اسے ہی لتاڑتے رہتے کہ جیسے سارا قصور اسی کا ہو۔

مہر نے سنتے ہی انکار کردیا۔ اس کے والدین نے اس انکار کو جذباتی پن سمجھا۔ مہر نے جب دیکھا کہ ماما پاپا اس کی بات سننے کو تیار نہیں ہیں تو وہ سیدھی عمر کے پاس جا پہنچی۔

"اگر تم نے رشتے سے انکار نہ کیا تو میں خودکشی کرلوں گی۔ تمہارے خواب زیادہ اچھے طریقے سے پورے ہوجائیں گے، سانپ بھی مرجائے گا اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے گی۔ تم اکیلے ہی عیش کرنا۔" عمر نا سمجھی کی کیفیت میں حیرت سے اسے دیکھتا رہ گیا۔ اسے اصل بات سمجھ میں آئی یا نہیں لیکن اس نے منگنی والا معاملہ خود ہی کسی نہ کسی طریقے سے ختم کردیا تھا۔ وہ ویسے بھی پورا کھلاڑی تھا، ہر ایک کو اپنی انگلیوں پر نچانے والا۔ ہاں نا اور نا کو ہاں میں بدلوانا اسے اچھی طرح آتا تھا۔ لیکن یہاں ماما پاپا جیسے سیدھے سادے لوگ نہیں تھے جو اس کے چکر میں آجاتے۔ یہاں مہر تھی جو اس کی تمام چالاکیوں کے بارے میں اچھی طرح جانتی تھی۔ اسی لیے اس نے دو ٹوک انکار کرکے عمر کی سازش کو ناکام بنادیا تھا۔ گھر میں دوبارہ اس کے اور عمر کے رشتے کے حوالے سے کبھی بات نہیں ہوئی تھی اور وہ اس بات پر بڑی خوش تھی۔ یہ پہلا وار تھا جو اس نے عمر کو واپس لوٹایا تھا اب آہستہ آہستہ سب کچھ سامنے آجاتا۔ وہ اپنے حصے کی جائیداد کسی ٹرسٹ کو تو دے سکتی تھی لیکن عمر جیسے لالچی کو نہیں۔ وہ ایم بی اے کے پہلے سال میں تھی جب ایک بار پھر اس کی اور عمر کی شادی کا شور اٹھا۔ اس نے سختی سے انکار کردیا تھا۔ عمر ایم بی اے مکمل کرکے بڑے پاپا کا بزنس سنبھال چکا تھا۔ تین سال ہونے کو آئے تھے، پہلے تو بڑے پاپا اور ماما پاپا اسے شادی کے لیے کہتے جنہیں وہ بڑی صفائی سے ٹال جاتا لیکن اب اچانک تایا ابو کا اصرار بڑھ گیا۔ عمر کسی صورت شادی کے لیے تیار نہیں تھا۔ یقیناً اس نے ابھی تک ہمت نہیں ہاری تھی، اس نے ابھی تک مہر کی جائیداد پر نظر رکھی ہوئی تھی لیکن مہر بھی ایک کائیاں تھی، وہ مان کر نہ دی۔

پھر ایک دن تایا ابو نے خود اس سے بات کی۔ ماما، پاپا، تارا آپی کی طرف گئے ہوئے تھے اور عمر فیکٹری۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

بڑے پاپا نے مہر سے گزارش کی تھی کہ وہ شادی کے لیے مان جائے کیونکہ عمر کسی اور سے شادی کے لیے تیار نہیں تھا اور بڑے پاپا بہت جلد عمر کی شادی کرنا چاہ رہے تھے۔

عمر نے مہر کے انکار کو انا کا مسئلہ بنالیا تھا اور اب اسی وجہ سے وہ کہیں اور شادی کے لیے نہیں مان رہے تھے۔ وہ کسی نہ کسی طرح مہر کو دباؤ میں لاکر اس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ مہر نے بڑے سلیقے سے بڑے پاپا سے معذرت کی تھی' وہ کچھ زیادہ ہی مایوس ہوگئے تھے یا شاید انہوں نے مہر کے انکار کو بہت سنجیدگی سے لیا تھا' ان کی طبیعت بہت خراب ہوگئی تھی۔ اسپتال میں انہوں نے روتے ہوئے مہر سے التجا کی کہ وہ عمر سے شادی کرلے ورنہ عمر شاید ساری زندگی شادی نہ کرتا۔ مہر کشمکش و پیچ کا شکار تھی۔ وہ الجھی ہوئی گھر آ گئی۔ ماما پاپا اسپتال میں تھے۔ ایک طرف بڑے پاپا کے آنسو اور دوسری طرف عمر جیسی ناپسندیدہ ہستی۔ وہ ان ہی خیالوں میں تھی جب عمر دندناتا ہوا اس کے کمرے میں آ گیا۔ پاپا کی حالت اور مہر کی ہٹ دھرمی دیکھ کر وہ اپنے حواسوں میں نہ رہا تھا۔

''مہر تم نے مجھے خودکشی کی دھمکی دی تھی اس لیے میں پیچھے ہٹ گیا۔ اب تم نے پاپا کو بھی انکار کردیا۔ تم انتہائی خود غرض اور بدمزاج ہو۔ ایک آدمی کو بستر پر پہنچا کر بھی تمہیں سکون نہیں آیا؟ تمہارا کیا خیال ہے میرے علاوہ تمہاری شادی کہیں اور ہو اور میں چپ چاپ تماشا دیکھتا رہوں؟ میں ہر حال میں شادی تم سے ہی کروں گا چاہے تم نکاح کے آدھے گھنٹے بعد خودکشی کرلینا۔ مجھے صرف اپنے پاپا کی پروا ہے' میں انہیں ہر حال میں خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔'' انتہائی غصیلے انداز میں کہتے ہوئے عمر نے اسے بازو سے گھسیٹا اور کھینچتا ہوا گاڑی تک لے گیا۔ وہ اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش میں بُری طرح کانپ رہی تھی لیکن عمر کی گرفت آہنی تھی۔ اسے گاڑی کی سیٹ پر پھینک کر اس نے گاڑی اسٹارٹ کی' اس کا رخ اسپتال کی طرف تھا۔ مہر کا دماغ عمر کے جارحانہ انداز پر ماؤف ہوگیا تھا۔ بڑے پاپا اس کے اس طرح چلے جانے پر بہت دل برداشتہ ہوئے تھے۔ ان کی طبیعت مزید بگڑ گئی تو انہیں آئی سی یو میں شفٹ کردیا گیا۔ عمر کی دھمکی کی مہر کو کوئی پروا نہیں تھی۔ محض بڑے پاپا کی حالت دیکھ کر اس نے اسپتال میں ہی نکاح نامے پر سائن کردیے۔ کئی گھنٹوں بعد وہ ہوش میں آئے تو ماما اسے سرخ دوپٹا اوڑھا کر ان کے پاس لے گئیں۔ عمر بھی ساتھ تھا۔

''بڑے بھیا! یہ مہر آپ کی بیٹی بھی ہے اور بہو بھی۔ ہم نے عمر اور مہر کا نکاح کردیا ہے۔'' بڑے پاپا یہ خبر سن کر جیسے جی اٹھے تھے۔ انہوں نے ہاتھ بڑھایا تو مہر نے سر جھکا کر ان سے پیار لیا۔ بڑے پاپا کی حالت دیکھ کر اس کے آنسو نکل آئے تھے' وہ نقاہت سے مسکرائے پھر انہوں نے مہر کا ہاتھ عمر کے ہاتھ میں تھمادیا اور آنکھیں بند کرلیں۔

''پاپا!'' مہر اور عمر دونوں حواس باختہ ہوکر ان پر جھکے۔ انہوں نے آنکھیں کھول کر ان دونوں کو دیکھا اور مسکرادیے۔

''طیبہ! تم جمال سے کہو رخصتی کی تیاری کرے اسی جمعے کو۔'' انہوں نے مہر کی ماما سے کہا۔ مہر کی جان نکل گئی جب کہ شدید پریشانی کے باوجود عمر کو اپنے احساسات بدلتے ہوئے محسوس ہوئے۔

''محض پانچ دن بعد......؟ اوہ نو......!'' مہر بُری طرح گھبرا گئی۔ نکاح تو ہو ہی چکا تھا اب کسی صورت جان نہیں چھوٹ سکتی تھی لیکن وہ زبردستی ہی سہی' خود کو اس رشتے کے لیے تیار کرنا چاہتی تھی لیکن بڑے پاپا نے بہت جلدی مچادی تھی پھر رخصتی سے ایک دن قبل ماما پاپا اور بڑے پاپا علاج کی غرض سے انگلینڈ روانہ ہوگئے۔ عمر اور مہر کی شادی میں صرف تارا آپی تھیں یا پھر قریبی رشتہ دار رہ گئے تھے۔ عمر نے سارے انتظامات خود ہی مکمل کیے تھے۔ شادی کے پندرہ دن بعد بڑے پاپا کی وفات ہوگئی تھی۔ انہیں جگر کا کینسر تھا۔ انہوں نے اپنی بیماری کو سب سے چھپائے رکھا اور خود ہی علاج کرواتے رہے لیکن اب ان کی تکلیف اچانک ہی بہت بڑھ گئی تھی' انہوں نے عمر اور مہر کی شادی کرنا چاہی تاکہ عمر سیٹل ہوسکے۔ انہیں اس بات کا یقین تھا کہ ان کے بعد اگر مہر نہ مانی تو عمر کبھی کسی اور سے شادی نہ کرے گا' وہ اپنے اکلوتے بیٹے کا گھر بسانا چاہتے تھے' اس لیے انہوں نے مہر کی منتیں کی تھیں۔ اگر مہر کو پتا ہوتا تو وہ بہت پہلے مان چکی ہوتی۔ وہ بڑے پاپا کو انکار کرکے انہیں دکھ نہ دیتی لیکن اسے اصل بات کا پتا ہی کب تھا۔ وہ تو عمر کی ضد کو اس کا لالچ سمجھتی رہی۔ ماما اور پاپا بڑے پاپا کو لندن لے کر گئے تھے۔ انہوں نے وہاں بڑے پاپا کی سرجری کے لیے ٹائم لے رکھا تھا۔ ڈاکٹر نے اچانک ڈیٹ دی تھی' اگر وہ مقررہ تاریخ پر نہ جاتے تو آپریشن کی تاریخ کئی ہفتے آگے جاسکتی تھی۔ بڑے پاپا کی حالت اتنی اچھی نہ تھی کہ اتنی دیر انتظار کیا جاسکتا' اس لیے شادی اٹینڈ کیے بغیر وہ لوگ لندن چلے گئے اس امید پر کہ شاید بڑے پاپا ٹھیک ہوسکیں لیکن محض پندرہ دن اسپتال میں رہنے کے بعد ان کا انتقال ہوگیا تھا۔ ماما پاپا فون پر یہی بتاتے رہے کہ بڑے پاپا ٹھیک ہیں۔ کسی نے اسے ذرا سا شک بھی نہیں ہونے دیا۔ الٹا تارا آپی اپنا دکھ چھپائے اس کی ناز برداری کرتی رہیں۔ مہر کو اپنا آپ بہت چھوٹا لگ رہا تھا۔ سارے گھر کے لوگ ہی عظیم تھے' سب ہی ایک دوسرے کو اتنی اچھی طرح جانتے تھے۔ بڑے پاپا کو پتا تھا کہ عمر مہر سے کتنی محبت کرتا تھا۔ ماما اور پاپا نے بھی بڑے پاپا کی خواہش کا احترام کیا تھا' صرف ایک وہی تھی جو کسی کی نہ بات مان سکی نہ کسی کو سمجھ سکی۔ عمر کی محبت جو اسے ایک سازش لگتی تھی۔ بڑے پاپا کی بیماری میں عمر نے اسے جس طرح برداشت کیا تھا' مہر اب ایک لفظ بھی نہ کہہ سکی تھی۔ سب نے اپنے اپنے حصے کا فرض نبھایا تھا' سب نے حق ادا کیا تھا۔ ایک وہی تھی جو کسی قابل نہیں تھی' نااہل تھی۔

عمر دراز فاتح تھا۔ وہ اول سے آخر تک درست تھا۔ ایک مہر ہی جذباتی اور پاگل تھی۔ کسی آزمائش پر پوری نہ اتر سکتی تھی۔ آنسو ایک بار پھر بہنے لگے۔ کس قدر بڑا خسارہ ہے شاید میں ساری زندگی اس احساس سے جان نہ چھڑا سکوں۔'' اس کی ہچکیاں نہیں رک رہی تھیں۔ لان میں اندھیرا اتر آیا تھا۔ بالکل ایسا ہی اندھیرا مہر کو اپنے دل و دماغ پر چھایا ہوا نظر آرہا تھا۔ بڑے پاپا کے آنسو ان کا لہجہ' الفاظ بار بار اس کی آنکھیں بھگودیتے اور جس دن بڑے پاپا کی وفات کی خبر ملی' وہ ساری رات اکیلا ہی روتا رہا۔ اس کی بیوی اس کی شریک حیات ہونے کے باوجود اس نے عمر کی پریشانی کے بارے میں اس سے نہ پوچھا' صبح بھی اس کا اجڑا حلیہ دیکھ کر وہ سنگدلی کی انتہا کرتی ہوئی یونیورسٹی چل پڑی۔ کیا وہ واقعی اتنی ہی سنگدل تھی۔ اتنی ہی بے حس کہ کسی کا دکھ اور خوشی محسوس نہ کرسکتی۔ کسی کے احساسات کو نہ سمجھ سکتی؟ اپنی الجھی ہوئی سوچوں کا سرا ڈھونڈتی ہوئی وہ گھر کے اندرونی حصے کی طرف بڑھ آئی۔

⁂

''تارا آپی کیسی ہیں عمر!'' نو بجے تک لاؤنج اور پورچ کے چکر کاٹ کاٹ کر اس کی ٹانگیں شل ہوچکی

تھیں۔ اس نے کئی بار عمر کو موبائل پر ٹریس کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اس کا موبائل مسلسل آف تھا۔ خدا خدا کر کے پورچ میں عمر کی گاڑی رکنے کی آواز آئی تو مہر بھاگتی ہوئی اس کے پاس پہنچی۔

”وہ اب ٹھیک ہیں۔“ وہ اس کے ساتھ چلا آیا۔

”تمہارا موبائل کیوں آف تھا؟“

”بیٹری لو ہونے کی وجہ سے آف ہو گیا تھا۔ یہ لو‘ چارجنگ پر لگا دو۔“ عمر نے جیب سے موبائل فون نکال کر اسے پکڑا دیا۔

”تم منہ ہاتھ دھو لو‘ میں کھانا لگاتی ہوں۔ شوکت جا چکا ہے۔“ مہر موبائل فون لے کر کمرے میں آ گئی۔ عمر منہ ہاتھ دھو کر کچن میں آ گیا۔

”یہیں لے آؤ۔“ اس نے اسٹول کھینچ کر شیلف کے قریب کیا۔ مہر نے کھانا گرم کر کے میز پر رکھا۔ فریج سے رائتہ اور سلاد اور سوئیٹ ڈش نکال کر وہ بھی اس کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔ پلیٹ میں سالن نکالتے نکالتے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

”اب کیا ہوا؟“ عمر نے نوالہ روک کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

”کچھ نہیں! میں چائے کے لیے پانی رکھ دوں۔“

”کھانا کھا لو پھر چائے بھی بن جائے گی۔“

”ہاں‘ اسی لیے رکھ رہی ہوں تاکہ کھانا کھانے تک چائے تیار ہو جائے۔“ اس نے برنر جلا کر ساس پین اوپر رکھا اور دوبارہ کھانا کھانے لگی۔ ”عمر! میں تارا آپی کو دیکھنے کے لیے جانا چاہتی ہوں۔“ چائے دے کر اس نے جلدی سے برتن سمیٹے۔ عمر کو اس کی اس قدر جلدی سمجھ میں آ گئی۔

”تارا آپی! بالکل ٹھیک ہیں‘ تم صبح چلی جانا۔“ وہ رسانیت سے بولا۔

”نہیں عمر! میں ابھی جاؤں گی۔“

”مہر! وہ سو رہی ہوں رہی گی ورنہ میں فون پر تمہاری ان سے بات کروا دیتا۔ تم صبح......“

”میں صرف ایک نظر ان کو دیکھنا چاہتی ہوں۔“ اس نے عمر کی بات کاٹ دی۔

”ٹھیک ہے۔“ وہ کندھے اچکا کر جلدی جلدی چائے کے گھونٹ لینے لگا۔ تارا آپی کی ڈلیوری قریب تھی اور اس سلسلے میں کوئی پیچیدگی تھی۔ اسی لیے وہ اسپتال میں داخل تھیں۔ ماما ان کے پاس اسپتال میں تھیں‘ پاپا کسی کام سے کراچی گئے ہوئے تھے۔ مہر کو یقین تھا کہ عمر اصل بات اسے نہیں بتا رہا‘ اسے حسب سابق بہلایا جا رہا ہے‘ اسی لیے وہ تارا آپی کو دیکھنے کی ضد کر رہی تھی۔ عمر اس کی کیفیت سمجھ رہا تھا اس لیے رکنے پر زیادہ اصرار نہیں کیا۔ تقریباً ساڑھے گیارہ بجے ان کی اسپتال سے واپسی ہوئی تھی۔ کپڑے بدل کر عمر سونے کے لیے لیٹ گیا۔ مہر چیزیں سمیٹ کر جگہ پر رکھنے کے بعد سونے کے لیے آ گئی۔ وہ اب عمر تو عمر‘ گھر کے ہر فرد کا خیال رکھنے کی کوشش کرتی تھی۔ وہ ابھی تکیہ سیدھا کر رہی تھی جب عمر نے اسے پکارا۔

”مہر! یہاں میرے پاس آؤ۔“ وہ فوراً دوسری سائیڈ پر آ گئی۔ عمر نے پیچھے سرک کر اس کے لیے جگہ بنائی۔ مہر جھجکتے ہوئے کنارے پر ٹک گئی۔ ”مہر پاؤں سیدھے کر لو۔“ عمر کے لہجے میں بلا کی حلاوت تھی۔ مہر نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ عمر دیکھ رہا تھا کہ وہ پچھلے کئی دنوں سے دوسروں پر بہت زیادہ انحصار کرنے لگی تھی۔ اس کی ذاتی رائے جیسے ختم ہوتی جا رہی تھی یا پھر وہ نہ چاہتے ہوئے بھی دوسروں کی ہر بات مانتی تھی۔ ”مہر! تم مجھ سے ناراض ہو؟“ عمر نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ مہر کا جسم ٹھنڈا پڑنے لگا۔

”نہیں!“ وہ بدقت بولی۔

”پھر بات کیوں نہیں کرتی ہو؟“ وہ بڑی نرمی سے دریافت کر رہا تھا۔ عمر کی محبت ایک طرف لیکن مہر نے اس کا یہ انداز کب دیکھا تھا۔ اس کی دھڑکنیں منتشر ہونے لگیں۔

”بات کرتی تو ہوں۔“ اس کا لہجہ پست تھا۔

”تم یہ کیوں سمجھتی ہو کہ سب تمہیں اہمیت نہیں دیتے؟ یہ بالکل غلط ہے۔“ عمر نے بڑی احتیاط سے آغاز کیا لیکن مہر جیسے پہلے ہی تیار تھی۔ اس نے فوراً سسکنا شروع کر دیا۔ عمر نے بڑی محبت سے اسے اپنے قریب کر لیا۔ ”پاگل ہو تم بالکل۔“ وہ اس کے بال سہلا رہا تھا۔ ”تم یہ کیوں نہیں سوچتیں کہ سب تمہیں اتنا چاہتے ہیں‘ اتنا چاہتے ہیں کہ تمہیں پریشان نہیں دیکھ سکتے۔ تمہیں دکھی نہیں کرنا چاہتے۔ جانتی ہو مہر! تم بڑی خوش نصیب ہو‘ میں خود تو دنیا کی ہر تکلیف برداشت کر سکتا ہوں لیکن تمہاری آنکھ میں آنسو مجھ سے برداشت نہیں ہوتے۔ یقین کرو اور پاپا نے خود منع کیا تھا کہ مہر بہت نازک ہے۔ اسے میرے متعلق کچھ نہ بتانا‘ وہ سہہ نہیں سکے گی۔ سب کو تمہارا اتنا خیال ہے کہ ہر دکھ خود پر جھیل کر تمہیں خوش دیکھنا چاہتے ہیں۔“

”ہاں عمر! یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں۔“ وہ پُرخیال انداز میں بولی۔

”اور پاپا کی وفات کے بعد بھی مہر مجھے تمہاری ضرورت تھی‘ تمہارے لفظوں کی۔ تسلی کی بجائے مجھے سہارا دینے کے تم نے سب کو قصوروار ٹھہرایا اور خود ساختہ خودترسی میں مبتلا ہو گئیں۔“ وہ اسے اس کی بے وقوفی جتا رہا تھا۔

”آئی ایم سوری عمر! رئیلی ویری سوری لیکن تم انداز نہیں کر سکتے‘ میں کس قدر ندامت محسوس کر رہی تھی۔“ وہ دھیمے لہجے میں بولی۔

”میں جانتا تھا اسی لیے تمہیں سنبھلنے کا موقع دینا چاہتا تھا۔“ عمر نے اس کے کندھے پر ہاتھ پھیلا دیا۔ ”تمہیں پتا ہے مہر! میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں۔“ وہ اسی پُراثر لہجے میں بولا۔

”ہاں عمر! پہلے مجھے پتا نہیں تھا لیکن اب مجھے یقین ہے۔“

”کیا واقعی تمہیں یقین ہے؟“ وہ اسی انداز میں کہہ رہا تھا۔

”ہاں عمر! آئی ایم شیور!“ وہ اپنی ہی رو میں تھی۔

”یہ بات ٹھیک نہیں مہرو! تمہیں یہ یقین آ چکا ہے کہ میں کاروبار سے نہیں سچ مچ تم سے عشق کرتا ہوں پھر بھی تم نے قدر نہیں کی۔ ویسے ہی اکھڑی اکھڑی رہتی ہو؟“ عمر کا انداز شرارتی ہو گیا۔ مہر اس کے یکلخت بدلنے پر گھبرا کر اٹھی لیکن عمر دراز نے ایسا کرنے نہ دیا۔ ”ایسے نہیں! وعدہ کرو اب کبھی بھی اس طرح کا الٹا سیدھا نہیں سوچو گی۔ تمہیں پتا ہے مہرو! محبت سے زیادہ اعتبار ضروری ہوتا ہے۔ مجھے کبھی بے اعتبار مت کرنا۔“ سرگوشی میں کہتے ہوئے اس نے مہر کو اپنے حصار میں لیا۔ مہر کی سانسیں رکنے لگیں۔

”عمر پلیز!“ اس کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی۔

”انتظار کا موسم گزر گیا‘ اعتبار کا موسم آ چکا مہر! اب یہ گریز بلاجواز ہے۔“ اس نے بڑی نرمی سے کہتے ہوئے مہر کی پیشانی کو چھوا۔

”ہاں واقعی اعتبار کا موسم آ چکا ہے۔“ مہر نے گہری طمانیت سے سوچا اور سر عمر کے کندھے پر رکھ کر آنکھیں موند لیں۔ اب اسی اطمینان اور اعتبار کے ساتھ زندگی کا سفر بہت سہل گزرنا تھا۔

* * *

صبا ٹھہر جائے

اریشہ غزل

اسی خیال میں گزری ہے شام درد اکثر
کہ درد حد سے بڑھے گا تو مسکرا دوں گا
تو آسمان کی صورت ہے گر پڑے گا کبھی
زمیں ہوں میں بھی مگر تجھ کو آسرا دوں گا

"آپ بھی کمال کرتے ہیں ایاز۔ اماں بی کو رہنے کے لیے ہم ہی نظر آئے' ان کے تین بڑے بیٹوں کی موجودگی کے باوجود...... پھر تین کمرے کے اس مختصر سے فلیٹ میں وہ رہیں گی کہاں؟ ایک ہمارا کمرہ ہے' ایک بچوں کا اور تیسرا لاؤنج...... جہاں سب مل کر ٹی وی دیکھتے ہیں۔ اب آپ ہی بتائیں وہ اگر آ بھی گئیں تو رہیں گی کہاں؟" ثمرہ کے ہاتھوں کی طرح اس کی زبان بھی خوب چل رہی تھی۔ جب سے آفس سے آ کر ایاز نے اماں بی کے آنے کی اطلاع دی تھی۔ اسے سوچ سوچ کر ہول اٹھ رہے تھے۔ آئندہ کے تفکرات پریشان کر رہے تھے۔ اماں بی کے وہاں رہنے کی صورت میں ان کی دونوں بیٹیاں بھی یقیناً مہینے میں دو بار صرف صورت دکھاتیں بمعہ بچوں کے۔ رابی تو مصروفیت ہونے کے بہانے وہ اکثر ان کے گھر آنا ٹال جاتی تھیں مگر اب...... تو لازماً انہیں ماں کی محبت کی خاطر آنا پڑے گا اور پھر ان کی خاطر داریاں الگ کرو اور دل چاہے نہ چاہے مسکرا کر ان سے ملنا پڑے گا پھر ان کے شرارتی بچوں کی حرکتیں الگ برداشت کرنی پڑیں گی۔ ایاز تو یہ سب سمجھتے ہی نہیں ہیں۔ ابھی تو کتنی مشکل سے کمیٹیاں ڈال کر نیا کارپٹ ڈلوایا تھا۔ گھر کی آرائش کی چیزیں الگ تھیں پھر ان کی حفاظت کرتے پھرو۔ اس کا موڈ خراب ہو چکا تھا۔

"آپ کانوں میں روئی ڈالے بیٹھے ہیں' کچھ بولتے ہی نہیں۔" ثمرہ نے ایک بار پھر انہیں ٹوکا تھا جو بظاہر کتاب پڑھنے میں مصروف لگ رہا تھا۔ یہ اس کی پرانی عادت تھی۔ سونے سے پہلے کچھ نہ کچھ پڑھا کرتا تھا اور یہ عادت اس وقت بھی کام آتی تھی جب ثمرہ غصے میں ہوتی تھی اور وہ اس سے بحث سے بچنا چاہتا تھا۔ اس وقت بھی اسے اندازہ تھا کہ وہ برہم ہے اس لیے کتاب لیے بظاہر بے نیاز بنا بیٹھا تھا جب اس نے اچانک چیل کی طرح جھپٹا مار کر اس سے کتاب چھینی تھی۔

"کیا ہے...... بولتے کیوں نہیں؟ کب سے کہہ رہی ہوں مگر مجال ہے جو مسئلے کا حل ڈھونڈ سکیں۔ میری جان پر مسئلے ہی برساتے رہتے ہیں۔ اب بتائیں ہوگا کیا......؟" وہ ناراض نظروں سے اسے گھور رہی تھی۔

"بھئی میں انہیں منع تو نہیں کر سکتا...... آخر ان کا بیٹا ہوں' ان کا حق ہے مجھ پر......" ایاز نے کھنکار کر کہنا چاہا۔

"واہ بھئی واہ۔ حق کی بات خوب کہی۔ ہمارے حق تو بڑے پورے ہو رہے ہیں جو ان کا حق یاد آ رہا ہے......" وہ لمحوں میں گیلی لکڑی کی طرح سلگ اٹھی تھی۔

”ثمرہ! میں انہیں کل لا رہا ہوں اور تم اپنا موڈ ٹھیک کرلو۔ ان کے آنے سے پہلے...... میں نہیں چاہتا ان کے سامنے کوئی بدمزگی ہو۔“ ایاز نے سنجیدگی سے اس سے کہا۔

”ہونہہ...... میرا موڈ ایسا ہی رہے گا کسی کو برا لگتا ہے تو لگے......“ وہ تن فن کرتی اٹھ کر کمرے سے نکل گئی۔ ایاز نے تاسف بھری نظروں سے اسے جاتے دیکھا اور پھر بظاہر کتاب کی طرف متوجہ ہو گیا مگر اب اس کا ذہن بھٹک رہا تھا۔

......☆☆☆

کمال احمد کے چار بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ اپنی زندگی میں انہوں نے تمام بچوں کی شادیاں کر کے انہیں ان کے گھر بار کا کر دیا تھا۔ جب تک وہ زندہ رہے ان کے ذاتی گھر میں وہ سب بھائی مل کر رہتے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد بڑے بھائی کے مشورے اور ماں کی رضامندی سے انہوں نے اس گھر کو بیچ دیا اور سب بچوں میں رقم منصفانہ تقسیم کر دی۔ گھر بیچنے سے ایک طرف یہ ہوا جو بیٹیاں پہلے ایک ہی گھر میں آتی تھیں اور باپ کے وقت میں ان کی خاطر مدارات میں بھابیاں بچھی جاتی تھیں، الگ ہونے کے بعد ان کے رنگ ڈھنگ ہی اور ہو گئے تھے۔ پہلے وہ باپ کے گھر آتی تھیں تو ان کی عزت ہوتی تھی، مان دیا جاتا تھا اب وہ بھائیوں سے ملنے آتیں تو کبھی ان کے بچوں پر اعتراضات ہوتے کبھی ان پر...... بھابیوں کا منہ بنتا، بظاہر ابھی بھی کوئی منہ سے کچھ نہیں کہتا تھا مگر رویے بہت کچھ سمجھا دیتے تھے۔ اس لیے دونوں بیٹیوں نے آنا جانا محدود کر لیا۔ اگر اب کبھی وہ کسی بھائی کے گھر جاتی بھی تھیں تو وہاں جہاں ان کی ماں رہائش پذیر ہوتی اور یہ بات چاروں بھائیوں نے گھر بیچنے سے پہلے ہی طے کر لی تھی کہ فائقہ بیگم (اماں) کو ایک مہینے کے لیے ہر بیٹے کے گھر رہنا ہوگا۔ اس طرح کسی ایک پر مستقل بار نہیں ہوگا۔ شروع شروع میں یہ سلسلہ چلتا رہا پھر پہلے تو بڑی بھابی کی بدمزاجی نے رنگ چڑھایا اور بڑے بیٹے نے اپنا ہاتھ کھینچا پھر چند مہینے ہی گزرے تھے کہ منجھلے بیٹے کی بیوی نے ناطقہ بند کیا تو مجبوراً انہیں تیسرے بیٹے کے گھر رہنا پڑا اور اب وہ تیسرا آسرا بھی ان کے ہاتھ سے جاتا رہا تھا۔

انہوں نے آفس فون کر کے ایاز کو گھر بلوایا اور ساتھ لے جانے کی درخواست کی۔ ان کے بوڑھے چہرے پر اتنی رنجیدگی اور مایوسی تھی کہ وہ اپنی جگہ لرز اٹھا۔ حالاں کہ ثمرہ سے کوئی اچھی امید نہیں تھی۔ وہ ان کی ماں کے ساتھ پر ہی گھبرایا کرتی تھی۔ اس کا موڈ کافی خراب رہتا تھا اور اب اگر یہ مژدہ سنایا تو وہ کہیں آؤٹ ہی نہ ہو جائے۔ لے جانے کے لیے تو وہ انہیں فوراً ہی لا سکتا تھا مگر اس نے فوری طور پر یہ بہانہ کیا کہ ثمرہ گھر پر نہیں ہے۔ کل وہ آجائے گی تو میں شام میں آکر آپ کو لے جاؤں گا۔ اس نے یہی سوچا تھا کہ اپنے طور پر پیار سے ثمرہ کو سمجھائے گا کہ بزرگوں کا سایہ تو ابرِ رحمت ہوتا ہے۔ گھر میں برکت رہتی ہے۔ ان کی دعائیں مصیبتوں میں کام آتی ہیں، پریشانیاں اس گھر کا رخ نہیں کرتیں جہاں بزرگ رہتے ہوں، دعا دیتے ہوں، مگر کیا ہوا تھا؟

گھر آکر اس نے کھانا خاموشی کے ساتھ ختم کیا تھا اور جب وہ برتن سمیٹ رہی تھی تب اس نے یہ انکشاف کیا تھا۔ ایک لمحے کے لیے اس کے ہاتھوں سے چمچہ نکل کر پلیٹ کے اوپر جا گرا۔ حیران و پریشان فکرمندی سی وہ اس کے قریب آن کھڑی ہوئی۔

”مستقل رہیں گی...... مگر کیوں......؟ صرف ہم ہی رہ گئے ہیں اور تمہارے باقی بھائی بھی تو ہیں، وہ کیوں اپنی بیویوں کے آگے کچھ نہیں بولتے......؟ واہ بھئی واہ، یہاں مفت کی غلام نظر آتی ہوں میں۔“ وہ پھر طیش میں بڑبڑا رہی تھی۔ برتنوں کو اٹھا پٹخ رہی تھی۔ یہ اس کی خفگی اور ناراضگی کا اظہار تھا۔

”ثمرہ! وہ میری ماں ہیں۔ میں انہیں انکار نہیں کر سکتا۔“ وہ افسوس سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

”ہاں صرف ہم پر حکم چلا سکتے ہو...... ہمیں نوکر بنا سکتے ہو اور تم کچھ نہیں کر سکتے۔ کم از کم اپنے بھائی سے اتنا ہی کہنا تھا کہ وہ ان کی بھی ماں ہیں۔ انہیں سمجھنا چاہیے۔ وہ بڑے تینوں تو ہاتھ جھاڑ کر الگ ہو گئے۔ ہم مفت میں مصیبت پالتے پھریں......“ وہ تنفر سے کہہ رہی تھی۔

اسے اچھی طرح اندازہ تھا کہ اس کا یہی ردِعمل ہونے والا ہے۔ وہ ماں کو لانے سے پریشان نہیں تھا۔ صرف ثمرہ کے رویے نے اسے فکرمند کر رکھا تھا۔ اگر کل یہی رویہ اس کا فائقہ بیگم کے سامنے رہا تو وہ کیا سوچیں گی......؟ آج جس طرح انہوں نے ایاز کو بلایا تھا اور لے جانے کی بات کی تھی، ثمرہ نے ان کے لفظوں میں وہ درد اور آنکھوں میں جلتا کرب نہیں دیکھا تھا ورنہ کبھی اس طرح برہم نہ ہوتی۔ ایسے وقت میں جب وہ اس سے آس لگائے بیٹھی تھیں۔ وہ کس طرح انہیں مایوس کر دیتا...... چاہے اسے ثمرہ کو ناراض ہی کرنا پڑے اسے اپنی ماں کی لاج رکھنی تھی۔ بیٹا ہونے کا مان رکھنا تھا۔

”تو پھر تم کل آرہے ہو نا؟“ فیاض بھائی اس سے پوچھ رہے تھے۔

”جی بھائی۔“ اس نے سر ہلایا تھا اور اس کے جواب پر اس نے سلمیٰ بھابی کے چہرے پر فاتحانہ اور آسودہ مسکراہٹ دیکھی تھی جب کہ اماں بی کا چہرہ مزید اتر گیا تھا۔

......☆☆☆......

دوسرے دن ایاز انہیں گھر لے آیا تھا۔ بچے دادی کو دیکھ کر بہت خوش ہو رہے تھے جب کہ فائقہ بیگم بے حد اداس اور چپ چپ سی تھیں۔ وہ تین بہوؤں کے رویے دیکھ چکی تھیں اور اب آخری امید بچی تھی۔ جب سے وہ اس گھر میں آئی تھیں طے تو یہی کیا تھا کہ وہ ثمرہ کے کسی معاملے میں نہیں بولیں گی، نہ کسی سے شکوہ کریں گی نہ شکایت...... شاید زندگی ان کے لیے اس گھر میں آسان ہو جائے اور زندگی کے آخری دنوں میں ان کے لیے آسانی ہو جائے۔ بچے کچھے دن وہ یہاں پورے کر سکیں مگر...... ثمرہ کو دیکھ کر ان کی آنکھوں کے کنارے گیلے ہو رہے تھے۔ چہرے پر سختی اور تناؤ لیے ثمرہ اپنے کام نمٹا رہی تھی۔ نہ مسکراہٹ نہ خوشی کا اظہار...... عجیب بے حسی اور بیزاری سی تھی جو انہیں ماحول میں نظر آرہی تھی اور اس کے ایک ایک رویے سے جھلک رہی تھی۔

”یہ لیں اماں! کباب بنائے ہیں ثمرہ نے...... بہت اچھے بناتی ہے اور یہ بریانی ابھی تک ویسی ہی پڑی ہے۔ آپ کھا نہیں رہیں کچھ بھی......“ ایاز ایک ایک چیز میں ان کا خیال رکھ رہا تھا۔ یہ ان کا وہ بیٹا تھا جو تینوں بھائیوں اور دونوں بہنوں سے چھوٹا تھا اور سب کی بچی کچھی محبت اور توجہ ہی اسے مل سکی تھی۔ وہ اتنے سارے بچوں میں کبھی اس کے ساتھ انصاف نہ کر پاتی تھیں۔ اکثر بڑے بھائی بہنوں کی گود میں سوار وہ ان کی گود اور توجہ کے لیے مچلتا رہتا تھا مگر انہیں گھر اور بڑے بچوں کی ذمہ داریوں میں کم ہی وقت مل پاتا تھا۔ آج وہی بیٹا ان کے سامنے تھا اور بچوں کی طرح ان کا دل بہلانے اور ثمرہ کی طرف سے ان کا دل صاف کرنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔ انہیں رونا آنے لگا۔ دل کی اداسی چہرے پر اتر آئی تھی۔

”اماں کیا بات ہے، کیا سوچ رہی ہیں؟“ ایاز نے فی الحال بچوں کے کمرے میں ہی ان کا بستر سیٹ کروا دیا تھا۔ کھانا بھی انہوں نے برائے نام کھایا تھا۔ وہ چائے کا کپ لیے کمرے میں آیا تو وہ سوچتی نظر آئیں۔ وہ ٹوک بیٹھا۔

”کچھ نہیں بیٹا......“ وہ نفی میں سر ہلاتی ہوئی بولیں۔

”پھر بھی اماں! میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنی سب فکروں سے آزاد ہو جائیں اور آرام سے یہاں رہیں۔ کوئی شکوہ، شکایت ہو تو مجھ سے کہہ لیں۔ ثمرہ سے کوئی نادانی ہو جائے تو آپ مجھے دس جوتے لگا لیں مگر خوش رہیں جیسے بابا کے وقت میں آپ کے چہرے پر خوشی رہتی تھی، میں ایسے ہی آپ کو خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔“ وہ ان کے ہاتھ تھامے بڑی محبت سے کہہ رہا تھا۔

”میرے سب بچے خوشحال ہیں۔ اپنی زندگی میں مگن اور خوش ہیں۔ اس سے زیادہ مجھے اور کیا

چاہیے......" وہ اتنے عرصے میں پہلی بار مسکرائی تھیں۔

"بس میں بھی یہی چاہتا ہوں اماں! آپ خوش رہیں، مجھے آپ کی دعائیں چاہئیں۔" ایاز کہہ رہے تھے اور دروازے کے پیچھے کھڑی ثمرہ کے اندر جیسے آگ لگ رہی تھی۔

"ہونہہ، خوش دیکھنا چاہتے ہیں...... ان کی خوشی کے آگے میں کتنی ہی ناخوش رہوں ان کی بلا سے......؟" وہ بڑبڑاتی ہوئی اپنے کمرے میں آئی تھی، فون کی بیل بجی تو اس نے بیزاری کے ساتھ فون اٹھایا تھا۔ حالاں کہ اس وقت اس کا کسی سے بات کرنے کا موڈ نہیں تھا۔ سر لپیٹ کر پڑ جائے۔ دل ایسا ہی ہو رہا تھا۔

"بھابی! میں مریم بات کر رہی ہوں۔ فیاض بھائی نے بتایا تھا کہ اماں آپ کی طرف آئی ہیں۔" سلام دعا کے بعد مریم پوچھ رہی تھی۔

"صحیح سنا ہے۔ اب فیاض بھائی تو ہمیشہ سے ہی بدلحاظ رہے ہیں مگر تمہارے بھائی کو تو رشتوں کی شرم وحیا اور پاسداری رکھنی تھی، اس لیے وہ اماں کو لے آئے ہیں۔" وہ لہجے میں تنفر بھر کر کہہ رہی تھی۔ اس کے کڑوے لفظوں سے اس کے موڈ کا اندازہ ہو رہا تھا۔ دوسری طرف مریم اس کے لہجے پر گھبرائی۔

"اچھا تو پھر میں کسی دن اماں سے ملنے آؤں گی۔ میری طرف سے انہیں سلام کہیے گا اور بھائی کو بھی۔" اس نے کہتے ہوئے رابطہ منقطع کیا تھا۔

"ہونہہ، سلام کہیے گا......" اس نے گردن جھٹکی تھی۔

"اچھی مصیبت ہے اب ان کی آمد کا سلسلہ بھی شروع ہو جائے گا۔" وہ جھنجلاتے ہوئے لیٹی تھی تب ہی ایاز کمرے میں آئے تھے۔

"رانی صاحبہ کا موڈ خراب لگ رہا ہے۔" ایاز اس کے پاس آ بیٹھے تھے۔

"بات نہیں کریں مجھ سے...... آپ نے وہی کیا جو آپ کا دل چاہا۔ دوسرے بھائیوں سے سبق حاصل کرتے تو کبھی اماں کو ساتھ لے کر نہ آتے۔ مہینے بھر کی بات اور تھی اور اب مستقل رہنے کی...... اب ان کی ساری ذمے داریاں ہمارے سر پر پڑ جائیں گی۔ آپ کی تنخواہ پہلے ہی کون سی زیادہ ہے...... اوپر سے ان کی دوا کا خرچا، اوپر کے ہزار اخراجات......" وہ بڑبڑا رہی تھی۔

"پہلی بات تو یہ کہ اماں بیمار نہیں ہیں اور نہ ہی کوئی دوا لیتی ہیں۔ دوسرے ان کے اخراجات بھی نہ ہونے کے برابر ہیں، جس کا تم ڈھنڈورا پیٹ رہی ہو۔ تیسرے خرچا میں اٹھا رہا ہوں، خود کروں گا اگر اضافی بوجھ پڑا تو...... تم کیوں فکر مند ہوتی ہو......؟" ایاز نے نرمی سے اسے سمجھایا۔

"پھر بھی یہ تو زیادتی والی بات ہے۔ تینوں بھائی عیش سے رہیں اور ہم خواہ مخواہ مصیبت پیٹیں......" وہ ایک ہی رٹ لگائے بیٹھی تھی۔

"دیکھو ثمرہ! زیادتی کی بات کرتی ہو تو وہ تمہارے ساتھ نہیں بلکہ ان لوگوں نے اماں کے ساتھ کی ہے انہیں نہ رکھ کر...... ان کی اہمیت کو تسلیم نہ کر کے ان کا دل دکھا کر...... تم کیا سمجھتی ہو ایسی عورت جس کے بیٹے بہوئیں اسے رکھنا نہ چاہیں کیا وہ اندر سے خوش ہو سکتی ہے...... اس کا دل ایک پھوڑے کی طرح دکھتا رہتا ہے۔ تم مزید اس دل کو مت دکھاؤ۔ اللہ بھی دل دکھانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ آج ہماری نیکی کل نجانے ہمیں کس صورت میں ملے، تم نہیں جانتیں......" وہ کہتے کہتے اداس ہو گئے اور ان کے پیٹھ موڑ کر لیٹنے پر ایک لمحے کے لیے ثمرہ کو افسوس ہوا۔ وہ اپنی ہی سوچوں سے لڑتی جھگڑتی نجانے کب سو گئی اسے خبر ہی نہ ہوئی......

☆☆☆

وہ سمجھتی تھی فائقہ بیگم کے آنے سے کام میں اضافہ ہوگا مگر غیر معمولی طور پر انہوں نے اس کے کام بانٹ لیے تھے۔ صبح میں بچوں کو ایاز اسکول چھوڑتے ہوئے آفس جاتے تھے۔ دوپہر میں ثمرہ کو اپنے کام چھوڑ کر انہیں لانا پڑتا تھا مگر اب فائقہ بیگم انہیں لے آتی تھیں اور بچوں کا دل بھی ان سے لگا رہتا تھا۔ پہلے ماں کا گھیراؤ کیے وہ اس کے کان کھاتے رہتے تھے، اب فائقہ بیگم کی صورت میں انہیں بہتر دوست اور ساتھی میسر آ گیا تھا۔ دادی کے ساتھ وہ گھر سے قریبی پارک جایا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ سودا سلف بھی وہی لا دیتی تھیں۔ شروع میں ثمرہ نے انہیں منع کرنا چاہا پھر ان کے اصرار پر یہ ذمے داریاں ان پر ڈال کر بھول گئی۔

"کبھی اپنے ساتھ اپنی ساس کو بھی لے آیا کرو۔" ثمرہ کی ماں اسے ٹوکتے ہوئے بولیں۔

"امی! گھر میں تو برداشت کرتی ہوں۔ کیا اب ہر جگہ انہیں لگائے پھروں......؟" اس نے سر جھٹکتے ہوئے تلخی سے کہا۔

"ثمرہ! وہ تمہاری ماں کے برابر ہیں بیٹا۔ بولتے ہوئے سوچ لیا کرو کیا کہہ رہی ہو؟" انہوں نے اسے تنبیہہ کی۔

"امی! موڈ آف نہ کریں۔ اتنے دنوں کے بعد آئی ہوں۔ آپ کو میرے بجائے میری ساس کی فکر ستا رہی ہے......؟ اپنی باتیں کریں نا...... یہ بتائیں نمرہ کے سسرال سے کوئی آیا تاریخ لینے......؟ اب تو اسے بی۔ اے کرے بھی سال بھر ہونے کو آ رہا ہے۔"

"فراز کی بڑی دو بہنیں بیٹھی ہیں۔ پہلے ان کا کہیں ہو جائے تو پھر سوچیں گے وہ لوگ۔" انہوں نے اصل بات بتائی۔

"اس طرح تو کوئی بات یا شرط انہوں نے منگنی کرنے سے پہلے نہیں رکھی تھی۔ اب اس قسم کی باتوں کا کیا جواز ہے؟ ایک سال بعد انہیں یاد آ رہا ہے کہ ان کی دونوں بیٹیاں کنواری بیٹھی ہیں؟" ثمرہ نے پریشانی سے کہا۔

"کیا کہہ سکتے ہیں بیٹا! اب تو جو وہ کہیں گے وہی ماننا ہوگا۔" وہ ٹھنڈی سانس بھر کر بولیں۔

"امی! ایک تو آپ سیدھی بہت ہیں، جو انہوں نے کہا آپ نے سن لیا۔ ذرا غصہ دکھانا تھا۔" وہ انہیں مشورہ دے رہی تھی۔

"بیٹا ایسے معاملوں میں گرما گرمی اچھی نہیں ہوتی۔ سعید بھی ان سے بات کرنا چاہتا تھا مگر میں نے اسے منع کر دیا۔ ابھی کون سی نمرہ کی عمر نکلتی جا رہی ہے۔ اچھا ہے وہ کوئی کمپیوٹر کورس کر لے گی۔ سال بھر میں ہو سکتا ہے فراز کی بہنوں کے بھی نصیب کھل جائیں۔" وہ اپنی کہہ رہی تھیں۔

"بھابی! کہاں ہیں...... اتنی دیر ہو گئی ہے مجھے آئے ہوئے۔ کیا کمرے میں سونا منا رہی ہیں؟" وہ طنز سے ہنسی تھی۔

"ثمرہ!" خدیجہ بیگم نے اسے ٹوکا تھا۔ "بیٹا وہ صبح سے اٹھی ہوئی ہے۔ تمہیں پتہ ہے سعید کے آفس کا راستہ بالکل الگ ہے اور بچوں کا اسکول بالکل الگ راستے پر ہے۔ اس لیے وہی بے چاری پہلے سب کو ناشتا کراتی ہے پھر بچوں کو اسکول چھوڑتی ہے۔ سودا سلف بھی خود ہی لاتی ہے۔ میرے تو جب سے جوڑ درد کرنے لگے ہیں کچھ کیا ہی نہیں جاتا۔ بیٹھ جاؤں تو کھڑا نہیں ہوا جاتا اور اگر کوشش کر کے کھڑی ہو جاؤں تو پھر بیٹھا ہی نہیں جاتا۔" وہ اپنا حال سنا رہی تھیں۔

"یہ لیں باجی! گرما گرم چائے اور سموسے......" نمرہ ٹرے اٹھائے کمرے میں آئی تھی۔

"سموسے کس سے منگائے...... بہت ٹیسٹی ہیں؟" ثمرہ نے کھاتے ہوئے تعریف کی۔

"کل بھابی نے بنائے تھے۔ آپ کو تو پتا ہے انہیں کوکنگ کا کتنا شوق ہے۔ سموسے اور رول تو وہ گھر میں ہی بنا کر رکھتی ہیں۔ کوئی آئے تو فوراً تل کر دے دو۔" نمرہ بتا رہی تھی۔

"یہ تو ہے۔ ہماری بھابی ہیں بہت سگھڑ...... شوہر کے ساتھ ساس کو بھی مٹھی میں کیے بیٹھی ہیں۔" وہ طنزیہ کہہ رہی تھی۔

"بیٹا! کبھی میٹھا بھی بول لیتے ہیں۔" خدیجہ بیگم کو اس کی اس سوچ پر افسوس ہوا۔

"باجی! آپ بچوں کو ساتھ کیوں نہیں لائیں؟" نمرہ

نے اس کا دھیان بٹایا۔

”بھئی وہ اپنی دادی کے ساتھ مصروف تھے۔ وہ انہیں اپنے ساتھ میرے جیٹھ کی طرف لے کر گئی ہیں۔ میں نے سوچا یہ لوگ ادھر جا رہے ہیں' میں یہاں ہو آؤں۔“ اس نے وضاحت کی۔

”اور ویسے بھی مجھے امی سے تمہارے سلسلے میں بات کرنی تھی مگر یہاں خاموشی طاری ہے۔ سب کچھ لڑکے والوں پر چھوڑ رکھا ہے۔“ وہ اپنی ذاتی رائے دے رہی تھی۔ لمحوں میں نمرہ کا چہرہ پھیکا پڑا تھا۔

”تم کیا چاہتی ہو ہتھیلی پر سرسوں جما لوں؟ کبھی کبھار جلد بازی سارے معاملات خراب کر دیتی ہے اور پھر فراز اچھا لڑکا ہے۔ محنتی اور شریف بھی۔ میں بلاوجہ کی جلد بازی کی خاطر اتنا اچھا رشتہ نہیں گنوانا چاہتی۔ انہوں نے ایک سال اور مانگا ہے۔ سال بھر اور سہی۔ اتنے میں نمرہ جو کورس کرنا چاہتی ہے وہ کر لے گی۔“ وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

”تم کب آئیں ثمرہ...... اور بچے کہاں ہیں؟“ بھابی کی آمد نے ماحول کو بالکل بدل دیا تھا۔

”مجھے آئے تو کافی دیر ہو گئی۔ آپ شاید سو رہی تھیں۔“ وہ مبہم سا مسکرائی۔

”ہاں۔ بچوں کو ٹیوشن بھیج کر میں ذرا اپنی نیند پوری کر لیتی ہوں۔ تم سناؤ بڑی دبلی لگ رہی ہو۔ کیا ڈائٹنگ شروع کر رکھی ہے؟“ وہ نمرہ کی نکالی چائے کا مگ ہاتھ میں لیتے ہوئے تنقیدی نظروں سے اس کا جائزہ لیتے ہوئے بولیں۔

”ڈائٹنگ کی کیا ضرورت ہے...... کلسنے کے لیے اور بہت سے معاملات ہیں۔“ وہ سوچ کر رہ گئی مگر بولی صرف اتنا ہی۔ ”ڈائٹنگ کہاں؟ ہماری ساس مستقل آ گئی ہیں بس ان کے خوف نے سلم کر رکھا ہے۔“

”وہ تو بڑے نرم مزاج کی مالک ہیں۔ تم کیوں ان سے اتنی خوفزدہ رہتی ہو بلکہ میرا تو خیال ہے وہ تم سے رہتی ہوں گی؟“ وہ ہنس کر مزاحیہ انداز میں اس کا دل جلا رہی تھیں۔

”خیر اب ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“ اس کے چہرے پر تناؤ کی کیفیت طاری ہو گئی۔

”دلہن! آج رات کھانے میں تھوڑا اہتمام کر لینا۔ ثمرہ اور ایاز یہیں کھانا کھائیں گے۔“ خدیجہ بیگم نے ماحول کے تناؤ کو کم کرنا چاہا۔

”ارے امی! میں آپ کو یہی بتانے تو آئی تھی کہ سعید کے ساتھ گھر جانا ہے۔ امی کا فون آیا تھا۔ بھائی جان کی طبیعت اچھی نہیں ہے۔ وہ بہت یاد کر رہے ہیں۔ آپ کہیں تو چلی جاؤں......؟“ وہ اپنے طور پر جانے کے ساتھ اجازت بھی مانگ رہی تھیں۔ ثمرہ نے ان کی چالاکی کو بغور نوٹ کیا۔ اسے اچھی طرح اندازہ تھا اپنی اکلوتی بھائی جان کے رویے۔ اس کی آمد کے ساتھ ہی انہیں کہیں نہ کہیں جانا یاد آ جایا کرتا تھا اور مجال ہے جو امی اور بھائی انہیں روک سکیں۔ آنے والی نند' کا احساس کرا سکیں۔ ان کی ایسی ہی زیادتیوں پر اس کا دل جلتا تھا اور زبان کڑوی ہو جاتی تھی۔

”ضرور جاؤ دلہن! یہ کوئی پوچھنے والی بات ہے؟ میری طرف سے بھی بھائی کی طبیعت پوچھ لینا۔“ وہ سادگی سے کہہ رہی تھیں۔

”جی ضرور۔“ وہ ہولے سے مسکرا کر بولیں۔

”ثمرہ سے تو کوئی بات نہیں ہو سکی۔ چلو پھر سہی۔ تم ہفتے میں ایک بار تو آتی ہی ہو۔“ وہ جتاتے ہوئے اٹھی تھیں۔ ان کے کمرے سے نکلتے ہی ثمرہ' خدیجہ بیگم سے کہہ رہی تھیں۔

”دیکھا امی آپ نے۔ میرے آتے ہی کیسے بھابی کو میکے والے یاد آنے لگتے ہیں۔ کبھی کوئی بیمار ہو جاتا ہے' کبھی کسی کا بیاہ ہونے لگتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے سارے ادھورے کام میرے آتے ہی یاد آنے لگتے ہیں آپ کی لاڈلی بہو بیگم کو۔“ اس کا موڈ خراب ہو چکا تھا۔

”بیٹا! بری بات ہے۔ تمہاری یہی طنز کرنے کی عادت اسے اچھی نہیں لگتی اور مجھے بھی۔“ وہ نرمی سے

اسے ٹوکتے ہوئے بولیں تو ثمرہ باقاعدہ ناراض ہو گئی۔

”میں ہی پاگل ہوں جو ہر ہفتے اپنی مصروفیت میں سے وقت نکال کر یہاں چلی آتی ہوں مگر یہاں قدر ہی نہیں ہے۔ نہ ماں کو اور نہ ہی کسی اور کو......“ وہ خفگی سے کہہ رہی تھی۔

”اوہ باجی! آپ کیوں اتنی سی بات کو دل سے لگا رہی ہیں؟ بھابی کو جانے دیں۔ میں آپ کے لیے اہتمام کروں گی' آخر کو کنگ کا کورس کر رہی ہوں۔ کچھ تو جوہر دکھانے کا موقع ملے گا ورنہ بھابی ہی پکاتی ہیں۔“ نمرہ نے اس کا موڈ ٹھیک کرتے ہوئے کہا۔

”بس بس رہنے دو۔ میں ابھی ایاز کو فون کر کے بلاتی ہوں۔ مجھے نہیں رکنا یہاں شام تک......“ وہ ہنوز خفا تھی۔

”نجانے تم کیوں اتنی عجلت پسند اور طنز مزاج ہوتی جا رہی ہو۔ شادی سے پہلے تک تو اچھی بھلی تھیں۔ اب میں کہہ رہی ہوں۔ آرام سے بیٹھو۔“ خدیجہ بیگم کو غصہ آنے لگا۔ ان کی خفگی دیکھ کر وہ واپس بیٹھ گئی۔ ”بیٹا کیا ہوتا جا رہا ہے تمہیں......؟ کیوں اتنی ناراض رہنے لگی ہو زندگی سے...... لوگوں سے......؟“ وہ تاسف سے اس سے پوچھ رہی تھیں۔

”پتا نہیں امی! پہلے اتنا غصہ نہیں آتا تھا مگر اب تو ذرا ذرا سی بات پر مزاج خراب ہو جاتا ہے۔ آپ کو معلوم ہی ہے ایاز کے والد کے انتقال کے بعد وراثت میں سے جو حصہ ایاز کو ملا تھا وہ انہوں نے کاروبار میں لگا لیا تھا مگر وہ ناکام رہا اور سارا روپیہ ڈوب گیا۔ لوٹ کر انہیں پھر نوکری کرنی پڑی اور آج کل نوکری سے اتنی رقم نہیں ہو پاتی کہ ہم کھل کر اخراجات کر سکیں۔ بچوں کو اچھے اسکول میں تعلیم دلوا سکیں۔ اچھا پہن سکیں یا کم از کم سیکنڈ ہینڈ کار ہی لے سکیں۔ یہ چھوٹی چھوٹی خواہشیں ہیں جو میرے اندر امڈتی رہتی ہیں۔ ان کے بڑے تینوں بھائی کاروبار میں پیسہ لگا کر کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ ایاز سے بڑھ کر اپنی ماں کا خیال رکھتے مگر انہوں نے یہ اضافی ذمے داری بھی ایاز پر ڈال دی ہے۔ میں اس بات سے بھی بہت پریشان رہتی ہوں۔“ وہ اپنے دکھ انہیں سنا رہی تھیں۔

”تمہاری ساس بہت اچھی عورت ہیں۔ ایسے نرم مزاج لوگ بہت حساس ہوتے ہیں۔ تمہاری نیکی تمہارے ساتھ۔ ان کا خیال رکھا کرو اور انہیں ایاز کی نہیں بلکہ اپنی ماں سمجھو گی تو کبھی ان کا وجود اضافی ذمے داری نہیں لگے گا۔ جب کوئی نیا بندہ گھر میں اضافہ کرتا ہے تو اس کا رزق اللہ پہلے سے ہی اتار دیتا ہے۔ انسان تو صرف بہانہ ہوتا ہے اسے ملانے کا۔ ہو سکتا ہے ایاز کی رکی ہوئی پروموشن ہو جائے پھر سبب بنانے والا تو اوپر بیٹھا ہے۔ تم دیکھنا ان ہی پیسوں میں اللہ برکت ڈال دے گا۔ بزرگوں کا وجود باعث رحمت و برکت ہوتا ہے۔ ان سے بیزاری و اکتاہٹ کا اظہار کر کے اللہ کی ناراضگی کو آواز نہ دینا۔“ وہ اسے اس کی کوتاہیوں کا احساس کرا رہی تھیں۔

”کیا کروں امی! مجھے معلوم ہے میرا رویہ غلط ہے' نامناسب ہے مگر ناآسودہ خواہشوں کے ساتھ تنگی کا احساس رویے کے ساتھ انسان کو بھی کڑوا بنا دیتا ہے۔ ایک وقت موڈ صحیح ہوتا ہے تو دوسرے وقت کسی چیز کے نہ ہونے کا احساس دل دکھا رہا ہوتا ہے۔ میں کیا کروں؟“ وہ الجھی ہوئی تھی۔

”تب ہی کہتے ہیں اپنے سے نیچے والوں کو دیکھنا چاہیے تاکہ انسان ہر حال میں شکر ادا کر سکے کہ ہم اس سے بہتر ہیں۔ اپنے سے اوپر والوں کو دیکھتی رہو گی تو کبھی قناعت و شکر کی دولت نصیب نہیں ہو گی۔“ وہ اسے سمجھا رہی تھیں' بہلا رہی تھیں اور کم از کم اس وقت ان کے سمجھانے کا اثر تھا یا بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ کئی روز اس کا موڈ اچھا رہا اور یہ بھی ایاز کئی دنوں سے نوٹ کر رہے تھے کہ وہ ذرا ذرا سی بات پر بھڑک نہیں رہی تھی اور نہ ہی ان کی ماں کو موضوع گفتگو بنائے ہوئے تھی حتیٰ کہ مریم ایک دن رہ کر چلی گئی اس پر بھی اس نے چخ چخ

نہیں کی تھی۔

"چلو تمہیں باہر ڈنر کرالاؤں۔" ایاز کو تنخواہ ملی تھی وہ بولے تو کپڑے استری کرتی ثمرہ نے انکار کردیا۔

"یااللہ کیا سورج آج کل مشرق سے ہی نکل رہا ہے۔ تم اور ڈنر کو منع کردو......؟" وہ مارے حیرت کے بے ہوش ہورہے تھے۔

"ایاز! مذاق نہیں کریں۔ وہ پیسے جو ہم ڈنر کے نام پر اڑائیں گے وہ پیسے آپ مجھے دے دیں۔ میں اماں کے ساتھ جاکر کسی بچت بازار سے ڈھنگ کی چیزیں لے آؤں گی۔ سردیاں آنے والی ہیں۔ بچوں کے گرم سوٹ کے ساتھ اماں کے لیے بھی چند سوٹ گرم لینے ہوں گے اور شال بھی۔" وہ کہہ رہی تھی اور ایاز حیران ہورہے تھے اس کایا پلٹ پر۔

"ثمرہ! تم واقعی ٹھیک ہونا؟" وہ اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر پوچھ رہے تھے۔ ان کے انداز میں شرارت تھی۔

"ایاز......!" اس نے گھورا تو وہ ہنس دیے۔

"دراصل مجھے یہ احساس ہوگیا ہے کہ اماں صرف آپ کی نہیں میری بھی ماں کی طرح ہیں اور مجھے ان کے ساتھ اچھا رویہ رکھنا چاہیے کیونکہ آج جو ہم نیکی کررہے ہوتے ہیں کل سود سمیت ہمیں کہیں نہ کہیں اللہ اس کا بدل دے دیتا ہے۔ ٹھیک ہے نا۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

"کتنی اچھی بات کہی ہے تم نے۔ چلو دیر سے ہی سہی، تمہیں عقل تو آگئی۔ اب اس بات پر اچھی سے چائے پلواؤ۔ میں اماں کے کمرے سے ہوکر آتا ہوں۔" وہ اسے سراہتے ہوئے خوشی خوشی اماں اور بچوں کے مشترکہ کمرے کی طرف بڑھے تھے اور وہ ان کے پیچھے سوچ رہی تھی کہ شاید میں کبھی نہ بدلتی۔ اگر اس دن امی کے گھر سے جب وہ تمام کاموں سے فارغ ہوکر بیٹھی تو ایک نظر بچوں کو دیکھنے کے بہانے ان کے کمرے کی طرف آئی تو دیکھا بچے تو سو رہے تھے مگر اماں بی تہجد کی نماز ادا کرکے بیٹھی دعا مانگ رہی تھیں۔ ان کی آنکھوں سے نکلتے آنسو دونوں گالوں کو گیلا کررہے تھے اور وہ چپکے چپکے اللہ سے دعا کررہی تھیں۔

"اے اللہ! جس طرح میرے تینوں آسرے مجھ سے چھوٹ گئے ہیں۔ یہ آخری آسرا مجھ سے نہ چھیننا۔ مجھے عزت کے ساتھ اپنے بیٹے کے گھر میں ہی مرنا نصیب فرمانا۔ اے اللہ! میرے بڑھاپے کو مزید آزمائشوں سے بچانا۔" وہ اتنی دلگیری کے ساتھ دعا مانگ رہی تھیں اور اللہ سے التجا کررہی تھیں کہ ثمرہ اپنی جگہ پر لرز اٹھی۔ اس کے سینے میں پتھر بنا دل موم بن کر پگھلنے لگا۔ وہ بوڑھی، مجبور اور بے بس عورت اسے اپنی ماں کی طرح محسوس ہوئیں۔ وہ اپنے بے امان ہونے اور بے سائبان ہونے کے خوف سے رو رہی تھیں۔

اگر کل میرے اوپر یہ وقت آن پڑے تو میں کیا کروں گی......؟ میرا آج میرا اپنا تھا مگر کل کے ہاتھ میں تھا اور کس نے دیکھا تھا...... کیا میں اپنے حصے کی نیکی کے بدلے انہیں وہ عزت ومقام نہیں دے سکتی تھی جس کی وہ مستحق ہیں...... شاید آنے والے کل میں میرے لیے بھی میری اولاد میں سے کوئی چھایا کرسکے، کوئی ہاتھ ایسی نیکی کرسکیں۔"

اپنے کمرے تک آتے آتے ثمرہ اندر سے بدل چکی تھی۔ ثمرہ کے اس فیصلے اور سوچ نے اس کے اندر کی مایوسی، اضطراب اور فکروں کو کہیں دور بھگا ڈالا تھا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ اب اماں بی کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھے گی اور جو کوتاہیاں اور غلطیاں اس سے ہوئی تھیں وہ آج کل ان ہی کا ازالہ کررہی تھی۔ ایاز اس کے رویے سے حیران تھے تو یہ ہی سہی، کم از کم اس کے اندر بے حد سکون تھا اور یہ سکون اس نیکی کے بدلے میں جو اس نے اختیار کی تھی۔

روحانی مسائل کا حل

حافظ شبیر احمد

ثوبیہ شفقت...... گجرات

ج: نوکری کے لیے، سورہ الیل گیارہ مرتبہ بعد نمازِ عشاء اول وآخر درود شریف۔ گیارہ گیارہ مرتبہ۔

رشتوں کے لیے، سورہ الفرقان آیت نمبر 74، ستر مرتبہ۔ بعد نمازِ فجر اول وآخر گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف۔ کے ساتھ پڑھیے۔ دعا بھی کریں اچھے رشتے کے لیے۔

معاشی مسائل کے لیے، سورہ قریش اکیس مرتبہ۔ ہر نماز کے بعد تمام افراد پڑھیں۔ دعا بھی کریں کہ معاشی تنگی ختم ہو۔

فائزہ اسلم...... مقام نامعلوم

ج: "یافتاح" روزانہ ایک تسبیح بعد نمازِ عشاء۔ اول وآخر گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف۔ امتحان میں کامیابی کے لیے دعا کریں۔ (جب تک نتیجہ نہ آجائے)۔

عذرا نسرین...... ایمن آباد

ج: رشتہ کے لیے، سورۃ الفرقان آیت 74 ستر مرتبہ اول وآخر درود شریف۔ جن کے رشتوں کا مسئلہ ہے وہ خود پڑھیں اور دعا بھی کریں۔

ہر ہفتہ سورۃ بقرہ ایک مرتبہ پڑھ کر پانی پہ دم کرلیں۔ وہ پانی پورا ہفتہ استعمال کریں صبح وشام۔ پھر اگلے ہفتے اس عمل کو دہرائیں۔ تین ماہ یہ عمل کرنا ہے۔ (پانی گھر کے تمام افراد کے لیے استعمال میں آئے)۔

جب امتحان شروع ہو اس وقت سے نتیجہ آنے تک "یاوھاب" روزانہ سو مرتبہ پڑھیں کامیابی کے لیے دعا بھی کریں۔ اول وآخر گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف۔ (بعد نمازِ فجر)۔

کنول فاطمہ...... حیدرآباد

ج: رشتوں کے لیے، سورہ الفرقان آیت 74، ستر مرتبہ۔ اول وآخر درود شریف گیارہ گیارہ مرتبہ۔ بعد نمازِ فجر جن کے رشتوں کا مسئلہ ہے وہ خود پڑھیں۔

تین مرتبہ سورہ مزمل اول وآخر تین تین مرتبہ درود شریف کے ساتھ۔ جب گھر میں چینی آئے اس پر دم کردیا کریں۔ چینی سب کے استعمال میں آئے۔ یہ عمل کرتے وقت تصور رکھیں کہ گھر میں لڑائی جھگڑے ختم ہو رہے ہیں۔ محبت پیدا ہو رہی ہے دلوں میں۔

نادیہ شفقت...... میرپور

ج: روزانہ بعد نمازِ عشاء اسم "یاوھاب" سو مرتبہ پڑھا کریں۔ اول وآخر گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف۔ پڑھنے کے بعد اپنے لیے دعا کریں کہ جو آپ تعلیم حاصل کرنا چاہتی ہیں اس میں عمدہ کامیابی حاصل ہو۔ (جب تک تعلیم حاصل کرتی رہیں یہ وظیفہ جاری رکھیں)۔

فائزہ اللہ رکھی...... کوٹ غلام محمد

ج: بھائی "سورۃ الیل" تیسواں پارہ۔ روزانہ رات کو گیارہ بار پڑھیں۔ نوکری کے لیے۔

سورۃ الاخلاص، سورۃ الفلق، سورۃ الناس 9'9 بار صبح و شام پڑھ کر پانی پہ پھونک مار کر پیئیں پلائیں اور گھر کے در و دیوار پہ چھڑکیں۔ (تین ماہ تک)۔

تسنیم بانو...... گوجرانوالہ

ج: جب بچے سوجائیں ان کے سرہانے کھڑے ہو کر "سورۃ العصر" تیسواں پارہ، اکیس مرتبہ پڑھیں اول وآخر گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف۔

شوہر کے لیے "یالطیف یاودود" اکتالیس مرتبہ پانی پر دم کرکے پلائیں۔ اول وآخر درود شریف گیارہ گیارہ مرتبہ۔

مدیحہ...... فیصل آباد

ج: سورۃ البینہ پارہ تیس۔ روزانہ گیارہ بار پڑھ کر پانی پہ پھونک مار کر شوہر کو پلائیں۔ (تین ماہ تک)۔

فریدہ اختر...... متحدہ عرب امارات

ج: اول وآخر گیارہ گیارہ بار درود شریف ستر بار سورہ الفرقان آیت نمبر 74' بعد نمازِ فجر پڑھ کر خانہ آبادی کی دعا مانگیں۔ ہر نماز کے بعد سورۃ الاخلاص' سورۃ الفلق' سورۃ الناس' سات سات بار پڑھ کر ہاتھوں پر پھونک مار کر جسم پہ پھیریں۔

رشتہ میں حائل رکاوٹیں دور ہونے کا کہیں۔

شگفتہ کوثر...... بہاول پور

ج: ''اللھم انا نجعلک فی نحور ھم و نعوذ بک من شرو رھم۔'' (والدین پڑھیں)۔ جو بھی گھر کے لوگ ان سے بدتمیزی کرتے ہوں ان کے لیے۔

رشتے کے لیے: بعد نمازِ فجر ستر بار سورۃ الفرقان کی آیت نمبر 74 پڑھیں۔ اول وآخر درود شریف گیارہ گیارہ بار بہتر رشتہ کی دعا کریں۔

رات سوتے وقت لڑکیاں اور ماں باپ گیارہ گیارہ بار سورۃ الاخلاص' سورۃ الفلق' سورۃ الناس پڑھ کر رکاوٹوں اور وساوس کے دور ہونے کی دعا کریں۔

نفیس اختر...... بورے والا

ج: گیارہ ''بار بسم اللہ الرحمن الرحیم'' پڑھ کر دعا کر کے پڑھنا شروع کیا کریں۔

اقراء احسان...... سرگودھا

ج: والد ''یاالرزاق یافتاح'' کا ورد کریں ہر وقت۔

رشتے کے لیے' سورۃ الفرقان کی آیت نمبر 74' ستر مرتبہ پڑھیں۔ اول وآخر درود شریف بعد نمازِ فجر۔

جادو معلوم ہوتا ہے۔ ہر ہفتہ سورہ بقرہ ایک مرتبہ پڑھ کر پانی پر دم کریں پورے گھر میں چھڑکیں اور وہ پانی سب گھر والے استعمال کریں۔ اس طرح تین ماہ یہ عمل کریں۔

''یاعلیم'' پڑھنے سے پہلے گیارہ مرتبہ درود شریف پڑھ لیا کریں۔

مصباح ناز...... سرگودھا

ج: بعد نمازِ فجر یٰسین شریف پڑھیں جب ''سلام قولا من ربّ رحیم' پر پہنچیں تو اکتالیس مرتبہ پڑھیں۔ پھر سورۃ پوری کریں۔ اول وآخر درود شریف تین تین مرتبہ پڑھنے کے بعد اپنے مسائل کے لیے دعا بھی کریں۔

رشتے کے لیے' سورۃ الفرقان آیت نمبر 74' ستر مرتبہ اول وآخر درود شریف کے ساتھ بعد نمازِ فجر بھائی اور بہن دونوں پڑھیں اور دعا بھی کریں۔

نازیہ نور...... چکوال

ج: سورۃ الفرقان کی آیت نمبر 74' بعد نمازِ فجر ستر بار اول وآخر گیارہ گیارہ بار درود شریف۔

آیت شفاء پڑھ کر دن میں تین بار پانی پہ پھونک مار کر پانی پئیں۔

شازیہ...... مونگی

ج: بعد نمازِ عشاء ''یاولی'' ایک سو ایک مرتبہ اول و آخر گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف۔ پڑھتے وقت تصور رکھیں کہ شوہر کے دل میں محبت پیدا ہو رہی ہے اور دل و دماغ آپ کی طرف مائل ہو رہا ہے۔ (جب یہ چیز پیدا ہو جائے پھر ان سے گھر کے لیے بات کریں)۔

رات بارہ کے بعد ''سورۃ نوح'' ایک مرتبہ پڑھ لیا کریں۔ تصور' جو لوگ تنگ کرتے ہیں ان کے لیے۔ (بغیر اعوذ' بسم اللہ اور درود شریف کے)۔

احتشام حسین...... راولپنڈی

ج: سورۃ العصر اکیس بار پڑھ کر پانی پہ دم کر کے پلائیں۔ بہتر ہے باہر بھجوا دیں۔

ذکیہ رانی...... وزیر آباد

ج: جو وظیفہ بتایا ہے اسے جاری رکھیں اور گھر والوں کے دلوں میں اس کی محبت کا تصور بھی کریں۔

وشمہ حیدر...... قصور

ج: بعد نمازِ فجر' سورۃ الفرقان کی آیت نمبر 70' 74 مرتبہ پڑھیں اور اول وآخر گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف کے ساتھ۔ پھر دعا کریں۔

ر۔ط...... آزاد کشمیر

ج: سورۃ الفرقان کی آیت نمبر 74' ستر مرتبہ پڑھیں۔ اول وآخر گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف بعد میں دعا بھی کریں۔ (صرف یہ عمل جاری رکھیں)۔

اُمِ کلثوم...... سرگودھا

ج: صبح نہار منہ' ایک چمچ شہد اور رات سوتے وقت ایک چمچ شہد۔ (یا شافی یا کافی)۔ ٹیوب کھلنے کا تصور کریں۔

رفعت جبیں...... لیہ

ج: سورۃ الزمر'' روزانہ ایک بار پڑھیں۔ پانی پہ پھونک مار کر بچے کو پلائیں۔ بیماری ختم ہونے کا تصور کریں (تیل پہ پڑھ کر سر پہ لگائیں)۔

آپ خود سورۃ الاخلاص سورۃ الفلق' سورۃ الناس رات سوتے وقت گیارہ گیارہ بار پڑھ کر اپنے جسم پہ پھونک ماریں۔

مہ جبین...... آزاد کشمیر

ج: خواب آنا آپ کو اس طرف سے روکنا تھا جہاں آپ چل پڑی تھیں۔ نمازوں کی پابندی کریں۔ عشاء کے بعد ایک تسبیح استغفار' ایک تسبیح درود شریف' ایک تسبیح تیسرا کلمہ۔ پڑھنے کے بعد اپنے لیے دعا کریں۔

مجیداں بی بی...... مقام نامعلوم

ج: شوہر کی نوکری کے لیے' گیارہ مرتبہ سورۃ الیل (تیسواں پارہ) پڑھیں بعد نمازِ عشاء اول وآخر درود شریف۔ دعا بھی کریں۔

فجر کی نماز کے بعد سورۃ یٰسین اور سورۃ مزمل کا معمول رکھیں۔ ان شاء اللہ تمام مسئلے حل ہو جائیں گے۔

طاہرہ شفقت...... میر پور

ج: ''یاعدل'' تین سو تیرہ مرتبہ بعد نمازِ عشاء اول وآخر درود شریف گیارہ گیارہ مرتبہ وظیفہ پڑھنے کے بعد دعا کریں اور کوشش شروع کریں جائیداد کی تقسیم کے لیے۔

نوکری کے لیے لڑکا' عشاء کی نماز کے بعد سورۃ الیل سات مرتبہ پڑھے۔ اول وآخر درود شریف گیارہ گیارہ مرتبہ دعا بھی کریں۔

صباحت جبیں...... خانیوال

ج: ''جو وظائف کسی مقصد کے لیے کرتی ہیں وہ ترک کر دیں۔''

رشتہ کے لیے سورۃ الفرقان آیت نمبر 74' ستر مرتبہ اول وآخر درود شریف گیارہ گیارہ مرتبہ بعد نمازِ فجر۔ دعا بھی کریں۔

نوکری کے لیے' سورۃ الیل سات مرتبہ بعد نمازِ عشاء اول وآخر درود شریف گیارہ گیارہ مرتبہ (تیسواں پارہ)

بھائی اور والدہ نماز کی پابندی کریں اور ''یارزاق یا فتاح'' ہر وقت ورد کریں۔

اولاد کے لیے دونوں ٹیسٹ کروالیں۔

صبا پرویز...... جہلم

ج: شوہر کے سامنے رہیں' اگر لڑائی ہو تو چینی پر سورۃ مزمل تین مرتبہ اول وآخر درود شریف پڑھ کر دم کر دیا کریں۔ جب بھی چینی گھر میں آئے۔ چینی سب کے استعمال میں آ جائے۔

شازیہ اختر...... فیصل آباد

ج: رشتے کے لیے سورۃ الفرقان آیت نمبر 74' ستر مرتبہ پڑھیں۔ بعد نمازِ فجر اول وآخر گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف۔

نوکری کے لیے' سورۃ الیل گیارہ مرتبہ نمازِ عشاء کے بعد اول وآخر گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف۔ باقی کوئی عمل نہ کریں۔ دعا بھی کریں۔

بشریٰ گلزار...... برنگر

ج: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ ''کالے کو گورے پر اور گورے کو کالے پر کوئی فوقیت نہیں۔ بجز اس کے اعمال کے۔'' (سید کے کسی دوسری قوم میں شادی نہ کرنا سوائے جہالت کے کچھ نہیں۔ ہم سب حضرت آدم علیہ السّلام وحوا کی اولاد ہیں)۔

نجم السحر...... سیالکوٹ

ج: بعد نمازِ عشاء پڑھتی رہیں۔ جب تک مسئلہ حل نہ ہوجائے۔

استخارہ کریں کہ یہ رشتہ اچھا رہے گا کہ نہیں۔

سعدیہ مدثر…… چیچہ وطنی

ج: آپ اپنے شوہر کے ساتھ ہی رہیں۔

جب گھر میں چینی آئے اس پر تین مرتبہ سورہ مزمل اول وآخر تین تین مرتبہ درود شریف کے ساتھ پڑھ کر دم کردیں اور وہ چینی سب گھر والوں کے استعمال میں آئے۔ ان شاءاللہ لڑائی جھگڑے ختم ہوجائیں گے۔

شمع…… کراچی

ج: بھابی پہ اثرات ہیں اور بھائی کے کام پہ بھی بندش ہے۔ بھابی ہر نماز کے بعد گیارہ مرتبہ آیت الکرسی پڑھ کر اپنے اوپر دم کریں۔

کاروبار کے لیے بھائی ''یا رزاق یا فتاح'' کا ورد کریں۔ عشاء کی نماز کے بعد تین سو تیرہ مرتبہ اول وآخر درود شریف گیارہ گیارہ مرتبہ۔ پورا دن ورد رکھیں۔

فرخندہ…… بہاول پور

ج: بعد نماز فجر سورۃ الفرقان کی آیت نمبر 74 ’ستر مرتبہ پڑھیں۔ اول و آخر گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف۔ فرخندہ خود یہ وظیفہ پڑھیں دعا بھی کریں۔

فرزانہ بنتِ اکبر…… لاہور

ج: جب بھی کوئی چیز یا پیسے رکھیں۔ ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' پڑھ کر رکھیں۔ ان شاءاللہ چوری نہیں ہوگی۔

فجر و مغرب میں تین تین مرتبہ آیۃ الکرسی اور چار قل پڑھ کر دم کیا کریں۔ اپنے اوپر اول وآخر تین تین مرتبہ درود شریف کے ساتھ۔

سعدیہ قمر…… لاہور

ج: صبح وشام 9'9 بار سورۃ الفلق' سورۃ الناس پڑھ کر پانی پہ دم کرکے سب کو پلائیں۔

''یا حکیم'' 90 مرتبہ بعد نمازِ ظہر اول وآخر گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف روزانہ پانی پر پڑھ کر ان کو پلائیں۔ روزانہ یہ عمل کریں ظہر کی نماز کے بعد۔ پڑھتے وقت گھر والوں کے لیے ان کے دل میں محبت پیدا ہو۔ کم از کم تین ماہ کرنا ہے۔ بغیر ناغہ۔

صباء حسن…… سیالکوٹ

ج: سورۃ طٰحٰہ کی پہلی پانچ آیات۔ گیارہ بار پڑھیں۔ پانی پہ پھونک مار کر دن میں پانچ بار پئیں۔ ان شاءاللہ بیماری میں افاقہ ہوگا۔

نوٹ

جن مسائل کے جوابات دیئے گئے ہیں وہ صرف انہی لوگوں کے لیے ہیں جنہوں نے سوالات کیے ہیں۔ عام انسان بغیر اجازت ان پر عمل نہ کریں۔ عمل کرنے کی صورت میں ادارہ کسی صورت ذمہ دار نہیں ہوگا۔

ای میل صرف بیرون ملک مقیم افراد کے لیے ہے۔

rohanimasail@gmail.com

روحانی مسائل کا حل کوپن دسمبر 2011ء

نام…… والدہ کا نام…… گھر کا مکمل پتا……

……

گھر کے کون سے حصے میں رہائش پزیر ہیں……

آپ کی شخصیت

اے ایس صدیقی

ہماری زندگیوں میں تنقید کے تجربے لازمی ہوتے ہیں۔

تنقید کے ضمن میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہم یہ جانیں کہ کون سی تنقید Valid یعنی جائز ہے اور کون سی تنقید Invalid (ناجائز) ہے۔

غلط تنقید ہماری خود اعتمادی کو نقصان پہنچاتی ہے۔ جب کہ تعمیری تنقید ہماری خود اعتمادی میں اضافہ کرتی ہے۔

آدمی پر تنقید ہوتی ہے تو اس کے اندر تشویش ابھرتی ہے۔

آپ پر تنقید ہو تو آپ کو کیسا لگتا ہے؟

اس بارے میں تین باتوں پر توجہ دینی ہوتی ہے۔

۱:۔ خود تنقید پر۔
۲:۔ تنقید کرنے والے کے رویے پر۔
۳:۔ آپ کے اپنے ردعمل پر۔

پہلے تنقید کے بات۔

۱:۔ غور سے سنیں کیا کہا گیا ہے۔ کیا اس میں کوئی سچائی ہے؟
۲:۔ طے کریں کہ تنقید کیوں کی گئی ہے۔
۳:۔ اگر سمجھ میں نہ آئے تو وضاحت طلب کریں۔
۴:۔ سچائی کے بارے میں طے کرتے ہوئے تھوڑا سا وقت لیں اور طے کریں۔
۱:۔ کیا ساری بات سچی ہے؟
۲:۔ کیا صرف تھوڑی سی سچائی ہے؟
۳:۔ کیا سب غلط ہے؟
۵:۔ اگر آپ کو شبہ ہو تو دوسرے لوگوں سے بھی پوچھیں۔
۶:۔ اگر ضرورت ہو تو اپنی روش بدلیں۔

اب دوسری بات تنقید کرنے والے کی روش۔

۱:۔ کیا یہ جارحانہ انداز میں تھی۔
۲:۔ جس طرح تنقید کی گئی اس کو آپ نے کس طرح محسوس کیا۔
۳:۔ طے کریں کہ تنقید پر آپ کا عمل پر اثر انداز کیا ہوگا۔

اگر تنقید درست ہے تو اس سے متفق ہوجائیں۔ (آپ نے درست کہا)۔

اپنے محسوسات بتائیں (مجھے افسوس ہے اس پر)

اگر تنقید جزوی طور پر درست ہے۔ صرف ضروری حصہ سے متفق ہوجائیں۔ (ہاں ایک بات درست ہے)۔

اپنے محسوسات بتائیں۔ (مجھے آپ کے خیالات سے مایوسی ہوئی)۔

واضح طور پر بتادیں کہ باقی تنقید غلط ہے۔ (ایک بات کے سوا کوئی بات درست نہیں)۔

اگر تنقید بالکل غلط ہو اسے مسترد کردیں (ایسی کوئی بات نہیں)۔

اپنے مثبت خیالات ظاہر کردیں۔ (میں ذمہ دار آدمی ہوں ایسی کوئی حرکت نہیں کرسکتا)۔

وضاحت طلب کریں۔ (آپ نے ایسی بات کیوں سوچی)۔

تنقید کے باب میں کرنے والی باتیں۔

اس سے نمٹیں۔

ا:۔ طے کریں کہ اس تجربے سے آپ کیا سیکھ سکتے ہیں۔

۲:۔ طے کریں کہ روش بدلنا ہے۔

۳:۔ اس کے بعد اسے ذہن سے نکال دیں۔ اس پر مسلسل سوچنے کی ضرورت نہیں۔

جس طرح تنقید کرنے کے بارے میں بتایا گیا اسی طرح تنقید کرنے کے طریقے ہوتے ہیں۔ تنقید کو مثبت تعمیری ہونا چاہیے۔ تاکہ چیزیں درست ہوسکیں۔

تاکہ لوگوں کی روش بدلی جاسکے۔

اچھی تنقید فائدہ بخش ہوتی ہے۔

تنقید کس طرح کریں۔

ا:۔ طے کرلیں کیا کہنا ہے اور کیوں کہنا ہے؟

۲:۔ صرف کسی مخصوص رویے پر تنقید کریں۔

۳:۔ اس کے لیے صحیح وقت اور صحیح جگہ طے کریں۔

۴:۔ مناسب الفاظ طے کریں۔

۵:۔ زور حرکت پر ہو فرد پر نہیں۔

۶:۔ بتائیں آپ کے محسوسات کیا ہیں۔

۷:۔ بتائیں آپ کیا تبدیلی چاہتے ہیں۔

۸:۔ کہیں کہ آپ کا مخاطب حق رکھتا ہے چاہے تنقید مانے یا نہ مانے۔

۹:۔ کہیں کہ آپ اس پر بحث کے لیے تیار ہیں۔

مناسب انداز سے تنقید کرنے کا فن آتا ہو تو آپ مشکل قسم کے لوگوں سے معاملات کر سکتے ہیں۔

تنقید کرنی ہو یا تنقید سننا ہو دونوں میں آپ کا رویہ Assertive ہونا چاہیے۔ یعنی زوردار اور پر اثر اسے کسی بھی صورت میں نہ تو Agressive (جارحیت آمیز) ہونا چاہیے اور نہ Passive یعنی انفعالی۔

یہاں بہتر ہوگا کہ آپ ان تینوں طرح کے طریقوں کے بارے میں جان لیں۔ جارحانہ طریقہ کسی بھی طرح اچھا نہیں ہوتا۔ اس میں تنقید کرنے والے کا منہ بگڑا ہوا ہوتا ہے۔ الفاظ تیز و تند ہوتے ہیں ہاتھوں کی حرکات میں اضطراب سا ہوتا ہے۔ اس کے کھڑے ہونے کا طریقہ غلبہ ناک سا ہوتا ہے۔

اسی طرح انفعالی روش ہوتی ہے۔ تنقید میں یہ روش کمزور قسم کی ہوتی ہے۔ تنقید کرنے والا جو کچھ کہتا ہے اس میں مضبوطی نہیں ہوتی۔ وہ گھبرائے ہوئے انداز میں تنقید کرتا ہے۔ اس کا جسم بھی ڈھیلا ڈھالا سا ہوتا ہے اور لہجے میں کمزوری ہوتی ہے۔

تنقید کرتے ہوئے یہ دونوں طریقے نہیں اپنانے چاہیے۔ سب سے اچھا طریقہ Assertive ہوتا ہے۔

زندگی میں کامیابی کے لیے تنقید کرنا اور تنقید سننے کا فن بھی جاننا لازمی ہوتا ہے۔

آخر میں ایک بار پھر ہم دہرائیں گے کہ اگر تنقید کریں تو Constructive یعنی تعمیری ہونا چاہیے۔

اسی طرح تنقید سنتے وقت آپ کی روش یہی ہونی چاہیے جس کا ذکر اس مضمون کے شروع میں آچکا ہے۔

✲

آپ کی صحت

ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا

کنول ڈیرہ غازی سے لکھتی ہیں کہ چہرے پر تل ہیں میں انہیں ختم کرنا چاہتی ہوں۔

محترمہ آپ THUJA-Q کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین مرتبہ روزانہ پیا کریں اور اسی دوا کو تلوں پر لگایا کریں۔

ثناء وقار لاہور سے لکھتی ہیں کہ میرے مسوڑھے ہمیشہ سوجے رہتے ہیں منہ سے بدبو آتی ہے۔

محترمہ آپ MERSCOL 6 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

مراۃ العین صفدر آباد سے لکھتی ہیں کہ کئی سال سے چھینکوں کے ساتھ زکام لگا ہوا ہے۔ نظر بھی کمزور ہوگئی ہے۔ چہرے پر مہاسے بہت نکلتے ہیں۔ نشان چھوڑ جاتے ہیں۔

محترمہ آپ AELLIUMCEPA 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔ GRAPHITES 200 کے پانچ قطرے آٹھویں دن ایک بار لیں۔ CINERARIADROPS آنکھوں میں ڈالا کریں۔

سلطانہ شوکت شاہ کوٹ سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتادیں۔

محترمہ آپ BORAX 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔ یہ دوا کسی بھی ہومیو پیتھک اسٹور سے حاصل کرلیں۔

نازیہ فوزیہ نادیہ گاؤں بائی سے لکھتی ہیں کہ ہم تینوں بہنوں کے چہرے پر بہت بال ہیں۔ جیسے مردوں کے ہوتے ہیں۔

آپ OLIUMJACC 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اور میرے کلینک کے نام پتے پر 700 روپے فی کورس کے حساب سے رقم منی آرڈر کردیں آپ کو APHRODITE ارسال کردیا جائے گا ان شاء اللہ بال ہمیشہ کے لیے ختم ہوجائیں گے۔

ن گجرات سے لکھتی ہیں کہ میرا وزن بڑھتا جارہا ہے اور چہرے پر بال بھی ہیں۔ بہن کے سارے جسم پر تل ہیں۔ وہ کمزور بھی ہے اس کے چہرے پر بھی بال ہیں۔

محترمہ آپ PHYTOLACCA-Q کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں چہرے کے بال ختم کرنے کے لیے دو کورس کے 1400 روپے منی آرڈر کردیں۔ آپ کو APHRODITE گھر پہنچ جائے گا اس پر لکھی ترکیب کے مطابق استعمال کریں۔

سمیرا زکریا فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ بچوں کی پیدائش کے بعد پیٹ، جسم پھول گیا ہے۔ دوسرے امی کے چہرے پر بال ہیں۔ بہن کے چہرے پر براؤن تل ہیں چھوٹی بہن کا قد بہت چھوٹا ہے۔

محترمہ آپ CALCIUM FLOUR 6X کی چار گولی تین وقت روزانہ کھائیں اور CALCUIM CARB 200 کے پانچ قطرے آٹھویں دن آدھا کپ پانی میں ڈال کر پیا کریں۔ والدہ کی دوا کے لیے 700 روپے میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں۔ بہن کو THUJA-Q کے پانچ قطرے تین وقت روزانہ دیں اور انہی کو تلوں پر لگائیں۔ چھوٹی کو CALCIUM PHOS 6X کی چار گولی تین وقت روزانہ کھلائیں اور BARIUM CARB 200 کے پانچ قطرے ہر آٹھویں دن ایک بار دیں۔

مہوش گجرات سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج تجویز کردیں۔

محترمہ آپ SABALSERULATA-Q کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اور میرے کلینک کے نام پتے پر 550 روپے کا منی آرڈر کردیں۔ آپ کو دوا ارسال کردی جائے گی۔ منی آرڈر فارم کے آخری کوپن پر مطلوبہ دوا کا نام B. BEAUTY ضرور لکھیں۔

حمنہ نورتلہ گنگ سے لکھتی ہیں کہ والدہ کو چکر بہت آتے ہیں معدہ کی تکلیف رہتی ہے اور میرا مسئلہ یہ ہے کہ ماہانہ اخراج کی کمی ہے جسم کی وجہ سے پیٹ کولہے پھیل رہے ہیں۔ آپ نے ایسڈ فلور 30 بتائی تھی۔ یہاں ایسڈم ہائڈروفلورک 200 ملی ہے۔

محترمہ اپنی والدہ کو CARBOVEG 6 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت کھانے سے پہلے لیں اور آپ خود PITUITRIN 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں۔

اصغر علی لاہور سے لکھتے ہیں کہ بری عادت کی وجہ سے ازدواجی زندگی گزارنے کے قابل نہیں رہا۔

محترم آپ STAPHISGARIA 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

اذان حسن سیالکوٹ سے لکھتے ہیں کہ مجھے سخت قسم کا قبض ہے۔

محترم آپ BRYONIA 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

محمد ارسلان شفاعت جہلم سے لکھتے ہیں کہ میری نظر کمزور ہورہی ہے اور ایک مسئلہ ہے علاج بتائیں۔

محترم آپ ACID PHOS 3X کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں CINERARIA DROPS آنکھوں میں ڈالا کریں۔

کرن لکھتی ہیں کہ میرے پورے جسم پر بال ہیں۔ کوئی مناسب علاج بتائیں۔

محترمہ آپ OLIUMGACC 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اور مبلغ 700 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں۔ آپ کو APHRODITE ارسال کردیا جائے گا۔

حورین احمد فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ بہن کو پڑھنے سے چکر آتے ہیں۔ نظر کا کام نہیں کرسکتی اس کی پڑھائی متاثر ہورہی ہے۔ دوسرا مسئلہ ماہانہ نظام خراب ہے کئی ماہ بعد ہوتا ہے۔

محترمہ آپ بہن کو RUTA-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ دیں اور آپ SENECIO 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

عمران کاکڑ ژوب سے لکھتے ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر دوا تجویز کردیں اور یہ بھی بتادیں دوا کہاں سے ملتی ہے۔

محترم آپ AGNUSCAST 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں ان شاء اللہ آپ کا مسئلہ حل ہوجائے گا۔ یہ دوا اپنے شہر کے کسی بھی ہومیو اسٹور سے جرمنی کی بنی ہوئی خریدلیں۔

صوفیہ فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ آپ کا کالم بہت اچھا ہے اور میرے جیسے بہت سے لوگ اس وجہ سے آنچل خریدتے ہیں مسئلہ بہت اہم ہے جواب ضرور دیجیے گا۔

محترمہ آپ FIVE PHOS 6X کی چار گولی تین وقت روزانہ کھائیں اور GNATIA 200 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر آٹھویں دن پیا کریں۔

ایمان فاطمہ آزاد کشمیر سے لکھتی ہیں کہ میرے دو مسئلے ہیں عمر 20 سال ہے چہرہ پر دانے نکلتے ہیں اور نشان چھوڑ جاتے ہیں۔ دوسرا مسئلہ میرا پیٹ بہت بڑھا ہوا ہے کوئی علاج بتائیں۔

محترمہ آپ CALCIUM FLOUR 6X کی چار چار گولی تین وقت روزانہ کھائیں اور GRAPHITES 200 کے پانچ قطرے ہر آٹھویں دن ایک بار پیا کریں۔

ظہور احمد اسکردو سے لکھتے ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج تجویز کردیں۔

محترم آپ ACID PHOS 3X کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

س دل تلہ گنگ سے لکھتی ہیں کہ میرا بھائی چھوٹا پیشاب ڈبلیوسی کے اندر کے بجائے باتھ روم کی دیوار پر کرتا ہے۔ پیشاب میں سخت قسم کی بو ہوتی ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ میں نے لمبی دم والے کیڑے باتھ روم اور بھائی کے کمرہ میں دیکھے ہیں یہ کیا ہے۔

محترمہ آپ بھائی کو ACID BENZ 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ کھلائیں کیڑوں والا معاملہ سمجھ میں نہیں آتا۔

عائشہ بتول چکوال سے لکھتی ہیں کہ میرے چند مسئلے ہیں شائع کیے بغیر علاج بتائیں۔

محترمہ آپ SEPIA 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں آپ کے تمام مسئلے حل ہوں گے۔

محترمہ گاؤں فاروکہ سرگودھا سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتائیں۔

محترمہ آپ SEPIA 30 اور OPIUM 30 کے پانچ پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

سمیرا امجد لاہور سے لکھتی ہیں کہ میرے بال باریک دوشاخ اور درمیان سے ٹوٹ جاتے ہیں۔ گنجاپن پیدا ہورہا ہے دوسرے یادداشت کمزور ہے سبق یاد نہیں ہوتا بھول جاتی ہو۔ دوا کے پیسے بھیج رہی ہوں۔ دوا ارسال کردیں۔

محترمہ آپ ANACARDIUM 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اور آپ نے جو رقم لفافہ میں رکھ کر بھیجی ہے ایسا ہرگز نہ کیا کریں۔ رقم ہمیشہ منی آرڈر کے ذریعہ میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کریں۔

کرن ایمان کبیر والا سے لکھتی ہیں کہ مجھے سیلان کا مرض ہے چہرے پر دانے ہیں بہت کمزور ہوگئی ہوں میرے بال دومنہ ہوگئے ہیں اور گرتے بہت ہیں۔

محترمہ آپ SEPIA 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اور 600 روپے میرے کلینک کے نام پتے پر منی آرڈر کردیں آپ کو HAIR GROWER گھر پہنچ جائے گا۔ بال صحت مند لمبے گھنے ہوں گے گنجاپن ختم ہوجائے گا۔

مسز احسان لکھتی ہیں کہ بچوں کی پیدائش کے بعد جسم پھول گیا ہے پیٹ اور کولہے زیادہ بھاری ہوگئے ہیں۔ دوسرے بچوں کو دودھ پلانے کی وجہ سے بریسٹ لوز ہوگئے ہیں۔

محترمہ آپ CALCIUM FLOUR 6X کی چار گولی تین وقت روزانہ کھائیں۔ CALCIUM CARB 200 کے پانچ قطرے آٹھویں دن لیں۔ 550 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں اپنا پتا مکمل لکھیں اور منی آرڈر فارم کے آخری کوپن پر مطلوبہ دوا کا نام BREAST BEAUTY ضرور لکھیں یہ دوا آپ کے گھر پہنچ جائے گی۔ اس کے استعمال سے ان شاء اللہ قدرتی حسن نسوانی ہوجائے گا۔

نوشین عباس کشمیر سے لکھتی ہیں کہ BREAST BEAUTY کی بڑی تعریف سنی ہے آپ V.P کردیں۔

محترمہ آپ 550 روپے کا منی آرڈر کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں آپ کی مطلوبہ دوا گھر پہنچ جائے گی۔ VP نہیں کی جاتی۔

صبا فرزند قلعہ دیدار سنگھ سے لکھتی ہیں کہ مجھے ماہانہ اخراج بہت زیادہ ہوتا ہے اس کی وجہ سے میرے سر کے بال بہت کم ہوگئے ہیں۔

محترمہ آپ SBINA 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں اور 600 روپے کلینک کے نام پتے پر منی آرڈر کردیں۔ آپ کو HAIR GROWER گھر پہنچ جائے گا۔ اس کے استعمال سے گنجاپن ختم ہوگا۔ نئے بال مضبوط پیدا ہوں گے۔

مس عائشہ خان بھاولپور سے لکھتی ہیں کہ مسئلے شائع کیے بغیر علاج بتائیں۔

محترمہ دونوں مسئلے قدرتی ہیں ان کا کسی دوا سے علاج ممکن نہیں ہے۔ کزن کے مسئلہ میں آپریشن ہوسکتا ہے۔

شہنیلا لاہور سے لکھتی ہیں کہ ماہانہ نظام خراب ہے

بہت پریشان ہوں کوئی علاج بتائیں۔

محترمہ آپ SENECIOAUR کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

مقدس طاہرہ وزیر آباد سے لکھتی ہیں کہ میرا خط توجہ سے پڑھنا میری بیماریوں کی لسٹ پڑھ کر تنگ نہیں ہونا کیونکہ میں 13 سال سے ان بیماریوں کو بھگت رہی ہوں۔

محترمہ اتنی کرانک بیماریوں کا علاج اس طرح ممکن نہیں ہے جب تک مریض سامنے نہ ہو لہٰذا مقامی ہومیو ڈاکٹر سے رجوع کریں۔

ایم وائی خان واہ کینٹ سے لکھتے ہیں کہ میرے جسم کے مختلف جوڑوں میں درد ہے۔ صبح اٹھتے وقت بہت ہوتا ہے چلتے پھرتے نہیں ہوتا۔

محترم آپ 30 RHUSTOX کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

سعدیہ جڑانوالہ سے لکھتی ہیں کہ میرا قد چھوٹا ہے۔ اس کی دوا بتائیں کیا قد بڑھانے والی ادویات کے مضر اثرات بھی ہوتے ہیں۔

محترمہ آپ CALCIUM PHOS 6X کی چار چار گولی تین وقت روزانہ کھائیں اور BARIUM CARB 200 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر آٹھویں دن ایک بار لیں۔ ہومیو پیتھک ادویات کے مضر اثرات نہیں ہوتے۔

زاریہ گجرات سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر دوا تجویز کردیں۔

محترمہ آپ 30 OLIUMJACC کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اور میرے کلینک کے نام پتے پر 700 روپے کا منی آرڈر کردیں۔ آپ کو لگانے کی دوا گھر پہنچ جائے گی۔

عالیہ بتول گجرات سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرہ پر مسلسل دانے نکلتے ہیں اور نشان چھوڑ جاتے ہیں دوسرے میرا قد چھوٹا ہے کوئی علاج بتائیں۔

محترمہ آپ CALCIUM PHOS 6X کی چار گولی تین وقت روزانہ کھائیں اور BARIUM CARB 200 کے پانچ قطرے آٹھویں دن ایک بار لیں اس کے علاوہ GRAPHITES 200 کے پانچ قطرے بھی آٹھویں دن ایک بار لیا کریں۔

خالد محمود منڈی بہاؤالدین سے لکھتے ہیں کہ میں ایک بہت ہی پیچیدہ مسئلہ میں مبتلا ہوں۔ جس کی وجہ سے میری صحت خراب ہوتی جارہی ہے۔

محترم آپ 30 SALIXNIGRA کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین مرتبہ روزانہ پیا کریں۔

الوینہ جہلم سے لکھتی ہیں کہ میرا سینہ بہت بھاری اور لٹکا ہوا ہے۔ بہت پریشان ہوں علاج بتائیں۔

محترمہ آپ CHIMAPHILA 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔ میرے کلینک سے BREAST BEAUTY منگالیں۔ قدرتی حسن بحال ہوگا۔

فرحانہ ناز گڑھا موڑ سے لکھتی ہیں کہ بہت دن سے موذی مرض میں گرفتار ہوں مجھے اس سے نجات دلائیں۔

محترمہ آپ BOROX 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں یہ دوا کسی بھی ہومیو پیتھک اسٹور سے جرمنی کی بنی ہوئی سیل بند خرید لیں۔

معائنہ اور باقاعدہ علاج کے لیے تشریف لائیں۔

صبح 10 تا 1 بجے، شام 6 تا 9 بجے۔

فون: 021-36997059

ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا کلینک دکان C-5، KDA فلیٹس فیز 4 شادمان ٹاؤن 2۔ سیکٹر B-14 نارتھ کراچی 75850

خط لکھنے کا پتا:۔ آپ کی صحت ماہنامہ ”آنچل“ پوسٹ بکس 75 کراچی۔

◆

ڈش مقابلہ

طلعت آغاز

شاہی ٹکڑے

اجزاء:

ڈبل روٹی	1 پیکٹ
دودھ	ڈیڑھ کلو

پستہ	1/2 چھٹانک
زعفران	1/2 چمچ
شکر	حسب پسند
بادام کی گری	1 چھٹانک
کیوڑہ	4 چار بڑے چمچ
چھوٹی الائچی	8 عدد

ترکیب:۔

ڈبل روٹی کے پیس لے کر انہیں چاروں طرف سے کاٹ لیں۔ بادام کی گری کو گرم پانی میں بھگو کر چھیل کر کاٹ لیں۔ زعفران کو کیوڑہ میں بھگولیں اور سل پر باریک پیس لیں۔ پستہ باریک کاٹ لیں اب دودھ کو اتنا پکائیں کہ آدھا رہ جائے پھر اس میں شکر ملادیں۔ فرائی پین میں گھی ڈال کر ڈبل روٹی کے ٹکڑے تلتے جائیں۔ ٹوسٹ بالکل بادامی رنگ کے ہونے چاہیے۔ اب ٹکڑے دودھ میں ڈال کر اتنا پکائیں کہ ٹکڑے گداز ہوجائیں لیکن ٹوٹنے نہ پائیں، اور دودھ تقریباً خشک ہوجائے پھر یہ ڈش میں نکالیں اور اوپر زعفران ڈال دیں، ٹھنڈا ہونے پر پستہ اور بادام چھڑک دیں۔ شاہی ٹکڑے تیار ہیں۔

طیبہ نذیر، شادیوال گجرات

لذیذ کوفتے

اجزاء:۔

قیمہ باریک پسا ہوا	1/2 کلو دھو کر پانی نتھار لیں
پیاز بڑے سائز کی	1 عدد چوپ کرلیں
اوریگانو پاؤڈر	1/2 چائے کا چمچ
انڈا	1 عدد
کارن فلیکس	1/2 کپ، کوٹ لیں
نمک	حسب ذائقہ
سویا سوس	1 کھانے کا چمچ
ووسٹر شائر سوس	1 کھانے کا چمچ
چائنیز نمک	1 کھانے کا چمچ
سیاہ مرچ پاؤڈر	حسب ذائقہ
پارسلے چوپ کرلیں	1 گٹھی
تیل، تلنے کے لیے	حسب ضرورت

ترکیب:۔

ایک پیالے میں قیمہ ڈال کر اس میں پیاز، اوریگانو پاؤڈر، انڈا، نمک، سویا سوس، ووسٹر سائر سوس، چائنیز نمک، سیاہ مرچ پاؤڈر اور پارسلے ڈال کر مکس کریں، گیلے ہاتھوں سے اس مکسچر کے چھوٹے سائز

کے کوفتے بنالیں۔ ایک پلیٹ میں کارن فلیکس ڈالیں۔ تیار کیے ہوئے کوفتوں کو اس سے کوٹ کریں۔ نان اسٹک فرائنگ پین میں تیل گرم کریں اور اس میں کوفتے ڈال کر درمیانی آنچ پر گولڈن براؤن ہونے تک فرائی کریں۔ اس کے بعد سرونگ ڈش میں نکالیں۔ لذیذ کوفتے تیار ہیں۔ فرنچ فرائیز اور چلی گارلک سوس کے ساتھ پیش کریں۔ دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

نوشین اقبال نوشی، گاؤں بدر مرجان

مٹن چانپ باربی کیو

اجزاء:۔

چانپیں	ایک کلو
لال مرچ پسی ہوئی	حسب ذائقہ

گرم مسالا	1 چائے کا چمچ
سوکھا دھنیا	ڈیڑھ چائے کا چمچ
دہی	1/2 پیالی
لہسن ادرک، پسا ہوا	2 چائے کے چمچ
نمک	حسب ذائقہ
پیاز پسی ہوئی	2 عدد
سفید زیرہ	1 چمچ
گھی	چانپوں پر لگانے کے لیے

ترکیب:۔

چانپیں دھوکر ایک چھلنی میں ڈال کر خشک کرلیں، پھر ابال لیں، اب پیاز، لہسن، ادرک، دہی، نمک، گرم مسالا، دھنیا اور زیرہ سب ملا کر باریک پیس لیں اور چانپیں ایک کھلے برتن میں نکالیں اور یہ سب اجزا چانپوں پر لگائیں۔ پھر ڈیڑھ گھنٹے کے لیے فریج میں رکھ دیں۔ سیخوں پر لگا کر تھوڑا تھوڑا گھی ٹپکائیں اور بھون لیں۔ سرخ ہوجائے تو پودینے کی چٹنی کے ساتھ سلاد بھی سرو کریں۔

فرخندہ فیض، کنگ چنن

چھوہارے کا حلوہ

اجزاء:۔

چھوہارے	آدھا کلو
شکر	ایک پاؤ
دودھ	ایک کلو
پانی	ایک کلو
اخروٹ	ایک چھٹانک
بادام	آدھا پاؤ
کشمش	ایک چھٹانک
گھی یا آئل	ایک پاؤ

ترکیب:۔

چھوہارے ایک گھنٹے کے لیے پانی میں بھگودیں اور گٹھلیاں نکال کر اچھی طرح صاف کرلیں۔ دودھ اور پانی میں چھوہارے ڈال کر بوائل کرلیں جب چھوہارے گل جائیں تو چھوہاروں کو پیس لیں۔ آئل گرم کریں اس میں پسے ہوئے چھوہارے اور شکر ڈال کر اچھی طرح بھونیں۔ حلوے کا پانی خشک ہوجائے اور آئل نظر آنے لگے تو اخروٹ، کشمش، بادام ڈال کر مکس کرلیں۔ مزیدار حلوہ تیار ہے۔

عائشہ سلیم، فیصل آباد

قورمہ کھڑا مسالا

اجزاء:۔

گوشت	1 کلو
پیاز	3 عدد
دہی	1 پاؤ

ثابت گرم مسالا	1/2 چھٹانک
دھنیا پاؤڈر	1 چائے کا چمچ
سرخ مرچ پاؤڈر	حسب ذائقہ
نمک	حسب ذائقہ
تیل / گھی	حسب ضرورت

ترکیب:۔

پیاز باریک کاٹ لیں اور گوشت کو دھولیں۔ پھر ایک دیگچی میں گوشت، پیاز، گرم مسالا، نمک، مرچ ڈال کر چولہے پر رکھیں اور دہی پھینٹ کر مسالے کے اوپر ڈال دیں۔ گوشت گلانے کے لیے پانی نہ ڈالیں بلکہ دہی کے پانی سے گوشت کو ہلکی آنچ پر گلنے دیں۔ جب دہی خشک ہوجائے تو گھی ڈال کر خوب بھونیں لیکن آنچ ہلکی رہنی چاہیے۔ جب گھی نظر آنے لگے تو اتار لیں۔ ہرا دھنیا ڈال کر سرو کریں۔

سمیرا اشتاق ملک، اسلام آباد

پنیر کے کباب

اجزاء:۔

پنیر کدوکش کیا ہوا	1 کپ
آلو (ابال لیں)	1 عدد
بادام (کوٹ لیں)	12 عدد
ہری پیاز	1 عدد چوپ کرلیں
ہرا دھنیا، چوپ کیا ہوا	1 کھانے کا چمچ
ساہ مرچ پاؤڈر	1 چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
ہری مرچیں	2 عدد (باریک چوپ کرلیں)
انڈا	1 تلنے کے لیے
بریڈ کرمبز	حسب ضرورت
تیل	حسب ضرورت

ترکیب:۔

پنیر میں آلو، نمک، سیاہ مرچ پاؤڈر، بادام، ہرا دھنیا، ہری مرچیں ہری پیاز ملا کر مکس کرلیں اور کباب بنالیں۔ ایک پیالے میں انڈا پھینٹ لیں، اب کباب کو پہلے انڈے میں ڈبوئیں، اس کے بعد کرمبز لگائیں اور گرم تیل میں فرائی کریں اور کیچپ کے ساتھ پیش کریں۔

پروین افضل شاہین، بہاولنگر

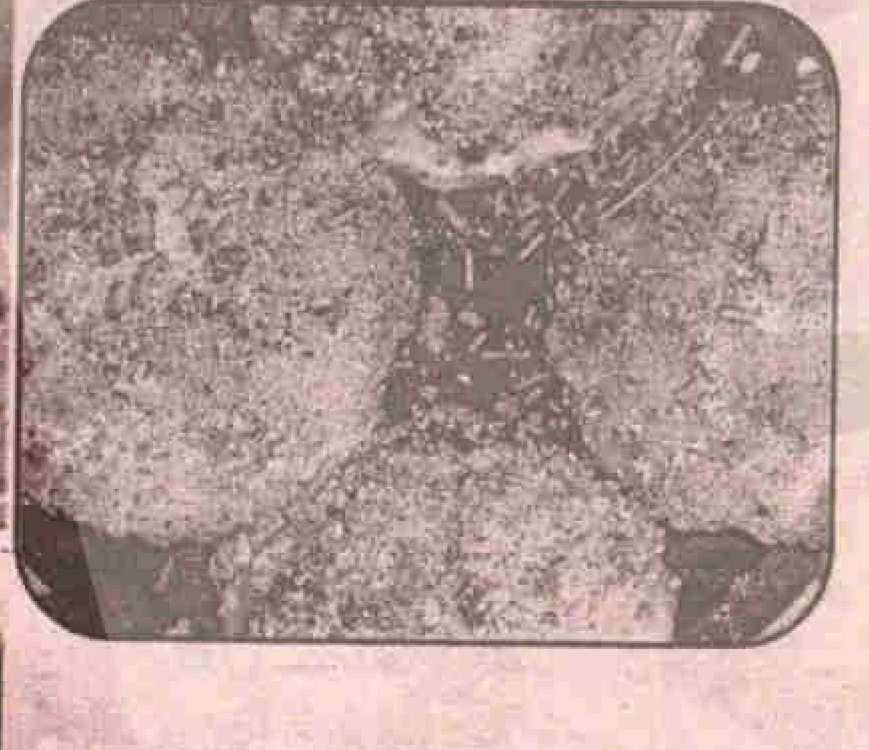

بیوٹی گائیڈ

روبینہ احمد

موسم سرما اور جلد:۔

موسم سرما کی آمد کے ساتھ ہی فضا کی قدرتی نمی میں کمی آجاتی ہے سرد اور خشک ہوائیں نا صرف چہرے بلکہ ہاتھوں اور پیروں کو بھی بری طرح متاثر کرتی ہیں۔

موسم سرما کے آغاز کے ساتھ ہی کولڈ کریم، چکنے لوشن یا جیلاٹن اور گلیسرین کی خریداری کریں۔ صبح بے دار ہوتے ہی منہ دھونے کے بعد ہلکی سی کولڈ کریم یا لوشن چہرے پر لگائیں۔ موسم سرما میں خصوصاً منہ دھونے کے بعد کسی بھی قسم کی کریم چہرے پر لگانا ایک عادت بنالیں۔ دوپہر کے وقت چہرے اور ہاتھوں پیروں میں جیلاٹن کا مساج کریں زائد چکنائی ٹشو پیپر سے صاف کریں اور سوجائیں۔ شام کے وقت منہ دھونے کے بعد ہلکا سا لوشن لگائیں اور رات میں جب سب کاموں سے فارغ ہوجائیں تو لیموں، گلیسرین اور عرق گلاب ہم وزن لے کر چہرے اور ہاتھوں پیروں میں اچھی طرح لگائیں۔

اس آمیزے کو صرف رات کے وقت استعمال کریں۔

غذا اور موسم سرما:۔

جلد کو سرد اور خشک ہواؤں سے محفوظ رکھنے کے لیے بیرونی طریقوں کے ساتھ ساتھ آپ کو اپنی غذا کی طرف بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ موسم سرما میں مچھلی، پنیر، مکھن، بالائی، دہی اور دودھ کا استعمال بڑھانے سے جلد خشکی کا شکار نہیں ہوگی۔ اپنی غذا میں توازن پیدا کرنے سے آپ کو ہمیشہ خوش گوار نتائج ملیں گے۔

خشک ہوا کے باعث جلد پھٹ جائے تو ٹھنڈا دودھ چہرے پر ملیں۔ خشک جلد کے لیے نرم اور کریمی صابن استعمال کریں۔

(جویریہ ضیاء......ملیر کراچی)

خشک جلد کے لیے ماسک:۔

۱:۔ ایک کھانے کا چمچ زیتون کے تیل میں دو چمچ تازہ کریم ملا کر دس منٹ تک چہرے پر لگائیں اور گرم پانی میں بھیگے ہوئے روئی کے پیڈ کے ساتھ صاف کریں۔

۲:۔ ایک کھانے کا چمچ شہد، پندرہ قطرے سنترے کا رس ایک کھانے کا چمچہ ملتانی مٹی اور ایک چمچ عرق گلاب کو اچھی طرح ملا کر چہرے پر لیپ کریں۔ دس پندرہ منٹ بعد چہرہ دھولیں۔

۳:۔ ایک کھانے کا چمچ کارن فلور، ایک بادام پسا ہوا، زیتون کا تیل، تازہ کریم میں اچھی طرح مکس کر کے چہرے پر لگائیں۔ دس منٹ بعد چہرہ دھولیں۔

۴:۔ شہد اور خوبانی کا ماسک چہرے کے بالوں کو جڑوں سے کمزور کرتا ہے اور بالآخر چند مرتبہ کے استعمال سے یہ بال اتر جاتے ہیں۔ یہ ماسک جلد کو غذائیت مہیا کرتا ہے۔ جلد کو ڈھلکنے نہیں دیتا اور نرم وملائم بناتا ہے۔

۵:۔ سمندری جڑی بوٹیوں کا ماسک مقبول موسچرائزنگ ٹریٹمنٹ ہے۔ خصوصاً آنکھوں کے اردگرد نازک بافتوں کی حفاظت کے لیے بہترین ماسک تصور کیا جاتا ہے۔ یہ ماسک جلد کو ضروری نمکیات فراہم کرتا ہے۔ جھریاں نہیں بننے دیتا، خون کی گردش کو بہتر کرتا ہے۔ سمندری جڑی بوٹیوں کے ماسک سے روکھی اور خشک جلد کو بے پناہ فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

چہرے پر لگانے والے تمام ماسک اور ٹوٹکے ہاتھوں کے لیے بھی مفید ہوتے ہیں۔ خوبانی اور شہد سے بنی کریم غذائیت بخش ہے۔ جھریوں کو روکتی ہے۔ جلد کو نرم بناتی ہے۔ کھردری اور خراب جلد کو کم وقت میں ٹھیک کرنے کے لیے وافر مقدار میں کریم لگائیں اور دستانے پہن کر سو جائیں۔

خشک جلد کے مسائل اور گھریلو ٹوٹکے:۔

سردیوں میں جلد خشک ہوجاتی ہے اور اگر بروقت اس کی حفاظت نہ کی جائے تو سردیاں ختم ہونے کے باوجود چہرے اور ہاتھوں خصوصاً پیروں کی ایڑیاں خراب رہتی ہیں۔ ایسے میں بازاری کریمیں اور چکنائی والے صابن بہت مہنگے ملتے ہیں۔ پہلی بات یہ کہ جب جلد خشک ہوجائے تو جراثیم کش صابن مت استعمال کریں۔ پھٹی ہوئی ایڑیوں کو پہلے جھانویں سے رگڑیں پھر ان پر گلیسرین اور عرق گلاب لگائیں۔ اگر ایڑھیوں کی جلد زیادہ خراب ہو جائے تو سرسوں کا تیل تین چمچ اور ہلدی دو چمچ ملا کر محلول بنا لیں۔ اس گاڑھے لیپ کو رات سوتے وقت پاؤں پر لگا کر جرابیں پہن لیں۔ چہرے کو نرم رکھنے کے لیے عرق گلاب اور گلیسرین استعمال کی جاسکتی ہے۔ چہرے کا بھی کبھار فیشل کرنا بھی بہتر ہوتا ہے۔

سردی کے موسم میں خواتین کی جلد میں تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ اس کے لیے اپنی جلد کی حفاظت پر خواتین کو خصوصی توجہ دینا چاہیے۔ کیونکہ سرد موسم کے اثرات خواتین کی نرم ونازک جلد پر جلد نمایاں ہوجاتے ہیں۔ اس لیے سرد ہواؤں میں باہر نکلنے سے احتیاط برتیں۔ منہ ہاتھ دھونے کے لیے نیم گرم پانی کا استعمال کریں۔ چہرے اور ہاتھوں پر کولڈ کریم، ویسلین کا زیادہ استعمال کریں۔ سرد موسم میں غذا پر بھی خصوصی توجہ دیں اور صبح کے ناشتے میں چکنائی والی اشیاء استعمال کریں یعنی پراٹھے، مکھن، انڈے کا استعمال زیادہ کریں، اگر آپ کی جلد چکنی ہے تو آپ کو اپنا چہرہ دن میں کئی مرتبہ کسی بھی اچھے صابن سے دھونا چاہیے۔ سرد موسم کا اثر چکنی جلد پر بھی پڑتا ہے۔ انہیں خصوصی طور پر اپنے چہرے پر توجہ دینی چاہیے اور فیشل ہر ماہ پابندی سے کرنے سے اگر ان کے چہرے پر ایکنی کے اثرات نمایاں ہورہے ہیں تو وہ بھی ختم ہوجائیں گے۔

خواتین کے پیروں کی حفاظت بڑا مسئلہ ہے۔ اکثر خواتین کے پیر ایڑی سے اتنے زیادہ پھٹے ہوتے ہیں جیسے پیر میں کوئی زخم ہو۔ اس کے باوجود خواتین پیروں پر توجہ نہیں دیتی ہیں۔ آج کل ہر اچھے بیوٹی پارلر میں پیڈی کیور مشین کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ خواتین کو سردی کے موسم میں تقریباً ہر بیس دن بعد مشین پر پیڈی کیور ضرور کروانا چاہیے۔ ایسی خواتین جو بیوٹی پارلر کے اخراجات برداشت نہیں کرسکتی ہیں وہ خواتین یہ عمل گھر میں بھی کر سکتی ہیں۔ نیم گرم پانی کریں اس میں تھوڑا سا ڈیٹول اور نمک ملا کر پیروں کو دس منٹ ڈبوئے رکھیں۔ پھر جھانوے سے رگڑ کر صابن لگائیں اور نیم گرم پانی سے دھولیں۔ پیر خشک کر کے کولڈ کریم یا ویسلین استعمال کریں اور پیروں پر موزے پہن لیں۔ موسم سرما میں خواتین یہ عمل مسلسل جاری رکھیں آپ کے پاؤں نرم اور نازک ہوجائیں گے۔

(تعبیر جہاں......جلال پور پیر والا)

تم کہاں کھو گئے
(فرحت آپا کے نام)

چاند تنہا بھٹکتا رہا فلک پر کہیں
اور تارے بھی تھک کر سبھی سو گئے
تم کہاں کھو گئے؟
سال بیتا، یہ غم ہم بھلا نہ سکے
حوصلے درد کے آزمانہ سکا
چل دیے روٹھ کر تم تو سب سے کہیں
ہم تیرے دکھ سے دامن چھڑا نہ سکے
نظریں خالی ہوئیں، دل بھی ویراں ہوئے
تم کہاں کھو گئے؟
محفلیں ہو گئی ہیں ویراں کس قدر
کتنی آنکھیں ہیں پُرنم، تمھیں کیا خبر!
چاند تاروں کے تم تو مکیں ہو گئے
تم کہاں کھو گئے؟
سونی سونی فضائیں تمہارے بنا
کتنی پُرنم ہوائیں تمہارے بنا
دکھ بھلانے سے بھی اب تو جاتا نہیں
صبر ہوتا نہیں، چین آتا نہیں
سارے ارمان دل کے کہیں سو گئے!
تم کہاں کھو گئے؟

شاعرہ: تازیہ کنول نازی...... ہارون آباد

یادیں
(فرحت آپا کے نام)

زندگی کے راستوں پر
چلتے چلتے
قدم جب لڑکھڑاتے ہیں
کچھ اپنے یاد آتے ہیں
بہت تکلیف ہوتی ہے
یہ یادیں دل دکھاتی ہیں
جب اپنے یاد آتے ہیں
جو ہم سے دور رہ کر بھی
ہمیشہ دل میں رہتے ہیں
بچھڑ کر ہم سے نہ جانے
وہ کیسے دیس جاتے ہیں
جہاں سے آ نہیں سکتے
انہیں کیسے بھلائیں ہم!
جو اکثر یاد آتے ہیں
ہمیں بے حد رُلاتے ہیں
ہوں چاہے دوریاں کتنی
بھلے مجبوریاں کتنی
جہاں پر بھی وہ رہتے ہوں
وہ ہم سے مل نہیں سکتے
نظر وہ آ نہیں سکتے
لیکن!
نظر سے دور ہو کر بھی
نہاں یادوں میں بستے ہیں
ہمارے دل میں رہتے ہیں

(نزہت جبیں ضیاء...... کراچی)

نظم
(راج دلاری فرحت باجو کے نام)

اے شفیق ہستی!
نرم نرم لہجے والی
زخموں پر مرہم رکھنے والی
ہمارے درد کا درماں
دلوں کا دلاسا
امید کا دیا
اک ٹھنڈی میٹھی چھایا
جیسے دھوپ میں سایا
خدا کا خاص بندہ
دلوں پر راج کرتا
گرتوں کو سہارا دیتا
لفظوں کی چاشنی بانٹتا
خوشبوئیں بکھیرتا
ہمیشہ دلوں میں زندہ رہے گا
یادوں میں
رات کی تنہائیوں میں
اداس لمحوں میں
جب آپ یاد آؤ گی
بہت رلاؤ گی

طلعت رانا...... چیچہ وطنی

دسمبر

دسمبر کی سرد ٹھٹھرتی رات
مٹیالی چاندنی میں
دُھند میں سمٹی
تمہاری یاد کی سرسراتی چادر
جب میرے شانوں سے ڈھلکنے لگی
تو اس پل!
کُہر میں لپٹی
سرد دھم اور بے لباس ہَوا
کہنے لگی
اسے اب لوٹ آنا چاہیے
ہاں اب تو اسے
لوٹ آنا چاہیے

فصیحہ آصف خان...... ملتان

نظم
(پیاری آنی فرحت آراء کے نام)

میں کچھ کہنے کو جو لب کھولوں تو
صرف اتنا ہی کہہ سکوں گی
کہ
میرے لہو میں، جگر میں
میرے دل میں، نظر میں
میری بستی میں، گھر میں
میری شام و سحر میں
میری دھرتی میں، امبر میں
میری سوچوں کے بھنور میں
میری ذات کے منظر میں
میرے سپنوں کے نگر میں
میرے دل کے شہر میں
میری منزل کے سفر میں
تیری یادوں کے اجالے ہیں
میری دھڑکن میری سانسیں!
خود کو تیرے نام کر رہی ہیں
اور میری تمام زندگی
تیری عظمتوں کو سلام کر رہی ہے

شمائلہ اکرام...... فیصل آباد

غزل

جہاں دیکھتا ہوں نظر خالی خالی
یہ سنسان جنگل، شجر خالی خالی
بچھڑ جانے والے کہاں تم چلے ہو؟
مری زندگی کا سفر خالی خالی
جہاں میری ممتا کا سایہ تھا سر پر

بڑی مدتوں سے وہ گھر خالی خالی
کہیں چین دل کو نہیں مل رہا ہے
مری خواہشوں کا نگر خالی خالی
بہت منتوں سے اسے میں نے مانگا
مری ہر دعا کا اثر خالی خالی
مرے صحنِ دل میں تری یاد راشد
مری آنکھ میں ہیں بھنور خالی خالی
راشد ترین......مظفر گڑھ

بشارت

لوگ ہاتھوں کی لکیروں میں، کثر
مقدر ڈھونڈتے ہیں
مگر میں!
اس قادرِ مطلق کو تلاشتی ہوں
جو اگر چاہے تو
ان لکیروں کی طرح اُلجھی
بے سمت راہوں کو بھی
منزل کی بشارت مل جائے!
فوزیہ ساجد بٹ......قلعہ دیدار سنگھ

غزل

اس کی پہچان میری محبت ہے
اس کا نام میری عبادت ہے
تنہائیوں کے سورج نے کہا الوداع!
دیکھ یہ کتنی بڑی راحت ہے
سجن اور میں دو سہیلیاں
کیسی یہ گہری چاہت ہے
ہم ہی اہلِ وفا، ہم ہی اہلِ جنوں
صدیوں کی ہماری ریاضت ہے
راج ہوا ختم اندھیری راتوں کا
صبحِ نو بہار کی حکومت ہے
مہکے خواب، کھلے یہ دل دریچے
کتنے برسوں پرانی عادت ہے
مت اُلجھو سیاہ لمحوں سے تم
یہ تو روشنی کی علامت ہے
شکیلہ انجم طارق......لاہور

غزل

وہ جو ہم سفر تھا خیال تھا، اب مرا ہوا
بچھڑ کے جس سے ملال تھا اب مرا ہوا
وہ جس کی خاطر یہ زندگی بھی اجڑ گئی
بچھڑ کے جینا محال تھا، اب مرا ہوا
وہ جو میری آنکھ کے رت جگوں میں ہی رہ گیا
وہ حسن، حسنِ جمال تھا، اب مرا ہوا
جسے میں نے چاہا تھا عمر بھر، وہی ہم سفر
مرے لب پہ جس کا سوال تھا، اب مرا ہوا
کبھی میری سانسوں پہ اختیار رہا تیرا
میری یادوں کا حسن کمال تھا، اب مرا ہوا
کبھی شوخ لگتی تھی جس کے دم سے یہ زندگی!
میرا جس سے رشتہ بحال تھا، اب مرا ہوا
جسے میں نے ڈھونڈا تھا عمر بھر، وہی فوزیہ
میرا ہم مزاج کمال تھا، اب مرا ہوا
فوزیہ احسان رانا......حاصل پور

محبت

محبت کیسی ہوتی ہے؟
محبت کر کے دیکھیں گے
محبت دکھ بھی دیتی ہے
محبت سکھ بھی دیتی ہے
محبت مر نہیں سکتی
محبت زندہ رہتی ہے
یہ ایک ایسا جذبہ ہے
جو دل ہی دل میں پلتا ہے
لیکن!
اسے یہ کون سمجھائے؟
محبت کی نہیں جاتی
ہاں!
محبت خود ہی ہوتی ہے
محبت کیسی ہوتی ہے
محبت کر کے دیکھیں گے
فریدہ فری......لاہور

غزل

وعدوں کی طرح مجھ کو بھلاتا جا رہا ہے
پھر کیوں وہی مجھے یاد آتا جا رہا ہے
خود کو ہی ٹھہرا کر منصف وہ شخص
سارے الزام ہم پر لگاتا جا رہا ہے
کہیں ہم پر کوئی قہر ہی نہ نازل ہو
ہر شخص حالات سے خوف کھاتا جا رہا ہے
ہم گناہ گار اس قابل تو نہیں ہیں مگر
وہ ذاتِ رحیم اپنی رحمت برساتا جا رہا ہے
اپنے انتقام کی آگ ٹھنڈی کرنے کو
وہ شخص بستی کی بستی جلاتا جا رہا ہے
یہ اس کے لفظوں کی جادوگری ہے تبسم
کہ وہ ہر شخص کو اپنا بناتا جا رہا ہے
سیدہ فاخرہ تبسم ہمدانی......چھتاں بالا

عادت

تجھے سوچتے رہنا اکیلے میں
راتوں کی تنہائی میں چاند کو تکتے ہوئے
میری عادت سی بن گئی ہے
تیرے وعدے، تیری قسمیں
تیری وہ باتیں ساری
انہیں ہر پل یاد کرنا
میری عادت بن گئی ہے
تیرے سنگ گزاری وہ سب شامیں، گرم دوپہریں
ساحل کی ریت پہ گھر بنانا، نام لکھنا
انہیں یاد کرنا
میری عادت سی بن گئی ہے
جاناں!
گر فرصت ملے تو اتنا ہی کر جاؤ
میری امید توڑ جاؤ!
میری عادت بدل جاؤ
بشریٰ [illegible]......اوکاڑہ

غزل

مست نظروں سے میری نیند چرانے والا
کیسے روٹھا ہے بھلا مجھ کو منانے والا
اب تو ساون کی گھٹائیں بھی خفا رہتی ہیں
پوچھتی ہیں کہ کب آئے گا وہ جانے والا
ڈھونڈتا پھرتا ہے تاریکی میں اب کوئی چراغ
چاند تاروں سے میری مانگ سجانے والا
میں نے جس شخص کو سمجھا تھا مسیحا اپنا
زندگی میں تھا وہی زہر ملانے والا
اجنبی بن کے سرِ عام گزر جاتا ہے
وہ سرِ عام کبھی ہاتھ ملانے والا
کتنا خاموش تھا ساگر کے کنارے ساجد
مسکرا کر کبھی وہ ہاتھ ہلانے والا
ناز حسنین ساجد......جھنگ صدر

بیاض دل

میمونہ تاج

biazdill@aanchal.com.pk

درخشاں بی...... چوٹالہ

جن دوستوں سے ہم کوتوقع وفا کی تھی
وہ دوست دل سے نقشِ وفا تک مٹا گئے

پروین افضل شاہین...... بہاول نگر

کھیلنے سے جو مجھ کو روکتی تھی مٹی میں
اوڑھے مٹی کی چادر آج سو رہی ہے

نوشین اقبال نوشی...... گاؤں بدر مرجان

وہ یاد کرے گا جس دن میری محبت کو
روئے گا پھر سے میرا ہونے کے لیے

دعا زاہد...... فیصل آباد

کوئی تعویذ ہو ردِ بلا کا
محبت میرے پیچھے پڑ گئی ہے

ایس عطاریہ...... بارہ قطعہ

نہ مروت، نہ محبت، نہ خلوص ہے اقبالؔ
میں تو شرمندہ ہوں اس دور کا انسان ہو کر

سباس گل...... رحیم یار خان

جانتے ہیں نہیں ملو گے تم !
دل کی خاطر ہی خواب دکھلا دو

سمیرا ندیم...... اسلام آباد

پچھتایا بہت اس کے دروازے پر دستک دے کر
درد کی انتہا ہوگئی جب اس نے پوچھا کون ہو تم؟

مقدس رباب...... چکوال

اسی کے نام سے لفظوں میں چاند اترتے ہیں
وہ ایک شخص کہ دیکھوں تو آنکھ بھر آئے
جو کھو چکے انہیں ڈھونڈنا تو ممکن ہے
جو جا چکے انہیں کوئی کس طرح لائے

ظلِ ہما...... فیصل آباد

وہ تو یہ کہیے گھڑی تجھ سے جدا ہونے کی تھی
ورنہ یہ ساعت جو تھی میرے خدا ہونے کی تھی
تجھ کو یہ ضد کہ میں تیری آنکھوں سے دیکھتا
اور مجھے خواہش ترے لب سے ادا ہونے کی تھی

ڈاکٹر بشیر احمد...... کنگن پور

تیرے بغیر دنیا ویران لگتی ہے
ہر خوشی مجھ کو پریشاں لگتی ہے
کیا بتاؤں تجھ کو حالتِ زار اپنی
قفس میں اب یہ جان لگتی ہے

یاسمین عندلیب...... شورکوٹ کینٹ

میرے بس میں اگر ہوتا اٹھا کر چاند تاروں کو
میں نیلے آسماں پہ بس تیری آنکھیں بنا دیتی
شجر ہوتا تو لکھ لکھ کر تمہارا نام پتوں پر
تمہارے شہر کی جانب ہواؤں میں اڑا دیتی

امیمہ رباح جانو...... ڈی.جی خان

میں نے تیری تلاش میں خود کو بھلا دیا
تو بھی اسی خلوص سے مجھ کو تلاش کر

افراء تاج...... جہلم

اتنا قریب آؤ کہ جی بھر کے دیکھ لیں
شاید کہ پھر ملو تو یہ ذوقِ نظر نہ ہو

چندا شیخ...... ملتان

اس کی آنکھوں میں محبت کا ستارا ہوگا
ایک دن آئے گا وہ شخص ہمارا ہوگا
جس کے ہونے سے میری سانس چلا کرتی ہے
کس طرح اس کے بغیر اپنا گزارا ہوگا

اسماء چوہدری...... فیصل آباد

اجڑے پڑے ہوئے ہیں یہ باغ و باغباں
ان کے جانے سے دل کا موسم ہی اجڑ گیا

سیدہ آرائین جیا...... تلہ گنگ

اس کی ہر روز کی ملاقات سے ڈر لگتا ہے
روز ملتا ہے تو اک زخم نیا دیتا ہے
اپنی قربت میں بھی رکھتا ہے وہ فرقت کی فضا
میرا اپنا ہی تو ہے، مجھ کو سزا دیتا ہے

فرح طاہر قریشی، وفا...... ملتان

آج کیا بات ہے کہ پھولوں کا
رنگ تیری ہنسی سے ملتا ہے

بشریٰ ملک، مائرہ ملک...... دھاندرہ فیصل آباد

صبح کی ہوا! تجھے وہ ملے تو کہہ دینا
شام کی منڈیروں پر ہم دیے جلائیں گے
ہم محبت کے جگنوؤں کی آمد پر
تتلیوں کے رنگوں سے راستے سجائیں گے

فرح طاہر...... ملتان

محفل کی چکا چوند میں کچھ خواب صفت لوگ
اندر سے کبھی دیکھو تو ویران بہت ہیں

شہر بانو رضا...... میانوالی

اسے میرا مقدر بنا یارب!
بس ایک بار ملا یارب!
بند کروں یا کھولوں آنکھیں
ہر سمت اسی کو دکھا یارب!

زرتاشیہ شیرازی...... جڑانوالہ

تحریر بیچ کر تو کبھی بات بیچ کر
پاتے ہیں رزق صورتِ حالات بیچ کر
واقف نہ تھے تجارتِ مہر و وفا سے جو
لوٹے ہیں پائی پائی میں جذبات بیچ کر

اریبہ شاہ...... بہاولپور

گلے سے مجھ کو لگا کے نڈھال رکھتا تھا
عجب شخص تھا کیسا کمال رکھتا تھا
کہا جب میں نے میری زندگی تم ہو
اس کے بعد وہ صرف اپنا خیال رکھتا تھا

ام صباء الیاس...... چوکنا نوالی کنجاہ

اے دوست اگر زندگی وفا نہ کرے
خدا نہ کرے تو میرے لیے دعا نہ کرے
تیرے دم سے ہی ہے زندگی کی رونق
میرے بعد بھی تجھے کچھ ہو، خدا نہ کرے

صنم ناز...... گوجرانوالہ

ہر نمی میں کچھ کمی تو رہے گی
آنکھیں تھوڑی شبنمیں تو رہیں گی
زندگی کو آپ کتنا بھی سنواریے
بن ہمارے کوئی نہ کوئی کمی تو رہے گی

کرن وفا...... کراچی

بچھڑی ہوئی راہوں سے جو گزرے ہیں کبھی ہم
ہر گام میں کھوئی ہوئی اک یاد ملی ہے
وہ بھول گئے ہم کو انہیں بھول گئے ہم
اے دوست مگر دل میں خلش اب بھی وہی ہے

رانی اسلام...... گوجرانوالہ

لوگ کانٹوں سے بچ کے چلتے ہیں
ہم نے پھولوں سے زخم کھائے ہیں
تم تو غیروں کی بات کرتے ہو
ہم نے اپنے بھی آزمائے ہیں

ماجو خان...... کھلابٹ کالونی

حساس دلوں کو توڑنے کے لیے ضرورت نہیں پتھروں کی
یہ دل تو بکھر جاتے ہیں لفظوں کی چوٹ سے

فصیحہ آصف خان...... ملتان

سچ کیا رہا ہے اس خبر میں
کہ آ رہا ہے تو دسمبر میں

یادگار لمحے

جویریہ طاہر

yaadgar@aanchal.com.pk

حمد

بدلتے لمحے، ڈھلتی شامیں، چڑھتے دن
یہ بیکراں سمندر، یہ بہتی ندیاں
یہ گلستاں میں پھولوں کا جوبن
کہیں حیاتِ رفتہ کی بکھری کہانیاں
تیرے غیظ و غضب کے منظر
اُجڑے ہوئے شہروں کی نشانیاں
تیری اس بزم میں تُو ہی درخشاں ہے
تیری ہی عبادت دل کا درماں ہے
تُو ہی نفسِ مضمون تُو ہی عنواں ہے
ہزارہا دھندوں میں مشغول انساں
نہ فراغتِ مناجات، نہ وقتِ عبادت
عمل کا نہیں مومن، مگر جنت کی حسرت

عمیس احمد...... جھنگ صدر

نعت

تیری پیروی کا حق یوں ادا ہو
جہاں قدم رکھوں تیرا نقشِ پا ہو
بجز تیرے نہ کوئی رہنما ہو
جب سانس کی ڈوری ٹوٹے
اور جب کشتی میری ڈوبے
میرے لب پہ تیری ثناء ہو
تیری ہوجائے جو نظرِ شفقت
نہ رہے مجھے کسی اور کی حاجت
خدا کے سامنے بھی تیرا آسرا ہو
ہوجائے میرا حامی شافعِ محشر
کہ کرتا ہوں میں دلوں کو منوّر
میری ثناء خوانی آبِ بقا ہو

عمیس احمد...... جھنگ صدر

اقوال زریں

❀۔ سختی کا جواب سختی سے نہیں، بلکہ نرمی سے دینا چاہیے۔ (رسول صلی اللہ علیہ وسلم)

❀۔ اچھی کتاب، اچھا انسان بناتی ہے۔ (ارسطو)

❀۔ ایک لمحے کی سچی خوشی بے شمار گھڑیوں کے دکھ کا بدل ہوسکتی ہے۔ (شیخ سعدی)

❀۔ سب سے بڑی جہالت یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو دوسروں سے بہتر سمجھے۔ (امام غزالیؒ)

❀۔ مجھے اس انسان کی زندگی پر رشک آتا ہے جو دولت کے بغیر بھی خوش رہتا ہے۔ (خوش حال خان خٹک)

❀۔ علم کی جستجو جس رنگ میں بھی کی جائے عبادت ہی کی ایک شکل ہے۔ (علامہ اقبالؒ)

❀۔ حریص اور حاسد کبھی چین نہیں پاسکتے۔ (حضرت رابعہ بصریؒ)

رانی اسلام، گوجرانوالہ

سنہرے حروف

اگر کسی کے ساتھ وفا کرنی ہو تو ساحل سے لگی گھاس کی طرح کرو۔ جب بھی کوئی ڈوبتا ہوا اس کا سہارا لے تو وہ اس کو بچالیتی ہے یا خود بھی کنارے سے ناتا توڑ کر ساتھ ڈوب جاتی ہے۔

(شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ)

سلمیٰ فہیم گل، لاہور

گوہر نایاب

❀۔ چیزوں کی محبت دلوں میں مستقل بس جائے تو اندھی دیواروں جیسی ہوجاتی ہے۔ باقی عمر ان سے رہائی نہیں ملتی۔

❀۔ ہم اکثر اتنے اچھے نہیں ہوتے جتنا وہ محبت ہمیں اچھا کردیتی ہے جو ہمارے دلوں میں اپنے پیاروں سے ہوتی ہے۔

❀۔ اچھی کتابوں سے محبت چاہے بنا نہیں ہوتی۔ جیسے نیکی کی توفیق بنا طلب کے نہیں ملتی۔

❀۔ محبت چیزوں سے نہیں، دلوں اور روحوں سے کی جاتی ہے۔ چہرے روپ بدل سکتے ہیں مگر روح روپ نہیں بدلتی۔

❀۔ غلط فہمی اگر دل میں زیادہ دیر رہے تو بدگمانی کو جنم دیتی ہے اور بدگمانی فاصلوں کا باعث بنتی ہے۔

❀۔ اعتدال بہترین راہ ہے کیونکہ پاؤں آگ کے الاؤ میں ہوں یا برف کی سل پر، دونوں صورتوں میں تپش ہمارا مقدر بنتی ہے۔

❀۔ خوشی میں کوئی دوست شامل ہو تو خوشی بڑھ جاتی ہے اور غم میں اگر دوست ساتھ دے تو غم گھٹ جاتا ہے۔

نوشین اقبال نوشی، گاؤں بدر مرجان

بہترین ہنر

بچہ دنیا میں صرف ایک ہنر لے کر آتا ہے اور وہ ہے رونا! اس کے علاوہ اسے کچھ نہیں آتا۔ اس ایک ہنر سے وہ اپنی ماں سے ہر بات منوالیتا ہے یعنی "رو رو کر"، اس لیے اپنے ربّ کے سامنے رونا سیکھو اور اپنے ربّ کو منالو جو ستر ماؤں سے بھی زیادہ پیار کرنے والا ہے۔

کرن فرح، کراچی

...... نظم ......

خوشبو کی پوشاک پہن کر
کون گلی میں آیا ہے
کیسا یہ پیغام رساں ہے
کیا کیا خبریں لایا ہے
کھڑکی کھول کے باہر دیکھو
موسم میرے دل کی باتیں
تم سے کہنے آیا ہے!!

ناہید شبیر رانا، رحمٰن گڑھ

......خوشبو جیسی بات......

دو لوگ مقدر والے ہوتے ہیں، ایک وہ جنہیں وفادار دوست ملتا ہے اور دوسرا وہ جن کے ساتھ ماں کی دعائیں ہوتی ہیں۔

سباس گل، رحیم یار خان

کچھ باتیں اچھے لوگوں کی

☆ دیانت دارانہ محنت و مشقت، سربلندی و اعزاز کا زینہ ہے۔ (کلیولینڈ)

☆ ایسی شناسائی جو فوراً ہوجائے، پچھتاوے کا باعث بنتی ہے۔ (تھامسن فلر)

☆ غم کا بہترین علاج مصروفیت ہے۔ (بائرن)

☆ اگر لگن ہو تو ذرائع مل جاتے ہیں اور اگر نہ ملیں تو آدمی خود پیدا کرلیتا ہے۔ (چین فنگ)

☆ خدا ہمارے مقدر میں پتھریلے راستے لکھتا ہے تو ہمیں مضبوط جوتے بھی بخشتا ہے۔ (کیٹرے بون)

اپنے خیالات کو اپنی جیل نہ بناؤ۔ (خلیل جبران)

عابدہ نسیم، چیچہ وطنی

انگلینڈ کا ویزا

بے قراروں کے دل کا قرار ہے ویزا!
لاکھوں دلوں کی پکار ہے ویزا
ملکوں کے بیچ دیوار ہے ویزا
شادی کا دارومدار ہے ویزا
ملے اس نے ایسا کسی کو سہارا

اس ویزا نے کتنے گھروں کو سنوارا
کتنے لوگوں کا کھیل اس نے بگاڑا
سپنوں کے گلشن کو اس نے لتاڑا

درخشاں بی، چوٹالہ

مہکتی کلیاں

❦ ...... ہٹ دھرمی پھیکے مشروب کی طرح ہوتی ہے یہ نہ آپ کو کچھ دے گی اور نہ دوسروں کو۔

❦ ...... کچھ کتابیں باتوں سے سجی ہوتی ہیں جبکہ کچھ باتیں کتابوں میں ہی اچھی لگتی ہیں، انہیں سچ ثابت کرنے میں وقت ضائع مت کریں۔

❦ ...... برے وقت کو اپنے وقت پر ہی گزرنا ہے۔ آپ کے چیخنے چلانے کا کوئی فائدہ نہیں اور نہ ہی کوئی فرق پڑے گا۔

❦ ...... غلطی قابل معافی ہوسکتی ہے لیکن اگر اس غلطی پر اکڑا اور اترایا جائے تو اسے معاف نہیں کیا جاسکتا۔

❦ ...... مزا تو تب ہے جب شام ڈھل رہی ہو اور آپ کے اندر سورج طلوع ہو رہا ہو۔

طیبہ شیریں، کوری خدابخش

دوستی

ایک بچے کا دوست سمندر میں ڈوب کر مر گیا۔ وہ روز سمندر کنارے جاتا اور کھڑا ہو جاتا۔ لہریں آتیں اور اس کے پاؤں بھگو کر چلی جاتیں اور وہ روتے روتے سمندر سے کہتا۔

”کتنے بھی پاؤں چھولو! مگر میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا......!!“

الیس عطاریہ، بارہ قطعہ

FOREVER ہو تم
میرا دل، جگر، LIVER` KIDNEY ہو تم
وقت بے وقت جو ہو جائے وہ FEVER ہو تم
ڈوب کر مر جاؤں جس میں وہ RIVER ہو تم
میرے جیون میں اب تو FOREVER ہو تم

مہر گل، کراچی

اچھی بات

تکلیفوں سے مت گھبراؤ کہ تکلیفیں انسان کو سوچنے پر مجبور کرتی ہیں۔ سوچنے سے انسان دانا بنتا ہے اور دانائی انسان کو جینے کے قابل بناتی ہے۔
(جان پیٹرک)

دعا زاہد دعا ہاشمی، فیصل آباد

❦ ......دور جدید...... ❦

◉ ...... مجنوں نے لیلیٰ سے ملنے کے لیے بھکاری کے بھیس میں جانا چھوڑ دیا ہے، کیونکہ اب وہ اپنا موبائل استعمال کرتا ہے۔

◉ ...... رانجھے نے بھینس چرانا چھوڑ دی ہیں کیونکہ اب ہیر نے ملک پیک کا دودھ استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔

◉ ...... پنوں نے سسی کی خاطر تھر میں جانا چھوڑ دیا ہے کیونکہ اب وہ ہوائی جہاز سے سفر کرتی ہے۔

◉ ...... سوہنی نے مہینوال سے ملنے کے لیے گھڑے پر بیٹھ کر جانا چھوڑ دیا ہے، کیونکہ اب اس کے باپ نے موٹر بوٹ خرید کر دے دی ہے۔

◉ ...... فرہاد نے شیریں کی خاطر پہاڑ کاٹنا چھوڑ دیا ہے کیونکہ اب وہ یہ کام بلڈوزر اور بلاسٹنگ کی مدد سے کر لیا کرتا ہے۔

درخشاں بی، چوٹالہ

اچھی باتیں

◉ ...... پسند محبت اور عشق میں بہت فرق ہوتا ہے۔ پسند بدلتی رہتی ہے، موڈ کے حساب سے محبت بہت سی چیزوں سے ہو جاتی ہے مگر عشق صرف ایک ہستی سے ہوسکتا ہے، ہر ایک سے نہیں۔

◉ ...... یادیں انسان کی بہترین دوست ہیں، دنیا کی کوئی طاقت انہیں جدا نہیں کر سکتی۔

◉ ...... کسی کے دل پر زبان سے زخم لگانے سے پہلے سوچ لیں، ہوسکتا ہے ان کا درد ساری عمر دور نہ ہوسکے۔

◉ ...... جو شخص برائی کا نقصان نہیں جانتا، وہ اس کے واقع ہونے سے نہیں بچ سکتا۔

◉ ...... فتنہ انگیز سچائی سے مصلحت آمیز جھوٹ بہتر ہے۔

فرح طاہر قریشی، ملتان

نمکین غزلیں

مصروف رہتے ہیں دن رات اوکاڑہ والے
کرتے ہیں دلوں پہ راج اوکاڑہ والے
بے تابیٔ دل کا اندازہ کسی اور کو ہوتا ہی نہیں
سمجھتے ہیں دلوں کے جذبات اوکاڑہ والے
قاتل ہے عشق یہ جانتے ہوئے بھی
کرتے ہیں اس پہ اعتبار اوکاڑہ والے
دنیا لاکھ مطلب کی سہی پھر بھی
یاروں کے ہیں یار اوکاڑہ والے
بے وفا ہے دنیا تو بے وفا ہی سہی
مدتوں سے ہیں وفادار اوکاڑہ والے

راشدہ شریف چوہدری، اوکاڑہ

ہائے رے سادگی!

جب جوتے بیچنے والے کی تنخواہ، ٹیچر کی تنخواہ سے زیادہ ہو گی تو سمجھ لو کہ اس قوم کو تعلیم کی نہیں جوتوں کی ضرورت ہے۔
(پروف۔ دتا موچی، ایم ایس سی جوتیالوجی)

زینب احسن زینی، فیصل آباد

چاند

بڑا فریب دیتا ہے!
ندی کا پانی......!
اس میں عکس اترتا ہے!
چاند کا......!
اور چاند ہی تو تیرا چہرہ ہے!

صغیرہ وقار...... مقام نامعلوم

دوستی

انسانیت نے ہزاروں برس پہلے
پہاڑوں کی بلندی...... لہروں کا ترنم...... پھولوں کا تبسم...... کلیوں کی معصومیت...... فرشتوں کی پاکیزگی اور...... دنیا کے خلوص کو یکجا کر کے جس مقدس رشتے کو جنم دیا اس کا نام ہے دوستی!

فریحہ شبیر، شاہ نکڈر

اقتباس

اپنی آنکھوں میں وہ خواب کبھی مت سجاؤ جن کے پورا ہونے کی امید نہ ہو اور جو ٹوٹ کر کرچیوں کی طرح تمہارے دل کو لہولہان کر دیں، اگر کبھی ایسے خواب سجا بھی لو تو ان کو فوراً تعبیر کی شکل دے دو کیونکہ تعبیر ملنے کے بعد اتنا دکھ نہیں ہوتا جتنا تعبیر ملنے سے پہلے خوابوں کے ٹوٹ جانے کا......!

میرب، چوٹالہ

عید کا دن

میرے وطن، میرے سجن کے نصیب میں
اے میرے ربّ دو جہاں
عید کے دن میں لکھ دے
خوشی، امن، محبت، اخوت
اور خوش حالی......!!

شگفتہ خان...... بھلوال

aayna@aanchal.com.pk

آئینہ

شہلا عامر

شہناز صدیق...... لاہور۔ سویٹ آپی قیصر آراء! السلام علیکم! بہت عرصے سے خط لکھنے کا سوچ رہی تھی مگر جیسے ہمت ہی ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ کبھی نہیں سوچا تھا کہ کبھی تعزیتی خط بھی لکھنا پڑے گا' قلم لڑکھڑا سا رہا ہے مگر اللہ کے حکم کے آگے ہم کچھ نہیں کرسکتے۔ کرنا چاہیں تو بھی نہیں۔ جہاں بہت سے اختیارات اس نے انسان کے ہاتھ میں دیئے ہیں وہیں کچھ چیزیں اپنے اختیارات میں رکھ چھوڑی ہیں اور جسے ماننے پر انسان بے بس ہے' سوائے صبر وضبط کے اور کچھ نہیں کرسکتا۔ کبھی کبھی سوچتی ہوں کہ آخر زندگی کیا ہے؟ آنسو کا ایک قطرہ' جب تک آنکھ کے اندر رہتا ہے ہماری ملکیت ہوتا ہے مگر پھر جیسے ہی بہہ جاتا ہے تو وہ ہمارا نہیں رہتا۔ "فرحت آپی" آپ سے کیا کہوں کہ وہ ہمارے لیے کیا تھیں۔ وہ واقعی ہماری زندگی کے لیے ایک فرحت بخش' محبت وخلوص اور الفاظ کا ایک ایسا انمول مجموعہ تھیں جو صفحہ قرطاس پر بکھرے، بہت سے دکھوں کو خود میں سمیٹنے کی طاقت رکھتی تھیں۔ کتنی بہنیں ان سے ہر ماہ اپنے دکھ سکھ شیئر کرتی تھیں اور وہ کتنی محبت وخلوص سے ان کے دکھ درد بانٹ لیا کرتی تھیں۔ میں ان سے ملی تو نہیں مگر لفظوں میں بہت بار انہیں محسوس کرچکی ہوں اور جب جب انہیں محسوس کرتی تھی ان پر رشک ہی آتا تھا۔ کیا کمال کا حافظہ تھا ان کا کہ عقل دنگ رہ جائے۔ ایک دفعہ کئی سالوں کی غیر حاضری کے بعد میں نے انہیں خط لکھا تھا دل کو یقین تھا کہ ان کے ذہن سے نکل چکی ہوں گی۔ مگر انہوں نے بتایا کہ وہ مجھے پہچان چکی ہیں تو یقین کیجیے خوشی کی شدت سے میری آنکھیں بھری آئیں۔ تب کہاں سوچا تھا کہ وہ ان آنکھوں میں ہمیشہ کے لیے نمی چھوڑ جائیں گی۔ اگر وہ میرے اتنے سالوں کی غیر حاضری کے بعد مجھے نہیں بھولی تھیں تو پھر کیسے ہوسکتا ہے کہ میں انہیں بھول جاؤں۔ وہ ہمیشہ میری دعاؤں میں شامل رہیں گی۔ دل کی اتھاہ گہرائیوں سے دعا ہے کہ اللہ پاک انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ ترین مقام عطا فرمائے' آمین اور آپ سب کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔

سونی علی...... ریشم گلی' مورو۔ شہلا آپی السلام علیکم! آخر ہماری باری کب آئے گی لائن میں کھڑے کھڑے ہماری ٹانگیں ٹوٹنے کو ہوگئی ہیں' بہت تھک گئے ہیں ہم انتظار کرتے کرتے۔ کب تک آئے گا ہمارا نمبر' کہیں تعارف کی راہ تکتے تکتے ہم اگلے جہاں نہ چلے جائیں ویسے بھی زندگی کا کیا بھروسا کب موت کی آغوش میں چلے جائیں' کب سانسوں کی ڈور ٹوٹ جائے وقت کا کچھ پتا نہیں کب کیسا آجائے کنونیس ہوگئے ہو یا اور ایموشنل ایکٹنگ کی ضرورت ہے؟ ہاہاہا! خیر اگلے جہاں نہ گئے تو اگلے گھر ضرور چلے جائیں گے' آمین۔ پلیز ہمیں بھی جلد از جلد شامل کرنے کی کوشش کریں پھر دیکھنا کیسا چٹ پٹا دھماکا کرتے ہیں' (ہوگیا دھماکا!)۔ آنچل میں چار چاند نہ لگ جائیں ہماری آمد سے تو کہنا" اسی کو کہتے ہیں اپنے منہ میاں مٹھو! ہاہاہا' ویسے ہم نے بہت صبر کرلیا جانتے ہیں کہ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے لیکن صبر کرتے کرتے ہم گلاب سے کانٹے کی شکل میں دکھائی دینے لگے ہیں' اس سے پہلے کہ یہ کانٹا کسی کو چبھے آپ ہماری انٹری کر ہی دیجیے' مہربانی ہوگی۔ (آپ کا خط مزیدار تھا اس لیے شامل اشاعت ہے ورنہ خط میں نہ تو کوئی جواب طلب بات تھی اور نہ ہی تبصرہ! خوش رہو)۔

ثمرہ' سمیرا' آمنہ...... کھرڑیانوالہ۔ السلام علیکم! کیا حال ہیں؟ امید ہے کہ آپ ٹھیک ہوں گی۔ پہلے بھی آپ کی محفل میں شرکت کرچکے ہیں۔ آپ نے پذیرائی بخشی' بہت خوشی ہوئی۔ "آپ کی پسند" میں غزل بھیجی' جو شائع ہوئی تو ہم دیکھ کر خوشی سے پاگل ہوگئے ہم نے اپنی کلاس فیلوز اور اپنی ٹیچرز کو دکھایا۔ ہم VTI کھرڑیانوالہ میں ڈریس میکنگ کا کورس کرتی ہیں۔ ادھر ہماری فرینڈ شپ ہوئی' آنچل ہم تینوں پڑھتے ہیں۔ آنچل کی تمام دوستوں کو ہماری طرف سے بہت ساری دعائیں۔ اللہ ہمیشہ ان کو خوش رکھے' آنچل کے تمام سلسلے زبردست ہیں اور رائٹرز بہت اچھا لکھتی ہیں۔ تمام رائٹرز کو ہماری طرف سے سلام۔ سمیرا شریف کی کہانیاں بہت اچھی ہوتی ہیں۔ خاص طور پر "یہ چاہتیں یہ شدتیں" بہت پسند آئی۔ اس میں تمام کرداروں کے ساتھ انصاف کیا گیا تھا۔ اس ماہ کی اسٹوریز بھی بہت اچھی تھیں۔ سمیرا شریف کی کہانی پڑھ کے بڑا مزا آیا۔ خط کا جواب ضرور دیجیے گا' امید ہے کہ آپ ہماری امید کا پاس رکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے اور آپ ہمارے خطوں کا جواب دیتی رہیں آمین۔

کومل رباب...... لاہور۔ السلام علیکم شہلا آپی! آنچل کے اسٹاف اور تمام قارئین کو میرا محبت بھرا اسلام قبول ہو۔ آنچل اس ماہ کی 24 تاریخ کو مل گیا۔ آنچل پا کر جو خوشی ہوتی ہے وہ لفظوں میں بیان نہیں ہوسکتی۔ ٹائٹل گرل اچھی تھی۔ اس کے بعد "حمد ونعت" سے دل کو منور کیا اور جلدی سے ہمارے آنچل کے زویا خان' مسز شہزاد علیزہ ساحل اور غزالہ زکریا سے ملاقات کی۔ غزالہ زکریا کی پسند ہم سے بہت ملتی ہے' سب سے تفصیلی ملاقات ہوئی۔ اس کے بعد چھلانگ لگا کر سب سے پہلے اقراء جی کے ناول "بھیگی پلکوں پر" پڑھا بہت اچھا جارہا ہے۔ سمیرا شریف طور کا "زرد موسم کے دکھ" بہت اچھا تھا۔ انہوں نے تو رلا دیا۔ رشک حبیبہ کا "وصال لمحے" بہترین ناولٹ تھا۔ فہد اور دھنک کا کردار بہت اچھا تھا۔ باقی سارے سلسلے بھی اچھے تھے۔ اب بس نادیہ جی سے گزارش ہے کہ ازلہ شاہ اور سانول شاہ کو جدا نہیں کرنا کیونکہ مجھے اس کی دادی کے ارادے کچھ ٹھیک نہیں لگتے۔ عشنا جی کا ناول بھی بہت اچھا جارہا ہے۔ بس انابیا اور دامیان کی صلح کروادیں پلیز یہ میرے پسندیدہ کردار ہیں اور معارج تغلق کی تو مجھے بالکل سمجھ نہیں آتی' ایک پل میں رنگ بدلتا ہے۔ سب رائٹرز بہت اچھا لکھتی ہیں۔ میری دعا ہے آنچل دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرے۔ تمام قارئین آنچل اسٹاف اور پڑھنے سننے والوں کو میرا پیار اور محبت بھرا اسلام قبول ہو' خدا حافظ۔

تہمینہ کوثر...... للیانی۔ السلام علیکم شہلا آپی! تمام قارئین کو محبت بھرا اسلام۔ اس دفعہ آنچل 26 تاریخ کو مل گیا۔ ٹائٹل گرل کچھ خاص نہیں لگی۔ "حمد ونعت" سے قلب وجاں کو منور کیا۔ سمیرا شریف طور کا مکمل ناول دیکھ کر بہت خوشی ہوئی مگر اختتام میں کچھ سمجھ نہیں آئی۔ آپ باقی آئندہ لکھنا بھول گئے یا ناول تھا ہی اتنا نامکمل...... (اگلی قسط پڑھ کر معلوم ہوجائے گا)۔ فوزان صدیقی کا کردار بہت اچھا لگا۔ ایمان دار اور دیانت دار لوگ آج کل ناپید ہیں۔ سمیرا جی! آپ ہمیشہ یونہی ہمارے لیے لکھتی رہیں۔ "پتھروں کی پلکوں پر" دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ لگتا ہے امامہ زندہ ہے بھئی ہیروئن جو ہے مگر نازیہ جی نے اختتام پھر سسپنس میں ڈال دیا۔ "اور کچھ خواب" بھی اس دفعہ کچھ آگے بڑھا ہے۔ ناولٹ اور افسانے سب بہت اچھے لگے۔ عقیلہ حق کے افسانے "گل رنگ عید" نے چہرے پر مسکراہٹ بکھیر دی۔ آنچل کے صفحات پر اپنا نام دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ "آئینہ" میں اپنا نام دیکھ کر سب کو آئینہ دکھایا۔ آئینہ دکھانے پر اکثر لوگ برا مان جاتے ہیں مگر یہ ایسا آئینہ ہے۔ جسے دکھانے پر کوئی برا نہیں مانتا ہے' ناحیرت انگیز بات! انا احب کی غزل بہت اچھی لگی۔ "ہم سے پوچھیے" میں تقریباً سب کے سوال اچھے تھے۔ شمائلہ آپی سے سوال پوچھنے کو دل تو کرتا ہے مگر سمجھ نہیں آتی کیا پوچھیں؟ "کام کی باتیں" اور "تندرستی صحت" کو بالکل نہیں پڑھا۔ "آئینہ" میں سب کے تبصرے بہترین تھے۔ اگلے ماہ پھر حاضری دوں گی۔ دعاؤں میں یاد رکھیے گا' فی امان اللہ۔

شمائلہ اکرام...... فیصل آباد۔ سلام ٹو آل آنچل ریڈرز رائٹرز اینڈ شہلا اپیا! کیسے ہو آپ سب؟ امید ہے اچھے ہوں گے۔ آنچل پر تبصرہ کرنے سے پہلے میں فرحت آرا آنی کی برسی کے موقع پر کچھ کہنا چاہوں گی۔ آنی جان کو ہم سے بچھڑے ایک سال بیت گیا ہے لیکن دل ابھی تک اس تلخ حقیقت کو تسلیم کرنے پر آمادہ ہی نہیں ہے۔ کیا معلوم تھا ہمیں کہ

سال 2011ء کا سورج طلوع ہونے سے پہلے ہی ان کی زندگی کا سورج غروب ہو جائے گا۔ میری آنی جان بہت ہی پیاری، ہمدرد، مشفق، مہربان اور بہادر انسان تھیں۔ ان کی یادوں کے اجالے تادم آخر ہمارے ذہنوں کے پردوں پر نقش رہیں گے۔ ان کے چاہنے والے اور جاننے والے کبھی بھی انہیں فراموش نہ کر پائیں گے۔ خدا جنت میں ان کے درجات بلند فرمائے، آمین۔ اس کے بعد نازی اپیا! میں آپ کی مما کی صحت یابی کے لیے تہہ دل سے دعا گو ہوں۔ خدا تعالیٰ آپ کی مما جانی کو جلد از جلد ٹھیک کر دے اور ان کا پُرشفقت سایہ تاحیات آپ کے سر پر قائم رکھے، امین۔ اب آتے ہیں آنچل کے تبصرے کی جانب تو جناب نومبر کا آنچل خلافِ توقع 26 تاریخ کو ملا۔ جسے پا کر دل بلیوں اچھل پڑا خوشی سے، ٹائٹل گرل اتنی ہیوی جیولری، ڈارک میک اپ بھاری بلیک کام دار سوٹ میں کچھ دل کو بھائی نہیں، سوری! ’’حمد و نعت‘‘ سے دل کی دنیا کو معطر و منور کیا پھر ’’سرگوشیاں‘‘ اور ’’درجواب آں‘‘ کی جانب قدم بڑھائے۔ واہ بھئی قیصر آرا آنی! آپ تو بالکل فرحت آنی کے جیسے لکھتی ہیں۔ وہی اسلوب، وہی خوب صورت الفاظ کا چناؤ اور وہی طرزِ تحریر، ویل ڈن! ہمارا آنچل میں علیزہ ساحل اور زویا خان کے انٹرویو نے متاثر کیا۔ غزالہ جی! کیا واقعی ہی آپ لوگ بارہ بہن بھائی ہیں ماشاء اللہ ایک پل کو تو مجھے پاکستانی کرکٹ ٹیم کی ہی یاد آ گئی تھی۔ ویسے آپ کا گھر تو ہر وقت مچھلی گھر بنا رہتا ہوگا، ہے نا! مستقل سلسلے سب کے سب بہت اچھے رہے۔ ’’غزلیں نظمیں‘‘ میں راشد ترین، عائشہ نور اور نجیب راہی ٹاپ تھری تھے۔ ’’بیاضِ دل‘‘ میں شہناز شازے، شیخ محبوب، صفیہ مختار، مدیحہ نورین، ارسہ، فرح طاہر، کامران خان، بشریٰ اور درخشاں کے اشعار بے مثال تھے۔ فرح طاہر، حمیرا علی اور شگفتہ خان ’’آئینہ‘‘ میں بہترین تھیں۔ ’’دوست کا پیغام آئے‘‘ کیا خوب سلسلہ ہے۔ انعم خان اور مقدس رباب کے خطوط لاجواب تھے۔ انعم جی! آپ تو اتنی عظیم رائٹرز اور شاعرہ ہیں بھلا میری اوقات کیا۔ آپ نے مجھے دوستی کی آفر کی لیکن میری مجبوری کہہ لیں کہ میں دوستی کے معاملے میں ہمیشہ محتاط رہتی ہوں۔ میرے لیے یہ ممکن نہیں (سوری)! عائشہ فاروق میں اپنے لیے آپ کی پسندیدگی کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔ ’’آپ کی پسند‘‘ چونکہ ہماری بھی پسند ہے۔ اس لیے اسے ایسے کیسے جانے دیں سو تعریف کیے بنا تو رہ ہی نہیں سکتے۔ ساجدہ، آسرا اور سلمٰی کی غزلیں دل کو لگیں۔ ’’ہم سے پوچھیے‘‘ بھئی اب خود سے کیا پوچھ سکتے ہیں، سوچا جا کہ شمائل آنی سے پوچھتے ہیں کہ اس بار کن کن ریڈرز نے آپ کی محفل میں اپنی آمد سے رونق بخشی ہے تو جناب ہمیں تو صرف رانی اسلام اور عالیہ لودھی نے ہی متاثر کیا ہے۔ شہلا شبیر، زینب احسن، مہر گل اور شگفتہ خان نے ’’یادگار لمحے‘‘ کو سچ میں یادگار بنا دیا۔ شگفتہ یار بہت لکی ہو ہر شعبے میں ’’اِن‘‘ رہتی ہو۔ ایک ہم ہیں کہ کوئی پوچھتا ہی نہیں۔ اب کچھ اور مت سمجھ لینا، اوکے۔ ’’کام کی باتیں‘‘، ’’آپ کی صحت‘‘ بھی کافی فائدہ مند کالمز ہیں۔ افسانوں میں ’’دریچہ دل‘‘، ناولٹ میں ’’دھوپ چھاؤں‘‘ اور مکمل ناول سمیرا اپیا کا انتہائی زبردست تھا۔ سمیرا اپیا آپ نے شروع میں جو خط لکھا وہ تو کمال کا تھا۔ نازی جان! یہ کیا؟ سانول شاہ اور انزلہ کی محبت کا کیا چکر ہے۔ انزلہ کو سانول سے محبت پہلے سے ہی تھی پھر اس کی نفرت کا سبب کیا ہے؟ مجھے اچھا نہیں لگا کہ انزلہ اس سے یونیورسٹی لائف میں محبت کرتی تھی۔ مجھے ایک سو ایک فیصد یقین ہے کہ وہ ڈیڈ باڈی امامہ کی نہیں ہے۔ شاہ زر کا اقدام مجھے بہت اچھا لگا کہ اس نے بریرہ کو طلاق دے دی۔ اب اسے انوشہ سے شادی کرنی چاہیے۔ عشنا جی آپ کے ناول میں کوئی موڑ نہیں، کچھ بھی حیران کن بات نہیں، اسٹوری بہت آہستگی کے ساتھ آگے بڑھ رہی ہے۔ معارج کا پُرشدت اظہار محبت پل میں بدل جاتا ہے۔ اس کے جذبات بہت ہلکے ہیں۔ اسے کمپوز کرنا چاہیے خود کو اگر انائیہ سے محبت نہیں ہے تو...... پتا نہیں وہ کیا ثابت کرنا چاہتا ہے؟ اور ایک لڑکی کی شادی اس کے والدین کی بجائے سسرال والے اپنے گھر کر رہے ہیں۔ مہندی، مایوں اور ولیمہ بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔ ویسے آپ بہتر جانتی ہیں کہ کیا ٹھیک اور کیا غلط ہے۔ ’’بھیگی پلکوں پر‘‘ اقرا آنی! آپ کافی عمدگی سے کہانی کو آگے بڑھا رہی ہیں۔ طغرل کا مذاق بہت اچھا تھا، اب اللہ حافظ۔

جاناں...... چکوال۔ السلام علیکم! سب سے پہلے میرے پیارے آنچل کے معزز ممبران اور پیارے قارئین کو پیار بھرا اسلام پیش کرتی ہوں، امید ہے کہ سب خیریت سے ہوں گے، آج پہلی بار آنچل میں شرکت کر رہی ہوں اس امید کے ساتھ کہ مجھے اس میں جگہ ضرور ملے گی (خوش آمدید)۔ تمام آنچل بہت زبردست ہوتا ہے، میں مکمل پڑھتی ہوں۔ تمام سلسلے وار ناول میرے موسٹ فیورٹ ہیں اور نازی کنول کی تو کیا بات ہے! ان کا ناول ہر بار مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔ ان کی شاعری بھی بہت زبردست ہوتی ہے، اتنا زبردست لکھنے پر میں ان کو سیلوٹ پیش کرتی ہوں۔ نازی جی میری دعا ہے کہ اللہ آپ کی والدہ کو جلد صحت یاب کرے آمین۔ میرا خیال اتنا ہی کافی ہے اس ماہ پلیز آپی یہ میرا پہلا خط ہے ضرور جگہ دیجیے گا، ان شاء اللہ پھر حاضر ہوں گی سب کے لیے دعائیں، اللہ حافظ۔

حمیرا علی...... کراچی۔ السلام علیکم شہلا جی! آنچل اسٹاف اور تمام قارئین کرام! امید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گے۔ جناب! اس بار بھی آنچل کا شدت سے انتظار تھا، آخر پورے ایک ماہ کی جدائی سہنا کوئی آسان بات نہیں ہوتی اور ہمیں ہر ماہ جدائی کا یہ صحرا پار کرنا پڑتا ہے۔ داد دیجیے ہماری ہمت اور حوصلے کو......! سب سے پہلے میں نے قسط وار ناول ہی پڑھے تھے مگر پھر بھی میں پہلے سمیرا حمید کے افسانے ’’ہزار داستان‘‘ کا ذکر کرنا چاہوں گی۔ سمیرا جی! آپ نے پتا نہیں کیا سوچ کر اپنے افسانے کا نام ہزار داستان رکھا ہوگا مگر میں بتاؤں یہ افسانہ پڑھنے کے بعد مجھے لگا کہ یہ کہانی تو تین محبت کرنے والوں کی یعنی فیضان، ہادیہ اور رافیہ کی ہے مگر دراصل یہ داستان ہزاروں لوگوں کے جذبوں کی ترجمان ہے، وہ جذبے جنہیں کبھی محسوس کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی تو کبھی وقت نہیں ہوتا، کبھی محبت ہماری ترجیحات میں بہت ہی نیچے کہیں ہوتی ہے اور کبھی اپنی انا کے ہاتھوں یا بچکانہ خواہشوں کے ہاتھوں ہم گنوا بیٹھتے ہیں یہ متاع...... سمیرا جی میں یہ افسانہ پڑھتی گئی اور میرے دل کا ایک کونا بھیگتا گیا۔ رافیہ کی سسکیاں جیسے میرے کانوں میں گونج رہی تھیں، فیضان کا پچھتاوا میرے دل پر بوجھ بڑھا رہا تھا، یہ کہانی تو لفظ لفظ ذہن و دل پر رقم ہو گئی، ویل ڈن سمیرا جی! جناب اب ذکر ہو جائے نازیہ جی کا ’’پتھروں کی پلکوں پر‘‘ اب ذرا زندگی کے آثار نمودار ہونا شروع ہوئے ہیں نازیہ جی ضروری ہے کیا ملنے سے پہلے بچھڑنا! سانول اور انزلہ اگر ایک دوسرے کا نصیب نہیں تو بھی انہیں بنا دیں۔ عشنا جی بہت جان لیوا اندازِ تحریر ہے آپ کا مگر ناول بہت سست لگ رہا ہے، دامیان نے اگر ہمت کر ہی لی ہے پرپوزل بھیجنے کی تو پلیز اسے سندِ قبولیت بھی دلوا دیں۔ طغرل صاحب کا کچھ کچھ اندازہ تھا، بے چاری پری! خیر اب تو لگتا ہے مزید مشکلات ہی آئیں گی پری کی زندگی میں، ویسے وہ لڑکی جو باہر گئی ہے وہ پری نہیں لگ رہی، اندازے لگانے کا کوئی فائدہ تو نہیں یقیناً ایک ماہ تک پھر ہمیں صبر کرنا پڑے گا۔ سمیرا شریف طور کا مکمل ناول ’’زرد موسم کے دکھ‘‘ ابھی کہانی پوری طرح کھلی نہیں۔ شروعات اچھی ہیں یقیناً آگے جتنی بھی اقساط ہوں گی، وہ بھی اچھی ہی ہوں گی۔ اس کے علاوہ ’’دریچہ دل‘‘ سعدیہ جی! آپ کا افسانہ اچھا تھا، اختتام میں سمیعہ نے جو قدم اٹھایا اور اپنی غلطی تسلیم کی بہت اچھا لگا۔ ’’وصال لمحے‘‘ رشک حبیبہ! آپ نے اختتام میں بے چاری دھنک کو کافی کچھ سنوا دیا، مجھے بہت افسوس ہو رہا تھا لڑکیاں تو بڑے ہی نازک جذبات کی مالک، بے حد حساس ہوتی ہیں اور پھر ظاہری خوب صورتی کوئی معنی نہیں رکھتی۔ آپ کا موضوع بے حد منفرد تھا، برجستہ جملے زبردست تھے اس کے علاوہ باقی سلسلے ابھی سرسری ہی پڑھے ہیں۔ ہاں ’’بیاضِ دل‘‘ میں فرح صاحبہ کا منتخب شدہ شعر میرا ابھی پسندیدہ ہے، بہت دنوں بعد پڑھا اور ہونٹوں کو مسکراہٹ نے چھو لیا۔ آخر میں آپ سب کے لیے ڈھیروں دعائیں محبت کے ساتھ۔ آنچل کی ترقی کے لیے الگ سے ڈھیروں دعائیں، اللہ حافظ۔

پری وش گوندل...... مانگٹ، منڈی بہاؤالدین۔ السلام علیکم! میری طرف سے آنچل اسٹاف اور تمام قارئین کے لیے بہت ساری دعائیں۔ ماشاء اللہ آنچل بہت معیاری رسالہ ہے۔ بہت کچھ سیکھنے کو ملتا ہے، تمام ناول ہی زبردست ہیں لیکن ’’اور کچھ خواب‘‘ تو زبردست ہے۔ عشنا! آپ بہت اچھا لکھ رہی ہیں، اللہ آپ کو اور کامیابیاں عطا کرے، آمین۔ پلیز اسٹوری کو سست روی کا شکار نہ کریں۔ آنچل کے تمام سلسلے ہی زبردست ہیں، تعریف ممکن ہی نہیں۔ مدیرہ

صاحبہ آپ سے کچھ شکوے بھی ہیں۔ پہلا سوال تو یہ ہے کہ کیا آنچل میں نئے لکھنے والوں کو جگہ دی جاتی ہے، دوسرا سوال میں نے ایک اسٹوری لکھی ہے اس کے پانچ حصے بنتے ہیں کیا وہ بھجوادوں ہر ماہ ایک حصہ کر کے۔ دعا ہے کہ آنچل اسی طرح دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرتا رہے۔ نازیہ کنول نازی آپ کی مما کو اللہ تعالیٰ صحت عطا کرے اور لمبی زندگی دے ان کا سایہ ہمیشہ آپ پر سلامت رکھے آمین، اللہ حافظ۔ (آنچل کی تمام نئی و پرانی بہنیں ہمیں دل سے عزیز ہیں۔ اسٹوری کے تمام حصے ایک ساتھ بھجوانے ہوں گے)۔

زاہد سرفراز طور...... تاندلیانوالہ۔ السلام علیکم! آنچل اسٹاف کیسے ہیں آپ؟ امید کرتا ہوں ٹھیک ہوں گے۔ کسی بھی ادارے میں یہ میری پہلی ای میل ہے، امید کرتا ہوں کہ آپ میری ای میل ضرور شائع کریں گی۔ آنچل ڈائجسٹ بہت اچھا اور تو سکی رسالہ ہے۔ میری صرف ایک عرض ہے کہ رسالے میں قسط وار ناول نہ لکھا کریں بلکہ مکمل کہانی دیا کریں آپ کی مہربانی ہوگی لیکن اگر لکھنی ہی ہے تو ایک آدھ لکھا کریں اور باقی مکمل کہانیاں لکھا کریں اور شعر و شاعری والا پیج بڑھادیں تو بہت اچھا لگے گا۔ سمیرا شریف طور اچھی رائٹر ہیں، ان کا تعارف لکھ دیں تو مہربانی ہوگی اگر پہلے شائع ہو چکا ہے تو دوبارہ شائع کر دیں آخر میں آنچل کے تمام اسٹاف کو میرا سلام۔

شمع مسکان...... جام پور۔ سویٹ شہلا آپی اینڈ کیوٹ قارئین! السلام علیکم! کیسے ہیں آپ سب؟ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سب کو ہمیشہ خوش رکھے آمین۔ سب سے پہلے بات کروں گی نازیہ آپی کی والدہ کے بارے میں آپ کی والدہ کی علالت کے بارے میں جان کر بہت افسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جلد صحت یاب فرمائے اور ان کی عمر دراز کرے آمین۔ نازیہ آپی ماں واقعی عظیم ہستی ہے۔ اب بات کروں گی اس ماہ کے شمارے کی تو 26 تاریخ کو آنچل پا کر بہت خوشی ہوئی اور جونہی نظر نازیہ آپی کے ناول "پتھروں کی پلکوں پر" گئی تو خوشی کی زیادتی سے خود کو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ بغیر کرایہ کے ہوائی سواری پر سیدھے پہلے نازیہ آپی کے ناول پر پہنچے ابھی شروع میں تو امامہ کی وفات کا پڑھ کر آنکھوں میں نمی اتر آئی اور بہت دکھ ہوا۔ سارا ناول خون جلاتے پڑھا مگر آخر میں ایک بار پھر رکتی ہوئی سانسیں بحال ہوئیں یعنی امامہ زندہ ہے مگر بے چاری بُریرہ کے ساتھ بہت بُرا ہوا افسوس! پھر اسی سواری پہ واپس "سرگوشیاں" پہنچے اور قیصر آنٹی کے توسط سے وہی ملکی بدنظمی کی بابت جان کر بہت دکھ ہوا۔ آنٹی جی صرف ریلوے والوں کا یہ حال نہیں ہے بلکہ پورے ملک میں ہر کوئی اپنی من مانی میں مصروف ہے۔ اس کے بعد "حمد و نعت" سے مستفید ہوئے۔ مشتاق انکل کے توسط سے قرآن کی روشنی میں "شیطان کی حقیقت" سے مزید آگاہی ہوئی۔ "ہمارا آنچل" میں زویا خان، مسز شہزاد، علیزہ ساحل اور غزالہ زکریا سے ملاقات بہت اچھی رہی۔ علیزہ جی یہ جان کر کہ آپ ڈاکٹر بننے جا رہی ہیں بہت خوشی ہوئی۔ "آنچل کے ہمراہ" میں آنچل فرینڈز کے جوابات بہت مزے کے تھے۔ بھائی یہ غصہ آنچل سے محبت سے ہے بہت اچھا تھا۔ سمیرا جی کے ناول "زرد موسم کے دکھ" کی یقیناً دوسری قسط ضرور ہوگی تب تبصرہ کروں گی۔ اگر یہی مکمل ناول ہوا تو بالکل ادھورا تھا، مزہ نہیں آیا۔ اس کے بعد اپنا فیورٹ ناول "بھیگی پلکوں پر" پڑھا۔ بہت اچھی قسط تھی۔ بھئی پری کو رات کی تاریکی میں نکلنے کی کیا ضرورت تھی، وہ دن کے اجالے میں بھی تو نانی سے ملنے کے بہانے جا سکتی تھی۔ "اور کچھ خواب" بھی زبردست رہا۔ یقیناً انابیتا کے رشتے والے دامیان کے والدین ہوں گے۔ افسانے تینوں ہی اچھے تھے۔ ناولٹ بھی ویسے تو دونوں ہی اچھے تھے مگر "دھوپ چھاؤں" نے بہت متاثر کیا۔ پلیز رائٹرز آپ سب سے گزارش ہے کہ اتنے کم اوراق کے ناولٹ نہ لکھا کریں، کچھ پڑھنے کو تو ہو۔ "دوست کا پیغام آئے" میں شبانہ امین راجپوت کے والد صاحب کی وفات کے بارے میں پڑھ کر بہت دکھ ہوا آپ نے دعا کی درخواست کی میں آپ کے والد صاحب کے لیے دعا گو ہوں، اللہ تعالیٰ انہیں قبر کے عذاب اور دوزخ کی آگ سے بچائے اور جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین۔ پلیز ڈئیر حوصلہ رکھیں، واقعی میں جان سکتی ہوں کہ والد کے پُرشفقت سائے سے محروم ہو جانا کتنا اذیت ناک ہوتا ہے، اچھا اب اجازت چاہتی ہوں، اللہ حافظ۔

صباحت مرزا...... گجرات۔ السلام علیکم! آنچل اسٹاف اور قارئین کو بہت بہت سلام۔ امید کرتی ہوں کہ سب خیریت سے ہوں گے۔ میں گزشتہ دو سال سے آنچل پڑھ رہی ہوں۔ بہت دفعہ خط لکھنے کی کوشش کی لیکن ہمت نہیں ہوئی۔ میں پہلی دفعہ کسی رسالے میں خط لکھ رہی ہوں آنچل کے تمام سلسلے ہی بہت زبردست ہیں۔ آنچل کی تمام رائٹرز ہی بہت خوب صورت لکھتی ہیں۔ میری تمام رائٹرز سے جو کہ سلسلے وار ناول لکھتی ہیں سے گزارش ہے کہ پلیز ذرا زیادہ لکھا کریں۔ ابھی شروع ہی کرتے ہیں کہ فوراً ختم ہو جاتا ہے۔ باقی آئندہ ماہ دیکھ کر دل بہت اداس ہو جاتا ہے کہ اب ایک ماہ انتظار کرنا پڑے گا۔ نومبر کا آنچل ملا۔ سمیرا شریف کا نام دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ میرے خیال میں اس ناول کی مزید اقساط ہونی چاہئیں۔ ویسے ناول بہت مزے کا تھا۔ سلسلہ وار ناول بھی سب اچھے جا رہے ہیں۔ تمام رائٹرز اچھا لکھتی ہیں میرا دل چاہتا ہے کہ میں بھی رائٹر بن جاؤں۔ مصروفیت کی وجہ سے ابھی سارا آنچل پڑھا نہیں ہے۔ باقی سب بھی یقیناً اچھا ہوگا۔ اب اجازت، خدا حافظ۔

فوزیہ سعید سردار...... ملتان۔ السلام علیکم! آئینہ میں پہلی بار شرکت کر رہی ہوں، آنچل کا یہ جز مجھے بے حد پسند ہے، جس میں تمام بہنیں ہی اپنی رائے کا اظہار کرتی ہیں آنچل کی پسندیدگی ان ڈھیروں خطوط سے ظاہر ہوتی ہے۔ نومبر کے آنچل "سرگوشیاں" میں محترمہ قیصر آرا، کچھ خفگی لیے ہوئی تھیں۔ "حمد و نعت" در جواب آں، شیطان کی حقیقت قرآن کی روشنی میں "آنچل کے ہمراہ" تمام سلسلے بہت اچھے تھے ہمیشہ کی طرح۔ "ہمارا آنچل" میں زویا خان کچھ معصوم، مسز شہزاد زندہ دل خوش مزاج جب کہ علیزہ ہنس مکھ اور غزالہ زکریا کچھ ذہین سی محسوس ہوئیں۔ تعارف آپ سب کے بہت اچھے تھے۔ اب بات ہو جائے اپنی پسندیدہ تحریروں کی۔ سمیرا صاحبہ آپ کا ناول نامکمل سا لگا یقیناً اس کا اگلا حصہ بھی شائع ہوگا۔ "گل رنگ عید" عقیلہ حق "وصال لمحے" رشک حبیبہ کی تحاریر بہت مزاحیہ تھیں۔ "دھوپ چھاؤں" تحسین انجم انصاری آپ کی تحریر بے حد پسند آئی۔ سعدیہ غزل آپ کا افسانہ پڑھ کر محسوس ہوا کہ آپ نے غالباً ہماری ایک دوست کا حل لکھ دیا، بہت اچھا لکھا۔ سمیرا حمید کا افسانہ "ہزار داستان" اچھا لکھا آپ نے بھی۔ سلسلے وار ناول "اور کچھ خواب" پلیز عشنا جی! پارسا کا رشتہ عدن کے ساتھ ہونا چاہیے یلماز کمال کے لیے کوئی اور تلاش کیجیے۔ نازیہ جی آپ بھی اب امامہ کو شجاع سے ملوا دیں زیادہ دیر ہم برداشت نہیں کریں گے۔ باقی سب کپل بھی آپ دونوں کی تحریروں کے بہت اچھے ہیں۔ اقراء جی! آپ کا ناول "بھیگی پلکوں پر" بہت زبردست جا رہا ہے اور آخر میں جو مزید سلسلے ہیں ان سب کی کیا بات ہے، ایک سے بڑھ کر ایک ہیں سب۔ "آپ کی شخصیت" میں اے ایس صدیقی صاحب آپ نے کیا خوب کہا پر ہمارے ہمسائے آج کل خفا ہیں کیا کریں؟ "روحانی مسائل کا حل، آپ کی صحت" فائدے مند سلسلہ ہے۔ ارے "ڈش مقابلہ" تو مقابلے کی چوٹ پر تھا۔ "بیوٹی گائیڈ، غزلیں نظمیں، بیاض دل، یادگار لمحے" سے ہم بہت کچھ چرا لیتے ہیں۔ او کے جی! اب ہمیں اجازت دیجیے، ہاں یاد آیا مہندی کے ڈیزائن چھوٹی بہن کی عید ہو گئی شوق سے لگاتی ہے نا مہندی۔ جی ہاں! اللہ حافظ۔

رانی اسلام...... گوجرانوالہ۔ شہلا عامر جی السلام علیکم! آپ کو اور آنچل کے تمام قارئین کو میری طرف سے بہت بہت پیار۔ اس مرتبہ آنچل بہت دیر سے ملا، ٹائٹل گرل اچھی لگی، آنچل میں موجود تمام سلسلے بہت پسند آئے۔ تمام رائٹرز نے بہت ہی اچھا لکھا، اس کے علاوہ سلسلہ وار ناول بہت ہی اچھے لگے۔ "یادگار لمحے" کا ایک ایک لفظ دل پسند لگا اور تمام سلسلوں پر سبقت لے گیا۔ "بیاض دل" میں موجود تمام اشعار ہی بہت اچھے لگے۔ اس مرتبہ "ڈش مقابلہ" تو سبقت لے گیا۔ میں نے مٹن تکہ ٹرائی کیا، بہت مزا آیا، خدا حافظ۔

صنم ناز...... گوجرانوالہ۔ السلام علیکم! تمام لکھنے اور پڑھنے والوں کو دل سے سلام۔ اس بار آنچل تاخیر سے ملا

لیکن آخر کار مل ہی گیا۔ ٹائٹل گرل کچھ خاص پسند نہ آئی۔ ”حمد ونعت“ سے استفادہ کر رہے تھے کہ زویا خان اور مسز شہزاد نے روک لیا تو علیزہ ساحر اور غزالہ زکریا نے کہا ارے جناب ہم بھی ہیں۔ سب کا تعارف بہت اچھا تھا۔ سمیرا شریف طور کا تو نام دیکھ کے ہی دل خوش ہو گیا۔ کہانی بہت اچھی جا رہی ہے۔ تفصیلی تبصرہ قسط کے اختتام پہ کروں گی۔ سلسلہ وار ناول اچھے جا رہے ہیں۔ افسانے اور ناول بھی پسند آئے۔ ”بیاض دل“ میں غزل ملک، بشریٰ باجوہ، طیبہ نذیر، ارسہ عرفان، ظل ہما، خواجہ عرفانہ کا انتخاب پسند آیا۔ ”یادگار لمحے“ کو ثناء سیال، بشریٰ ملک، صدف سلیمان، زینب احسن، تہمینہ کوثر نے یادگار بنایا۔ آسر اگل کی پسند لاجواب تھی بقایا سب لکھنے والوں نے بھی ”آنچل چاند“ کو ستاروں سے بھر دیا۔ میری پریوں کو یعنی سمیرا شریف طور، سدرہ اسلم، ندا ظفر، امید چوہدری، سومیا، شمبیل کو سالگرہ مبارک ہو۔ اوکے اب اپنی پیاری سی دوست کو اجازت دیں، خدا حافظ۔

طیبہ سعدیہ، سعدی...... سیالکوٹ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاۃ والمغفرت! کیسی ہیں شہلا آپی اینڈ دیگر اسٹاف! امید کرتی ہوں آپ سب کے سب اچھے ہوں گے یعنی ٹھیک ہوں گے۔ آنچل میں ان شاء اللہ عزوجل باقاعدگی سے شرکت کرتی ہی رہوں گی اور بہت جلد افسانہ بھی بھجوا دوں گی، ان شاء اللہ عزوجل! نازیہ کنول نازی جی! آپ کی والدہ محترمہ کیسی ہیں؟ اللہ عزوجل انہیں صحت کاملہ عطا فرمائے، آمین ثم آمین۔ اب آتی ہوں میں آنچل کی طرف! آنچل کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ آنچل تنہائی میں ایک بہت اچھا ساتھی ہے۔ سب سے پہلے اپنا خط پڑھا، شاعری ڈھونڈی لیکن آپ نے شائع ہی نہیں کی، کیوں جی؟ آپ سب کو دیگر اسٹاف اور ڈیئر قارئین کو بہت بہت عید البقر مبارک ہو، خوشیوں اور دعاؤں بھری۔ اقراء جی! آپ نے تو بہت کمال کر دیا۔ میں تو پچھلی دفعہ پریشان ہی ہو گئی کہ طغرل کے منہ سے جھاگ کیسے......؟ اس کے بعد عشنا کوثر کو پڑھا۔ وہ بھی زبردست تھا۔ پھر نازی جی کو پڑھا انہوں نے تو کمال ہی کر دیا، ہاں! بہت اچھا نازیہ جی! ”دریچہ دل، دھوپ چھاؤں......“ وغیرہ۔ سبھی تحریریں بہت اچھی تھیں۔ مجھے آنچل کی یہ بات بہت اچھی لگتی ہے کہ اس میں معیاری کہانیاں ہوتی ہیں۔ سمیرا شریف طور کا ناول کچھ خاص پسند نہیں آیا۔ بس سو سو ہی تھا۔ چلو خیر باقی سب سلسلے بھی زبردست تھے۔ اب اجازت دیں، اگلے ماہ تک کے لیے۔ اللہ عزوجل آنچل اور اس سے وابستہ لوگوں کو ڈھیر ساری کامیابی و کامرانی عطا فرمائے، آمین ثم آمین، خدا حافظ۔

صائمہ شاہ...... سرگودھا۔ تمام آنچل اسٹاف کو محبت بھرا اسلام۔ اس محفل میں پہلی بار شرکت کر رہی ہوں، مایوس مت کیجیے گا۔ نومبر کا شمارہ 27 تاریخ کو ملا۔ سرورق مجھے خاص پسند نہیں آیا، جہاں تک کہانیوں کی بات ہے تو وہ ساری ہی زبردست ہوتی ہیں لیکن مجھے سب سے زیادہ ”اور کچھ خواب“ پسند ہے۔ مجھے لگ رہا ہے کہ انابیتا کو دیکھنے ضرور دامیان کی مما ہی آئی ہیں اب میرا اندازہ کس حد تک درست ہے یہ تو اگلے مہینے ہی پتا چلے گا۔ باقی کا سارا آنچل بھی زبردست تھا۔ اب اجازت دیں، اللہ حافظ۔

تاخیر سے موصول ہونے والے خط:۔

رابعہ نائلہ، لاہور۔ شہنیلہ سلیم، کراچی۔ نجمہ عظمیٰ عذرا البشریٰ، ڈی جی خان۔ نادیہ یامین قریشی۔ عابدہ نسیم، چیچہ وطنی۔ حرا فاطمہ، چیچہ وطنی۔ صبا الیاس، چوکنا نوالی۔ انجم انجم، کراچی۔ گلناز مان گل، مان۔ طیبہ نذیر شادیوال، گجرات۔ سیدہ کنزیٰ زین، منڈی بہاؤالدین۔ انعم خان، ہری پور ہزارہ۔ سیدہ فرحت کاظمی، قصبہ نکانی۔ طیبہ طاہرہ، گاؤں صبور۔ دعا ہاشمی، فیصل آباد۔ جاناں، چکوال۔ صوفیہ صدیق، چیچہ وطنی۔ اقراء افضل، دیپال پور۔ پروین افضل شاہین، بہاول نگر۔ نائلہ اشفاق، کوٹ غلام محمد۔ ڈریم گرل، فیصل آباد۔ ثمینہ ناز دیشانی، فتح جنگ۔ فریحہ شبیر، شاہ نکڈر۔ زنیرہ طاہ، [illegible]ل نگر۔ صدف سلیمان، شورکوٹ۔

دوست کا پیغام آئے

ہما احمد

dkp@aanchal.com.pk

بہت پیاری قارئین اور مصنفین کے نام

ڈیئر قارئین اور مصنفین! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبراکاتہ! امید ہے آپ سب اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے خیر وعافیت کے ساتھ ہوں گی۔ میرے ناولٹ ”گہر ہونے تک“ کو پسند کرنے پر آپ تمام بہنوں کا بے حد شکریہ۔ خاص طور پر علیزا حیدر، رابعہ اکرم، انعم خان، نبیلہ خان مون، ماریہ، اقراء، شمائلہ یاسمین، ثمرین، ثناء وقار اور فریحہ شبیر کا جن کے خوب صورت الفاظ نے میرا سیروں خون بڑھایا۔ مجھے ایک مرتبہ پھر اللہ کی خصوصی رحمت اور محبت کا شدت سے احساس دلایا۔

میری پہلی کتاب ”دیار عشق“ کی اشاعت پر جب کئی نامور رائٹرز نے انتہائی فراخ دلی کے ساتھ میری تحریر کی تعریف کی تو میں حیرانی سے سوچتی تھی کہ میری تحریر میں تو کوئی ایسی خاص بات نہیں ہے کہ اس کی اس قدر تعریف کی جائے اور میں آج بھی حیرانی سے یہی سوچ رہی ہوں کہ میری تحریر اتنی تعریفوں کی اہل کب تھی؟ جس قدر تعریف و توصیف سے آپ لوگوں نے نوازا ہے۔ ڈیئر رابعہ اکرام اور انعم خان آپ کی دعاؤں نے تو ممنون کر دیا ہے۔ بلکہ مقروض جی ہاں۔ میرے خیال میں دعا سب سے انمول چیز ہے جو ایک انسان دوسرے کو دیتا ہے۔ آئندہ بھی دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ سب کو دنیا وآخرت کی لاتعداد کامیابیوں سے نوازیں۔ جو چیز ہم دوسروں کو دیتے ہیں وہ اس سے کہیں زیادہ ہمیں اللہ کے خزانوں سے ملتی ہے اس لیے دوسروں کو خوشیاں اور آسانیاں دیں تاکہ آپ کو بھی یہ چیزیں فراوانی سے ملیں۔ ڈیئر سمیرا شریف طور آپ کو میرے خط اور کتابوں نے خوشی دی، میرا مقصد پورا ہو گیا۔ آپ یقین کریں گی میں آپ کے لیے بہت فکر مند رہی اور دعا گو بھی کیونکہ میرے لیٹر کے جواب میں کوئی کال یا ایس ایم ایس بھی موصول نہیں ہوا اور ڈائجسٹ سے بھی غائب تھیں آپ۔ اللہ کا شکر ہے کہ آپ ٹھیک ہیں معذرت کے ساتھ ایک بات کہنا چاہوں گی کہ قارئین کی ڈھیروں محبتوں اور دعاؤں کے جواب میں آپ کے خط کا یہ جملہ ”مجھے نہیں پتا کہ اپریل میں لکھے خط میں ایسا کون سا بم بلاسٹ ہوا تھا کہ قارئین کا ردعمل اس قدر شدید حیران کن تھا۔“ اور پھر خط کا مجموعی تاثر عجیب سا لگا۔ قارئین کو تو جانے محسوس ہوا یا نہیں لیکن سچ میں مجھے تو ایک لمحے کے لیے یوں محسوس ہوا جیسے ہم سب بے وقوف تھے جو آپ کے لیے فکر مند تھے۔ ورنہ بقول آپ کے آپ کے خط میں تو ایسی کوئی بات ہی نہیں تھی۔ شاید ایسا ہی ہو۔ غلطی اس لیے لگی ہو کہ بہت سارے لوگوں کے لیے نیکیاں لکھی تھیں۔ ہمیشہ خوش رہیں اور خوشیاں پھیلائیں۔ نازیہ کنول نازی! آپ کی والدہ کی صحت کاملہ کے لیے دل کی گہرائیوں سے دعا گو ہوں اور امید کرتی ہوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے فضل وکرم سے اب وہ صحت یاب ہو گئی ہوں گی۔

عائشہ خان...... لاہور

آنچل فرینڈز کے نام

السلام علیکم دوستوں! دعا ہے کہ آپ سب خیر وعافیت سے ہوں، آمین۔ پیاری نادیہ فاطمہ رضوی! ہم آپ کو بھولے نہیں ہیں۔ دعاؤں میں ہمیشہ یاد رکھتے ہیں۔ بس کاغذ قلم سے ناطہ آج کل تقریباً ختم سا ہو کر رہ گیا ہے۔ آپ بھی دعاؤں میں ہمیں یاد رکھا کیجیے اور ہاں ہمارے تمام ”آنچل“ فرینڈز اور قارئین کو ہم بتاتے چلیں کہ نئی زندگی کے لیے ہمیں آپ سب کی ڈھیروں دعاؤں کی ضرورت ہے پلیز ہمیں اچھی صحت اور اچھے مستقبل کی دعا ضرور دیجیے گا جزاک اللہ۔

دوسری خبر یہ ہے کہ ہماری پانچویں کتاب ناول کی ”چلو چاہت نبھائیں ہم“ اگست میں مارکیٹ میں آ گئی ہے خریدیں، پڑھیں اور اپنی آراء سے نوازیں مزید دو کتابیں بھی ان شاء اللہ جلد مارکیٹ میں دستیاب ہوں گی۔

ڈیئر سویٹ رومان ملک، دھڑکن بلوچ، مسز نازیہ عابد، ظلم

ہما، بشریٰ نوید، فصیحہ آصف خان، انعم خان، کنول خان، فریدہ جاوید فری، صوفیہ ملک، نوشین اقبال نوشی، سمعیہ، مریم، ماریہ، اقراء، شمائلہ، یاسمین، ثمرین، عروسہ شہواز، نبیلہ خان موون، رابعہ اکرم، آپ سب کی پسندیدگی دعاؤں اور محبتوں کا بے حد شکریہ۔ اللہ آپ سب کو صحت، عزت و مسرت کے ساتھ سلامت رکھے آمین۔ دعاؤں کی طالب آپ کی اپنی۔

سباس گل......رحیم یار خان

بہت ہی پیاری ٹیچر ہما کے نام!

السلام علیکم! ہماری پیاری اور اچھی ٹیچر ہما جی! ہم دونوں آپ سے بہت پیار کرتی ہیں، خدا آپ کو بہت زیادہ خوشیاں دے آپ یونہی ہنستی مسکراتی رہیں۔ ہم واقعی لفظوں میں بیان کرنے سے قاصر ہیں کہ آپ کتنی اچھی ہیں۔ اتنی اچھی ہستی آپ کے علاوہ کالج میں اور کوئی نہیں۔ میڈم جب آپ ہمیں کلاس میں انگلش کا لیکچر دیتی تھیں تو ہم دونوں کا دھیان آپ کے لیکچر کی طرف نہیں بلکہ آپ کی آواز اور پیارے چہرے کی طرف ہوتا تھا۔ آپ کی شخصیت اور مسکراہٹ بہت اچھی ہے۔ ہم خدا سے اس بات کی طلب گار ہیں کہ ہمیشہ کے لیے وہ آپ کی زندگی میں خوشی کا ہر پل ہر لمحہ لکھ دے اور آپ کی آنکھوں میں دکھ سے آنے والا ہر آنسو ہماری قسمت میں لکھ دے تو یقین جانیے گا ہم اسے اپنی خوش قسمتی سمجھیں گی۔ آپ کی ذات سے جو لوگ منسلک ہیں آپ جن کی بیٹی، بہن، ماں، بیوی، دوست اور استاد ہیں وہ بہت ہی خوش قسمت ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر لمحہ آپ کو اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ آپ کی ہر دعا لبوں پر آنے سے پہلے ہی قبول ہو (آمین) دعا گو......!

تعظیم ثناء......سرگودھا

میری نٹ کھٹ اور شرارتی ہم جولیوں کے نام!

السلام علیکم! کیسی ہو تم لوگ؟ ساجی جی منہ تو بند کریں جناب یہ آپ ہی ہیں تمہیں بہت شکوہ رہتا ہے کہ میں تمہیں اپنا نہیں سمجھتی اب......! اور پیاری سی طلعت...... یار تم بہت یاد آتی ہو تمہاری ادائیں دیکھنے کو دل بڑا بے چین ہے، اور سمیرا جی پیپرز کی تیاری میں بالکل ہی بھول گئیں تم تینوں چڑیلیں مجھے بہت یاد آتی ہو...... تم پتہ نہیں اپنے استاد کو یاد کرتی ہو یا نہیں......! اور شہناز، فخر، انیز اور بینا جی آپ کو بھی بہت یاد کرتی ہوں میں، کب چھٹیاں ختم ہوں گی اور کب ہم پھر سے ایک ہوں گے اور شگفتہ زینب تم بہت بے وفا ہو مطلوب کو ایسی مطلوب ہوئیں کہ ہمیں مطلوب ہونے سے رہ گئیں اور اچھی پری میں تمہیں کبھی بھی بھول نہیں پاؤں گی تمہارے لیے صرف اتنا کہوں گی

تیرے بنا جینے کی اذیت
میری جاں!
میری سانسوں پر بھاری بہت ہے

اور ساجدہ کبھی آؤ ناں ہمارے گھر، مل کر طلعت کے گھر جائیں گے مزہ کریں گے۔ تم سب لوگ اپنا بہت خیال رکھنا، اور یقین کر لینا کہ میں تمہیں اپنا سمجھتی ہوں۔ دعاؤں میں یاد رکھنا۔ اللہ حافظ!

تم سب کی باجی
شگفتہ خان......بھلوال

فاطمہ گل خان مہوش کنول مشی کے نام!

السلام علیکم! ڈیئر دوستو! کیا حال چال ہے تم لوگوں کا یقیناً زبردست میری طرح فٹ فاٹ اور فریش فاطمہ حیران مت ہونا اپنا نام دیکھ کر اور نہ ہی اسے خواب سمجھنا کہ بار بار پلک جھپک جھپک کر دیکھو اور نہ ہی کسی کی یا اپنی انگلی کاٹ کر خود کو یقین دلانا۔ فاطمہ یار، تمہارے ساتھ چیٹنگ کر کے بہت مزہ آتا تھا مگر اب میرا موبائل آؤٹ آف آرڈر ہو گیا ہے اچھا چلو تمہاری خواہش پوری ہو گئی پیغام چھوٹا ہے مگر یاد رکھیے گا۔ فی امان اللہ!

سمیرا کاجل صدیقی، جھنڈانوالہ بھکر

دوستوں کے نام!

السلام علیکم! فرینڈز کیسی ہیں آپ سب! سب سے پہلے تو میری پیاری سی اچھی سی فقیہ کو پیار بھرا اسلام۔ حیران مت ہو میں ہی ہوں۔ ثنا یار کہاں غائب ہو آج کل۔ رابطہ نہیں کیا تم نے اتنے دنوں سے کوئی پریشانی ہے کیا؟ اللہ جی تمہیں ہمیشہ خوش رکھیں۔ آمین۔ نیلوفر میڈم کیا حال چال ہیں۔ اب تو مصروف ہو گئی ہو ہمارے لیے تو ٹائم نہیں۔ اللہ جی تمہیں بھی بہت خوش رکھیں۔ پریشان نہ ہوا کرو۔ اب آتی ہوں آنچل فرینڈز کی طرف تو سب سے پہلے انا احب، زوبی رانا اور حور ارم کو پیار بھرا اسلام۔ آپ سب بھی بہت پیاری ہیں امید ہے آپ لوگ دوستوں کی لسٹ میں مجھے بھی شامل کریں گی۔ میری پیاری سی آنٹی نرجس کو سلام آنٹی جی آپ بہت اچھی ہیں میں نے سوچا آنچل کے ذریعے آپ کو یاد کروں چلیں جی اب اجازت...... فرینڈز اپنا بہت سارا خیال رکھنا۔ خدا حافظ۔

کول......کوٹ سارنگ

کچھ خاص دوستوں کے نام......!

سلام الفت! کیسی ہو ڈیئر فرینڈز؟ کافی عرصہ ہوا آنچل میں حاضری دیے ہوئے تو بہت دل چاہا ایک بار پھر حاضری دی جائے تو وفا کے لیے پھر آ گئے۔ میں سب دوستوں کی شکر گزار ہوں جو میرے افسانے چھپنے اور شاعری کی بک کی خبر پا کر بہت خوش ہوئیں بس میں نے وہ سب وفا کے لیے لکھا۔ اے پارٹنر (وفا) کیسی ہو جانی؟ فرح تجھ سے بہت پیار کرتی ہے پاری بلی اپنا خیال رکھا کر کبھی اور وہ ایڈوانس آج کے لیے تھا گندی۔ عطروبہ لگی رہو پیپرز میں جلدی سے فارغ ہو کر دوبارہ آ جاؤ۔ حجاب تم تو چھپی رستم نکلی ایک دم پیاری ہو تم اور وفا جان ایک دم بہت بھولی حسین سی بلی اب اعلیٰ کی باری ہے عائشہ تم بھی بہت پیاری ہو اور امرینہ کی بچی تم بہت گندی ہو لڑنے لگی ہو بہت، اپنا خیال رکھا کرو گھر میں سب کو سلام...... باقی تمام فرینڈز غزل، ارم، سائزہ، سدرہ، نوشین اقبال، فصیحہ آپی، عابدہ، میری پاری سی لولی فرینڈ بلی، رباب، زوبی، عکس، صدیقہ، طیبہ طاہرہ، رانی، نادیہ، زنیرہ، امبر گل، چندہ، فلک، ہادیہ، کرن، مہرو، ناز آفری، ثانیہ سجاد، نور، سعدیہ امل، سحر، شانزے، سمیرا شریف امید ظلِ ہما، سب کو میری طرف سے ڈھیروں ڈھیر دعائیں۔

فرح طاہر قریشی، ملتان

النورا کیڈمی کی ہونہار طالبہ سحرش فاطمہ کے نام!

السلام علیکم! امید ہے تم بالکل خیریت سے ہو گی، میں نے سوچا کہ آنچل کے ذریعے تمہیں تمہاری شاندار کامیابی پر وش کروں۔ ڈیئر سحرش! تمہیں جماعت نہم میں شاندار کامیابی پر مبارکباد۔ تم نے 442 نمبر حاصل کر کے نا صرف اپنے والدین کا بلکہ اپنے اساتذہ اور النورا کیڈمی کا نام روشن کیا۔ مجھے تم پر فخر ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسی لاکھوں کامیابیوں سے تمہیں نوازے۔ (آمین ثمہ آمین)

سیدہ فرحت کاظمی، قصبہ ننکانی

انمول دوستوں کے نام!

السلام علیکم! کیا حال ہیں چندا مثال (لیزی گرل) آنچل میں حاضری دو۔ طاہرہ ملک آپ کی مسکولی مسکولی باتیں بہت یاد آتی ہیں جان آئی مس یو۔ سلمٰی ملک جانو، رضوانہ ڈیئر، سویٹ سسٹر سعدیہ ملک، حور ملک (مبارکاں)۔ کرن وفا جانی دوستی نبھانا تو کوئی آپ سے سیکھے۔ جان اتنی نائس کیوں ہو؟ سوئیٹی فرح طاہر، پرنس عطروبہ سکندر، جگنو (رابعہ اکرم) مائی انوسنٹ فرینڈ (سائرہ مشتاق) نائس گرل (مہوش ملک) غزل ڈیئر اینڈ سدرہ اسلم پنڈل آف تھینکس فار ایکسیپٹ مائی فرینڈ شپ نوشی آپ سے بات کر کے بہت اچھا لگا۔ میں شکر گزار ہوں آنچل کی جس کے ذریعے مجھے اتنی نائس فرینڈز ملیں۔ تھینک یو سو مچ آنچل۔ لو وفا جی، سدرہ، ظلِ ہما اینڈ جگنو میں نے آپ کی فرمائش پوری کر دی۔ آنچل میں حاضر ہو کر آپ سب آنچل میں حاضری دیتی رہا کریں۔ آپ کے بغیر آنچل بہت سونا سونا لگتا ہے۔ نومی اینڈ چاند بھیا میسنگ یو! اللہ تعالیٰ آپ سب کو خوش رکھے اپنا خوب خیال رکھیے گا۔ دعاؤں کی طلبگار۔

عائشہ ملک عاشو وھاڑی

پیاری نازیہ کنول نازی کے نام!

السلام علیکم! نازی جی کیا حال ہے آپ کا۔ امید ہے کہ خیریت سے ہوں گی۔ نازی جی میں نے بہت سی کہانیاں، ناولز، افسانے پڑھے ہیں، لکھنے پڑھنے سے رشتہ بچپن سے ہے۔ آنچل رسالہ ہر مہینہ میری چھوٹی بہن نازیہ خریدتی ہے اور سنبھال کر رکھتی ہے۔ یہاں تک کہ ٹائٹل پر کور بھی چڑھا دیتی ہے۔ تاکہ پھٹ نہ جائے، لکھنے پڑھنے سے اتنا پرانا رشتہ ہونے کے باوجود میں نے آج تک کبھی خط نہیں لکھا۔

مگر جس چیز نے مجھے خط لکھنے پر مجبور کیا ہے وہ ہے نازی جی آپ کا ناول ''اے محبت تیری خاطر'' تب میں فارغ تھی، ایک دن ویسے ہی رسالہ اٹھایا کہ پڑھ لوں۔ کہانی کا نام دیکھا اچھا لگا۔ سوچا تھوڑا سا پڑھ لوں لیکن جیسے جیسے پڑھتی گئی میری دلچسپی بڑھتی گئی'' ویل ڈن نازیہ جی کیا بات ہے آپ کی۔ آپ کے قلم کی آپ کے دماغ کی اور ہاتھوں کی۔ اتنا زبردست موضوع چنا ہے آپ نے۔ آپ کے اس شاہکار نے مجھے قلم اٹھانے پر مجبور کر دیا۔ آپ کا ناول بہت سبق آموز ہے یقین جانیے نازیہ جی میں ناول پڑھ کر اس قدر متاثر ہوئی ہوں کہ دل چاہ رہا تھا کہ آپ سامنے ہوں اور میں آپ کے ہاتھوں کو چوم لوں۔ ہم لڑکیاں حقیقتاً ایسی ہی جذباتی ہوتی ہیں۔ آدم کے بیٹے کے ایک میٹھے بول پر اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہو جاتی ہیں۔ میں حقیقتاً آپ کی بہت بڑی فین ہوں۔ آنچل کے ذریعے جواب ضرور دیجیے گا۔ میں انتظار کروں گی۔ (دعا گو)

صائمہ یوسف راجہ، واچک

مہناز اینڈ شمائلہ کے نام!

السلام علیکم! کیا حال ہے۔ تیری یاد آئی تو قلم اٹھا لیا۔ میں تجھے بہت یاد کرتی ہوں۔ مجھ سے جلدی ملاقات کرو۔ مجھے وہ دن اچھی طرح یاد ہیں جب ہم دونوں اکٹھے آنچل پڑھا کرتے تھے۔ کاش وہ دن دوبارہ آ جائیں، جب ہم پھر سے اکٹھے ہوں۔ میری طرف سے سب گھر والوں کو اور خاص طور پر تمہیں سلام اور پیار۔ تمہاری مخلص دوست......

سمیرا اصغر، کھڑیانوالہ

لاڈلے سعید اور ثمینہ باجی کے نام!

السلام وعلیکم! لاڈلے پیارے اور چھوٹے بھائی راجہ سعید اکمل کیا حال ہے؟ لگا نہ جھٹکا! آنچل میں اپنے نام پیغام پڑھ کر...... کیسا لگا سرپرائز؟ میں آنچل کے ذریعے بتانا چاہتی ہوں کہ ہمیں تم سے کتنا پیار ہے۔ ۲۰ سال کی عمر میں ایک بچے کے باپ ہو اور حرکتیں بالکل چھوٹے بچوں جیسی کرتے ہو۔ سدھر جاؤ لڑکے! کل کو تمہارا بیٹا بھی تمہارے کندھوں تک پہنچ جائے گا۔ خیر تمہارے دس بچے کیوں نہ ہو جائیں ہمارے لیے تو تم وہی ہمارے چھوٹے پیارے اور لاڈلے سے بھائی ہی رہو گے۔ پیاری باجی ثمینہ! کیا حال ہے؟ بے وفا لوگو! کراچی جا کر آپ ہمیں بھول گئی ہو کیا جو کراچی کی ہی ہو کر رہ گئی ہو۔ پلیز آپی لوٹ آؤ کہ ہم سب آپ کے بغیر بہت اداس ہیں۔ بھائی ناصر، امی، بھائی نادر، سعید، صائمہ، میں (نازیہ) مختاور اور ہشام ہم سب آپ کو بہت یاد کرتے ہیں۔ مجھے لگتا ہے کہ آپ کا کراچی میں بہت دل لگ گیا ہے جو واپس آنے کا نام نہیں لے رہی ہو۔ آپ تو اپنے پیا کو ایسی پیاری ہوئی ہو کہ اپنا چہرہ دکھانے سے بھی گئی۔ اب آنچل میں میرا پیغام پڑھیں اور دوڑی دوڑی سرگودھا آئیں کہ ہم سب آپ کی راہ دیکھ رہے ہیں۔ ورنہ ہماری ناراضگی پکی ہے (دھمکی) پیاری سوئیٹ اور اچھی دوست نایاب جیلانی کیا حال ہے۔ نایاب آپ اتنا اچھا لکھتی ہو کہ بس آپ کی ہر تحریر دل چھو لیتی ہے۔ جتنی خود سوئیٹ ہو اس سے بڑھ کر پیاری کہانیاں لکھتی ہو۔ اللہ تمہیں دن دگنی رات چوگنی ترقی دے (آمین)

نازیہ یوسف، واچک

عبدل کے نام دعا!

آداب! میری دعا ہے!

جہاں رہو خوش رہو، کوئی غم بھی تمہیں چھونہ پائے
تیری زندگی جو طلب کرے تیرے ہمسفر کا وہ رنگ ہو
جو خیال دل میں اسیر ہو اور دعاؤں میں بھی تاثیر ہو
تیرے ہاتھ اٹھتے ہی خدا کرے تیرے سامنے تعبیر ہو
کامیابی ہمیشہ تمہارے قدم چومے (آمین)

نازیہ عبدل اینڈ مسکان وفا، جتوئی

پیاری بلی آپی کے نام......!

ہائے آپی! کیسا لگا میرا سرپرائز! ہمیشہ شکایت کرتی تھیں کہ میرا نام کیوں نہیں لکھتی آنچل میں چلو اب لکھ دیا، اب تو خوش ہونا۔ خدا تمہیں ڈھیروں ڈھیر خوشیاں عطا کرے آنے والا سال تمہارے لیے خوشیاں ہی خوشیاں لے کر آئے۔ تم جیو ہزاروں سال اور ہر سال کے دن ہوں تین سو پینسٹھ کیونکہ اس سے زیادہ دن تو ہو نہیں سکتے۔

عائشہ انجم، راولپنڈی

عزیز از جان سمیرا کے لیے

السلام علیکم! آپ کی خیریت مطلوب ہے۔ سمیرا ہمیں پتا ہے کہ تم ہر ماہ آنچل منگواتی ہو۔ 15 دسمبر کو تمہاری سالگرہ ہے اس لیے ہم نے سوچا کہ تمہیں سرپرائز دیا جائے اور تمہیں آنچل کے ذریعے سالگرہ وش کی جائے۔ سالگرہ بہت مبارک ہو۔

ثمرہ آمنہ...... کھڈریانوالہ

اپنوں کے نام پیغام

سدا خوش رہیں! پھول کلیوں کی طرح مسکراتے رہیں۔ آپ حیران کیوں ہیں، یہ میں ہوں آپ لوگوں کی بہن اور دوست! سوچا کیوں نا آپ لوگوں کو آنچل کے ذریعے ایک نئے طریقے سے وش کروں۔ مدیحہ! تم 30 دسمبر کو اس دنیا میں تشریف لائیں، سالگرہ بہت مبارک ہو۔ طیب بھائی اور منیبہ آپ لوگوں کی شادی سال کے شروع میں ہے۔ اس لیے ایڈوانس میں مبارک باد قبول ہو۔ سوئیٹ سائرہ تمہاری شادی کی سالگرہ 9 دسمبر اور سالگرہ 27 دسمبر کو ہے اس لیے ڈھیر ساری نیک تمنائیں۔ کیسا لگا سرپرائز آپ لوگوں کو؟ سچ بتانا مزا آیا۔ اللہ سے دعا گو ہوں اللہ تمہاری نیک خواہشات کو پورا کرے کیونکہ پرخلوص انسانی جذبات، قابل احترام رشتوں میں افضل ترین اور مقدس رشتہ ماں کے بعد دوستی کا ہے۔ میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے تم جیسی اعلیٰ ظرف اور نیک سیرت دوست ملی۔

ربیعہ اسا ور بٹ...... فیصل آباد

اپنوں کے نام

السلام علیکم! بہت عرصے بعد بلکہ یوں کہنا غلط نہ ہوگا کہ سالوں بعد آج قلم کاغذ کو ہاتھ میں پکڑا۔ یہ لمس کچھ اجنبی، کچھ جانا پہچانا اور سرد سا لگا۔ صائمہ قریشی کا نام آنچل کے لیے نیا نہیں لیکن دھول سے اٹی فائلوں میں شاید کہیں دب کر رہ گیا ہے۔ فرحت بجو کی اچانک، ابدی جدائی سے یوں محسوس ہوا جیسے ہمارے ست رنگی، اڑتے اڑتے آنچل کے سارے رنگ کسی نے انتہائی سفاکی سے نوچ لیے ہوں۔ عجیب ویرانی و بے زارگی نے جیسے اس کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہو۔ لیکن قانونِ قدرت کے آگے ہم سب بے بس ہیں، بہت سی تلخ حقیقتوں کو امرت سمجھ کر پی جانا ہی ہمارے حق میں بہتر ہوتا ہے! اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ فرحت بجو کو اعلیٰ مقام حاصل ہو اور ان کی تمام مشکلیں آسان ہوں۔ گو کہ میری فرحت بجو سے کبھی بات نہ ہوئی تھی لیکن جس طرح انہوں نے میری پزیرائی کی تھی ہمت بڑھائی تھی وہ قابلِ تحسین اور ناقابلِ فراموش ہے۔ فرحت بجو کی موت سے لگا کہ جو اک دھندلا سا خواب میں نے دیکھا تھا۔ وہ چکنا چور ہو گیا ہو۔ قلم کا ساتھ چھوٹا اور پھر چھوٹ ہی گیا۔ کچھ آنچل پر چھائی ویرانی حاوی ہو گئی مصروفیت اور کچھ فطری سستی نے سونے پر سہاگے کا کام کیا اور یہ فاصلہ بڑھتا ہی چلا گیا۔ لیکن ''اب اور نہیں۔'' اس عہد کے ساتھ مدتوں بعد آج پھر قلم کو اس مضبوطی سے پکڑا کہ انگلیاں چیخ گئیں۔ تو اب بس ایک بار پھر آپ سب کا ساتھ آنچل کا سایہ اور ڈھیروں دعائیں چاہیے۔ امید ہے اب کبھی مایوسی نہیں ہوگی۔ آنچل پر نظر ثانی تواتر سے ہوتی رہی۔ پچھلے چند ماہ سے آنچل میں بہت ساری خوش گوار تبدیلیاں محسوس ہوئیں۔ خوشی بھی ہوئی کہ ایک بار پھر آنچل لہرانے لگا۔ نئی ہونہار ٹیم کو دل کی گہرائیوں سے خوش آمدید کہتی ہوں۔ اس دعا اور امید کے ساتھ کہ آنچل کو ہمیشہ بہتر سے بہترین کی طرف گامزن کریں گے۔ اجازت چاہتی ہوں اس امید کے ساتھ کہ ایک بار پھر صائمہ قریشی کو وہی جگہ ملے گی جو برسوں پہلے تھی۔ اللہ سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ آنچل اور پاکستان کے لیے بہت سی دعاؤں کے ساتھ۔ اللہ نگہبان!

صائمہ قریشی...... آکسفوڈ

صائمہ اسحاق علی کراچی کے نام

پیاری بہن صائمہ آپ کو سالگرہ بہت بہت مبارک ہو۔ رب کریم سے دعا ہے کہ وہ آپ کو تمام جہانوں کی خوشیاں عطا فرمائے اور کبھی کوئی غم و دکھ آپ کے پاس کبھی نہ آئے۔ آمین۔

ایک بھائی و دوست

آپ کی پسند

زہرہ جبیں

akp@aanchal.com.pk

نجم انجم کی پسند...... کراچی

عید آئے گی

میں نے سوچا تھا عید آئے گی
زندگی کی اداس راہوں میں
میں بھی خوشیوں کے گیت گاؤں گی
آرزو کے دیئے جلاؤں گی
اور جی بھر کے مسکراؤں گی
عید آئی بھی اور چلی بھی گئی!
میں تو خوشیوں کے گیت گا نہ سکی
آرزو کے دیئے جلا نہ سکی
اور پھیکی سی اک ہنسی کے سوا
میں بالکل بھی مسکرا نہ سکی
میں نے سوچا تھا عید آئے گی

ظلِ ہما کی پسند...... فیصل آباد

قتل چھپتے تھے کبھی سنگ کی دیوار کے بیچ
اب تو کھلنے لگے مقتل، بھرے بازار کے بیچ
اپنی پوشاک کے چھن جانے پہ افسوس نہ کر!
سر سلامت نہیں رہتے یہاں دستار کے بیچ
سرخیاں امن کی تلقین میں مصروف رہیں
حرف بارود اگلتے رہے اخبار کے بیچ
جس کی چوٹی پر بسایا تھا قبیلہ میں نے
زلزلے جاگ پڑے ہیں اسی کہسار کے بیچ
کاش اس خواب کو تعبیر کی مہلت نہ ملے
شعلے جلتے مجھے نظر آئے ہیں گلزار کے بیچ
ڈھلتے سورج کی تمازت نے بکھر کر دیکھا
سرکشیدہ میرا سایہ صفِ اشجار کے بیچ
رزق، ملبوس، مکان، سانس، مرض، قرض، دوا
منقسم ہوگیا انساں انہی افکار کے بیچ
دیکھے جاتے تھے نہ آنسو میرے جس سے محسن
آج ہنستے ہوئے اسے دیکھا ہے اغیار کے بیچ

سیدہ نسبت زہرا کی پسند...... کہروڑپکا

ایسے چپ ہیں کہ یہ منزل بھی کڑی ہو جیسے
تیرا ملنا بھی جدائی کی گھڑی ہو جیسے
اپنے ہی سائے سے ہر گام لرز جاتا ہوں
راستے میں کوئی دیوار کھڑی ہو جیسے
کتنے ناداں ہیں تیرے بھولنے والے کہ تجھے
یاد کرنے کے لیے عمر پڑی ہو جیسے
تیرے ماتھے کی شکن پہلے بھی دیکھی تھی مگر
یہ گرہ اب کے میرے دل میں پڑی ہو جیسے
منزلیں دور بھی ہیں، منزلیں نزدیک بھی ہیں
اپنے ہی پاؤں میں زنجیر پڑی ہو جیسے
آج دل کھول کے روئے ہیں تو یوں خوش ہیں فراز
چند لمحوں کی یہ راحت بھی بڑی ہو جیسے

اریبہ شاہ کی پسند...... بہاولپور

تم ابرِ گریزاں ہو
میں صحرا کی مانند ہوں
دو بوند جو برسوگے بے کار میں برسوگے
ہے خشک بہت مٹی، ہر سمت بگولے ہیں
صحرا کے بگولوں سے اٹھتے بھی تو شعلے ہیں
تم کھل کے اگر برسو تو صحرا میں گلستاں ہو
پر تم سے کہیں کیسے، تم ابرِ گریزاں ہو
جل تھل جو اگر کردو، تن من میں نمی بھر دو
ہے خشک بہت مٹی پوری جو کمی کردو
پھر تم کو بتاؤں گی، تم میری محبت ہو

فریدہ جاوید فری کی پسند...... لاہور

کبھی اس طرح مجھے پیار دو
دلِ مضطرب کو قرار دو
جو دبے دبے جذبات ہیں
انہیں لفظ دو، اظہار دو
تیرے خواب سے نہ ہو سرخرو
میری آنکھ کو وہ خمار دو
میرے کاندھے پر سر رکھ کے تم
ہر بوجھ دل کا اتار دو
تیری زندگی میں رہوں سدا
چاہے جیت دو چاہے ہار دو
تیرے بن غزل کی اوقات کیا
اگر چھوڑنا ہے تو مار دو

زینب احسن زینی کی پسند...... فیصل آباد

کوئی ہم نشیں ایسا ملے
میرے درد کی جو دوا کرے
نہ ہو مجھے تلاش کسی اور کی
نہ وہ رہ سکے سوائے میرے
میری آنکھ میں ہے تیرا عکس
شب چاند میں یہ کہا کرے
میرا چاند جب میرے ساتھ ہو
تو وہ شب کبھی نہ ڈھلا کرے
میری زندگی میرا عکس تو
تیری ہر نظر یہ کہا کرے
تیرے بن نا مجھ کو نصیب ہو
وہ سانس جو جفا کرے

مریم جبین کی پسند...... نکال

کب ہوئی پیار کی برسات ہمیں یاد نہیں
خوف میں ڈوبی ملاقات ہمیں یاد نہیں
ہم تو مدہوش تھے اتنا اس کی چاہت میں
اس نے کب چھوڑ دیا ساتھ، ہمیں یاد نہیں
زندگی جبرِ مسلسل کی طرح کاٹی ہے
جانے کس جرم کی پائی ہے سزا یاد نہیں
میں نے پلکوں سے درِ یار پر دستک دی ہے
میں وہ ساحل ہوں جسے کوئی صدا یاد نہیں
آؤ اک سجدہ کریں عالمِ مدہوشی میں
لوگ کہتے ہیں کہ ساگر کو خدا یاد نہیں

کرن وفا کی پسند...... کراچی

''دسمبر''

اسے کہنا دسمبر لوٹ آیا ہے
ہوائیں سرد ہیں اور......!
وادیاں بھی دھند میں گم ہیں
پہاڑوں نے برف کی شال پھر سے
اوڑھ رکھی ہے!
سبھی راستے تمہاری یاد میں پُرنم
سے لگتے ہیں
جنہیں شرفِ مسافت تھا
وہ سارے کارڈ، وہ پرفیوم، وہ چھوٹی سی ڈائری
وہ چائے جو ہم نے ساتھ میں پی تھی
تمہاری یاد دلاتی ہے
تمہیں واپس بلاتی ہے
اسے کہنا کہ [illegible]!
''دسمبر'' لوٹ آیا ہے!
تم بھی لوٹ آؤ نا!

تہمینہ کوثر کی پسند...... للیانی

تیری یادوں کے سہارے، دسمبر گزر گیا
لگے یار نہ ہم کنارے، دسمبر گزر گیا
تمہاری نگاہوں کی تپش نہیں ملی
اکیلے ہی ٹھٹھرتے دسمبر گزر گیا
اس سال بھی دکھوں کا بھرپور ساتھ رہا
انہی دکھوں کو سمیٹتے دسمبر گزر گیا
کئی ساتھ چھوٹے اب کے برس
کئی گھروں کو بکھیرتے دسمبر گزر گیا
فقط ایک دسمبر میں تیرا ساتھ چلا
اسی کو دہراتے دسمبر گزر گیا
اب ایسے بھی کٹیں گے صائم کئی سال
جیسے سفر میں دسمبر گزر گیا

☐

ہم سے پوچھیے

شمائلہ کاشف

فرخندہ فیض...... کنگ چنن

س: کیا زندگی میں سنبھلنے کے لیے ٹھوکر کھانا ضروری ہے؟

ج: بعض کو ٹھوکریں کھا کر ہی عقل آتی ہے

کوئی پتھر تو سر راہ پڑا رہنے دو

س: آپی اکثر حسیناؤں کے شوہر حضرات گنجے کیوں ہوتے ہیں؟

ج: تم حسیناؤں کے شوہروں کو دیکھتی ہی کیوں ہو؟

س: ساس کو ماں کیسے بنایا جاسکتا ہے؟

ج: ماں کو دشمن سمجھنا شروع کردو۔

سمرا' سمیرا' آمنہ...... کھڑریانوالہ

س: آپی! بتایئے ذرا ہر ماہ کس چیز کا انتظار ہوتا ہے؟

ج: یا تو تنخواہ کا یا آنچل کا۔ ٹھیک ہے نا۔

س: شعر کا جواب شعر میں دیں۔

وہ کر رہے تھے اپنی وفاؤں کا تذکرہ
دیکھا ہمیں تو پہلو بدل کر رہ گئے

ج: ہم کو ان سے وفا کی ہے امید
جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

انعم خان...... ہری پور ہزارہ

س: شمائلہ آپی لوگوں کو پیا کی یاد آتی ہے۔ ذرا بتائیں تو کبھی بھولے سے آپ کو میری یاد آئی؟

ج: تم سب ہمارے دل میں رہتی ہو اس لیے یاد کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

س: شمائلہ آپی لڑکیاں آپ سے پوچھتی رہتی ہیں کہ اگر دوست دھوکہ دے تو کیا کرنا چاہیے۔ مگر میرا سوال ہے کہ اگر دوست مخلص ہو اور ہم سے دھوکا کھا جائے تو ہمیں نہیں' اُسے کیا کرنا چاہیے؟

ج: جب جرم تسلیم کرلیا تو اپنی سزا ابھی خود ہی تجویز کرو۔

س: آپی موت برحق ہے اور زندگی؟

ج: ایک جیتی جاگتی حقیقت۔

س: بھہروز کو سنو ایک بات بتاؤ اجازت دو کیا اگلی بار آنے کی اجازت ہے؟

ج: آپ سو بار آئیں۔ چشم ما روشن' دل ماشاد۔

آسیہ اشرف...... گنگا پور

س: کیا زندگی واقعی درد میں ڈوبی ہوئی شہنائی ہے؟

ج: زندگی میں کوئی بھی دور مستقل نہیں رہتا۔ غم و خوشی کا امتزاج ہے زندگی۔

س: آپی! کیا ہر دکھ کا اظہار آنسو بہانے سے ہوتا ہے؟

ج: جو آنسو دل میں رہتے ہیں وہ آنکھوں میں نہیں رہتے

بہت سے لفظ ایسے ہیں جو لفظوں میں نہیں رہتے

س: ہمارے لیے دوسروں کو سمجھنا مشکل ہے۔ یا خود اپنے آپ کو؟

ج: کبھی کبھی دوسروں کو اور کبھی خود اپنے آپ کو۔

فضا یونس...... گنگا پور' فیصل آباد

س: زندگی اور امید کا تعلق کتنا گہرا ہے؟

ج: امید زندگی کی روح ہے۔

س: زندگی میں خوشی کا عرصہ کم کیوں ہوتا ہے؟

ج: کسی دانش ور نے کہا ہے کہ خوشی دو غموں کے درمیان آنے والے وقفے کا نام ہے۔

اقصیٰ' فوزیہ' عربیلا...... فیصل آباد

س: السلام علیکم! آپی کیا حال ہے میرا؟

ج: ہم سے ہمارا حال پوچھا کرو۔ تمہارا حال تم خود جانو۔

س: آپی اگر میں آپ کی بڑی بہن ہوتی تو؟

ج: تو ہم آپ کی چھوٹی بہن کہلاتے۔

س: آپی ہم نے آنچل میں اپنا نام پڑھا۔ ہم اتنا اچھلیں اتنا اچھلیں پھر......؟

ج: تھک کر بیٹھ گئیں ہے نا!

پروین افضل شاہین...... بہاول نگر

س: سرخ آنکھیں چلاتی زبان چلتا منہ اور گھن چکر قدموں کو روکنے کا کوئی طریقہ بتائیں؟

ج: دماغ کو ٹھنڈا رکھو۔ یہ سب غصہ کی علامتیں ہیں۔

طیبہ نذیر...... شادیوال گجرات

س: آپی مرد کے دل کا راستہ معدے سے ہو کر گزرتا ہے۔ عورت کے دل کا راستا کہاں سے ہو کر گزرتا ہے؟

ج: مرد کی جیب سے۔

س: سب لوگ کہتے ہے کہ جس کا کوئی دشمن نہیں اس کا کوئی دوست بھی نہیں ہوسکتا۔ کیا واقعی؟

ج: لوگ غلط کہتے ہیں۔ سب کو دوست رکھا کرو۔

س: آپی جی! اچھی سی دعاؤں کے ساتھ رخصت کریں۔

ج: جیتی رہو خوش رہو آباد رہو۔

فائزہ ملک...... جھنگ

س: اپیا جانی! محبت کرنے والے کم نہ ہوں گے لیکن......؟

ج: آنچل کی محفل میں پھر بھی ہم ہی ہوں گے تم بے فکر رہو۔

س: آپی سنا ہے لوگ اسے آنکھ بھر کے دیکھتے ہیں بھلا کس کو؟

ج: گلی میں آنے والے سبزی فروش کو ہے نا!

س: چاروں موسم آئے گئے لیکن ہماری آنکھوں میں بس ایک موسم ٹھہر کے رہ گیا ہے۔ بتایئے کون سا؟

ج: پانچواں موسم' انتظار کا ٹھیک کہا نا!

مہرین سجاد...... سکھر

س: آپی! محبت میں تیرے سر کی قسم ایسا ہی ہوتا ہے بھلا کیا؟

ج: شوہر اتوار کے گھر کے کپڑے دھوتا ہے۔

س: اپیا! آپ کی محفل میں اتنی سنگ باری ہے تب بھی آپ تروتازہ کیسے رہتی ہیں؟

ج: وہ سنگ باری نہیں' محبت کے پھولوں کی برسات ہے۔ چشمے کا نمبر بدل کے دیکھو۔

س: اپیا اگر لوگوں میں منافقت نہ ہوتی تو کیا ہوتا؟

ج: ہم سب تجربات سے محروم رہتے۔ منفی رویے تو انسان کو سبق دیتے ہیں۔

س: اپیا! آپ کو کیسے لوگ اچھے لگتے ہیں؟

ج: صاف دل' نیک سیرت محبت کرنے والے جیسی تم سب ہو۔

تعبیر جہاں...... جلال پور پیروالا

س: اپیا! چاند کو دیکھیں تو لگے عکس اسی کا' بتائیں کس کا؟

ج: وہی جو ہر سال گرمیوں میں گنجے ہوتے ہیں۔

س: آپی جی! جب دل اداس ہو تو کیا کرنا چاہیے؟

ج: دل کو ڈانٹو اور خوش رہا کرو۔

س: آپی جی! اگر محبت بازار میں سیل پر لگ

جائے تو؟

ج: اف خدایا! پھر تو لوگ منوں کے حساب سے خرید کر گھر لے آئیں۔

س: اپیا جی! آنچل کی ٹائٹل گرل ہمیں ہمیشہ آپ جیسی کیوں لگتی ہے؟

ج: آنکھوں پر محبت کی عینک لگا کر جو دیکھتی ہو۔

زندگی گڑیا...... پیروں وال

س: آپی جی شعر مکمل کریں۔

محبت اب نہیں ہوگی' یہ کچھ دن بعد میں ہوگی۔

ج: گزر جائیں گے جب یہ دن' یہ ان کی یاد میں ہوگی۔

س: اپیا جانی! صبر + شکر + توکل =......؟

ج: خوش گوار خوب صورت زندگی۔

آپی جی! آپ کے بارے میں سوچوں تو دل شاد ہوتا ہے؟ سب مسکرانے لگتے ہیں اور آنکھیں چمک اٹھتی ہیں؟

ج: اللہ تعالیٰ تمہیں ایسے ہی ہنستی مسکراتی رکھے۔ خوش رہو۔

س: اپیا! دل کے آنگن میں پت جھڑ کے بعد؟

ج: کچرا ہی کچرا نظر آتا ہے جناب۔

صائمہ اسحاق علی...... کراچی

س: آپی! زندگی اور دنیا آپ کی نظر میں کیا ہیں؟

ج: اللہ کی دی ہوئی نعمت اور دنیا ایک امتحان گاہ۔

س: آپی جی! ماسی' شوہر اور ساس میں کیا چیز مشترک ہے؟

ج: تینوں ہی صبر کا امتحان لیتے ہیں۔

س: اپیا! اب ہم آپ کو کیسے بتائیں کہ ہمیں پھر "وہ" ہوگیا ہے بھلا کیا؟

ج: ڈینگی بخار جلدی سے علاج کرواؤ اور مچھروں سے دور رہو۔

جویریہ ضیاء...... ملیر کراچی

س: السلام علیکم! پیاری آپی شمائلہ کیسی ہیں آپ؟

ج: وعلیکم السلام! الحمد للہ' بالکل ٹھیک۔

س: آپی میں تنہائی میں کسے یاد کرتی ہوں؟ اپنی دوستوں کو یا آنچل کو؟

ج: آنچل کو۔

س: آپی پھول سونگھنے کے لیے توڑتے ہیں دل کس لیے توڑتے ہیں؟

ج: دوبارہ جوڑنے کے لیے۔

س: اگر محبت بازار میں فروخت ہو تو انسان کتنی بار خریدے گا؟

ج: محبت دل میں ہوتی ہے بازار میں نہیں۔

فریش ایور...... عیسیٰ خیل

س: سلام آپی آپ کو پتا ہے میں نے اپنا نِک فریش ایور کیوں رکھا؟

ج: وعلیکم السلام' نہیں۔

س: آپی ٹرک بھیج رہی ہوں ملتے ہی فوراً اس میں بیٹھ کر عیسیٰ خیل آجانا۔ آپ سے ملنے کو دل کر رہا ہے؟

ج: راستے بند ہیں نہیں آسکتے۔

س: جا رہی ہوں ارے ہمیشہ کے لیے نہیں پھر آؤں گی؟

ج: شکر ہے گئیں۔

کام کی باتیں

حنا احمد

آزمودہ ٹوٹکے

☆ مکھن میں ٹھنڈ اور نمی کے دنوں میں ایک خاص قسم کی ناگوار بو آجاتی ہے اس سے بچنے کے لیے اس میں دھنیے کے چند پتے ڈال دیں۔ مکھن کو جب ابالیں یا پگھلائیں تو بعد میں اسے چھان لیں۔

☆ اچار کو تا دیر محفوظ رکھنے کے لیے ایک چھوٹی سی پلاسٹک کی تھیلی میں تھوڑی سی ہینگ اچھی طرح بند کر کے جار کے اندر ڈال دیں اس طرح اچار خراب ہونے سے محفوظ رہے گا۔

☆ پنیر سے بنی ہوئی اشیاء میں اگر تھوڑا سا سرسوں شامل کرلیا جائے تو کھانے کی خوش بو میں اور اضافہ ہوجاتا ہے۔

☆ جوتے سے پاؤں میں پڑنے والے آبلوں پر اگر انڈے کی سفیدی لگائیں اور پنکھے کی تیز ہوا میں اسے فوراً خشک کرلیں تو یہ جلد ہی ختم ہوجاتے ہیں۔ گلیسرین بھی مفید رہتی ہے۔

کچھ اچھے ٹوٹکے

۞ صابن کی ٹکیوں کے ریپر پھینکیں نہیں' انہیں اپنے جوتوں کے ریک میں رکھ دیں۔ جوتوں اور موزوں کی بو سے گھر محفوظ ہوجائے گا۔

۞ باورچی خانے یا غسل خانے کے سنک یا واش بیسن کو چمک دار بنانے کے لیے اسے مکمل طور پر پیپر نیپکنس (ٹشو) سے ڈھک دیں اس پر کچھ بوندیں پانی ڈال کر ایک چمچہ بلیچنگ پاؤڈر ڈال کر آدھا گھنٹا چھوڑ دیں۔ اس کے بعد ٹشو پیپر سے واش بیسن کو رگڑیں۔ بیسن یا سنک چمک اٹھے گا۔

۞ اسٹین لیس اسٹیل کے برتنوں سے اسٹیکر نہ چھوٹ رہے ہوں تو اس حصے کو اندر کی طرف آگ کے شعلے پر رکھیں اور اسٹیکر کو چھیل کر نکال لیں۔ آسانی سے اسٹیکر نکل جائیں گے۔

۞ شہد جام یا مارملیڈ وغیرہ کی شیشیاں اگر کھل نہ رہی ہوں تو ان کے ڈھکن کو تھوڑا آگ پر گرم کریں آسانی سے کھل جائیں گے۔

۞ پنیر کو زیادہ عرصے محفوظ رکھنا ہو تو اسے ہلکے سرکے یا سرکہ ملے پانی میں بھیگے نیپکن میں لپیٹ کر رکھیں۔ عرصے تک تازہ رہے گا۔

۞ گندھے ہوئے آٹے کو محفوظ رکھنا ہو تو اسے دودھ کے صاف خالی پیکٹ میں رکھ کر فریج میں رکھیں۔ کافی دیر تک یہ آٹا روٹیاں بنانے کے کام آسکے گا۔

اونی کپڑے دھوتے وقت ایک چائے کا چمچ گلیسرین ڈال کر دھوئیں۔ کپڑے سکڑیں گے نہیں اور اپنی چمک برقرار رکھیں گے۔

۞ لباس میں بٹن ٹانکنے کے بعد دھاگوں پر ایک بے رنگ نیل پالش ٹپکا دیں۔ بٹن آسانی سے ٹوٹیں گے نہیں۔ بچوں کے کپڑوں میں اس عمل کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔

۞ سردیوں میں اکثر ہونٹ پھٹ جاتے ہیں۔ تازہ کچا دودھ ہونٹوں پر روزانہ لگانے سے آرام آجاتا ہے۔

۞ سردیوں میں پاؤں کی ایڑیاں پھٹ جائیں تو گلیسرین میں دیسی صابن کے ٹکڑے ڈال کر پھٹی ہوئی جلد میں بھر دیں۔ سوتی جرابیں پہن کر رات کو سو جائیں۔ اگلے روز پاؤں دھولیں۔ کئی روز رات

کو یہ ٹوٹکا دہرائیں۔ پھٹی ہوئی ایڑیاں بالکل ملائم ہوجائیں گی۔

❖ شہد میں ادرک ملا کر چبانے سے گلا ٹھیک ہوجاتا ہے اور بند آواز کھل جاتی ہے۔

❖ ہچکی آرہی ہو تو لونگ کھالیں یا چٹکی بھر نمک کھالیں یا دو سیکنڈ کے لیے سانس روک لیں۔

❖ قہوہ میں لیموں نچوڑ کر پینے سے تھکاوٹ دور ہوجاتی ہے۔

❖ دانت کے درد کے لیے درد کے مقام پر لونگ رکھنا یا لونگ کا تیل روئی پر لگا کر رکھنا بہت کارآمد نسخہ ہے۔

❖ کارن فلور دودھ میں ملا کر پیسٹ بنالیں اور چہرے پر لگائیں۔ ہفتے میں دو بار یہ کرنے سے رنگ گورا ہونے لگے گا دھوپ سے جھلسی ہوئی جلد بھی ٹھیک ہوجائے گی۔

❖ چاول اور دال اگر زیادہ لے کر اسٹاک کرلیے جائیں تو کیڑا لگ جاتا ہے۔ اگر دو یا تین تیز پات ڈال دیں تو کیڑا نہیں لگے گا۔

❖ اکثر قمیص دھلنے کے بعد اس کا کالر پوری طرح صاف نہیں ہوتا۔ اس کے لیے قمیص دھونے سے پہلے تھوڑا سا شیمپو کالر پر لگا کر رگڑیں پھر قمیص دھولیں کالر بالکل صاف ہوجائے گا۔

❖ اکثر لوگوں کو سفر کے دوران چکر اور متلی کی شکایت ہوتی ہے۔ اس سے بچنے کے لیے سفر شروع کرنے سے پہلے سونٹھ کا سفوف دو یا تین چٹکی لے کر پھانک لیں۔ اس شکایت میں یہ بہت مفید ہوتا ہے۔

❖ اگر کچن کیبنٹ میں لال بیگ ہوجائیں تو تھوڑا سا سرف ایکسل ایک شاپر میں ڈال کر اور اس کا منہ کھلا چھوڑ کر کیبنٹ میں رکھ دیں دو تین دن بعد تمام لال بیگ اس شاپر میں آرام فرماتے ملیں گے۔

❖ کپڑوں پر اگر بال پوائنٹ کا دھبا لگ جائے تو جہاں لگا ہو اس کپڑے کے نیچے اخبار رکھ کر دھبے پر تھنر روئی میں بھگو کر دیں۔ دھبہ پھیل کر اخبار میں جذب ہوجائے گا پھر کپڑے کو اچھی طرح دھولیں۔

❖ اگر چھری چمچ جیسی چیزوں پر زنگ لگ جائے تو میٹھا سوڈا، سرکہ اور وم یا جس چیز سے بھی برتن دھوتے ہیں ان تینوں کا ملغوبہ سا بنالیں اور برتنوں پر لگا کر ایک دو گھنٹے کے لیے چھوڑ دیں اور پھر پانی سے دھولیں۔ زنگ سے نجات مل جائے گی۔

❖ شوگر کا مرض اب عام ہوگیا ہے۔ اس کے لیے ڈاکٹری نسخے کے ساتھ اگر ہفتے میں تین بار کھانے کے تین چمچے کریلوں کا رس نکال کر پی لیا جائے تو اس عمل سے مریض کو کافی فائدہ ہوگا اور شوگر کنٹرول میں رہے گی۔

❖ تازہ ترین خبر ہے کہ وہ مریض جو دل کے مرض میں مبتلا ہیں انہیں چاہیے کہ وہ سورج مکھی کا تیل باقاعدگی سے استعمال کریں یہ تیل خون میں کولیسٹرول کی سطح کو کم کرنے کے لیے اہم کام سر انجام دیتا ہے۔

❖ شیشے کے برتنوں میں چمک لانے کے لیے انہیں کسی بھی واشنگ پاؤڈر سے دھو کر جب کھنگالیں تو پانی میں دو چمچ سرکہ ملالیں۔ اس طرح برتنوں میں چمک آجائے گی۔

❖

تندرستی صحت

لبابہ احمد

خصوصی افراد...... خصوصی توجہ چاہتے ہیں

معذوری سے نبرد آزما ہونے کے لیے بڑے عزم و حوصلے کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ لوگ جو خوش قسمتی سے خود کسی معذوری میں مبتلا نہیں ہیں، معذور افراد کی پریشانیوں اور مسائل کا محض احساس ہی کرسکتے ہیں، اندازہ نہیں۔ دوسری طرف معذور افراد کو بے کار سمجھنا بھی صریحاً غلط ہے کیونکہ اگر معذور افراد اپنی اہمیت اور قدر و قیمت کا انداز کرلیں تو اپنے آپ کو نہ صرف عام فرد کی طرح محسوس کریں گے بلکہ انہیں کسی قسم کا احساس کمتری بھی نہیں ہوگا۔ دنیا میں بے شمار ایسے افراد ہیں جنہوں نے اپنی معذوری کو مجبوری نہیں بننے دیا اور ایسے کام کرکے دکھائے کہ صدیوں بعد بھی ان کے موجود ہونے کی گواہی مل رہی ہے۔ ہیلن کیلر نے جو ایک نابینا خاتون تھیں۔ "ریڈیم" ایجاد کرکے دنیا کو حیران کردیا۔ اسی طرح مشہور ایجاد کنندہ، ایڈیسن بھی بلب سمیت متعدد چیزوں کا موجد ہے حالانکہ ایڈیسن قوت سماعت سے محروم شخص تھا۔ یاد رہے، وہ پیدائشی طور پر معذور نہیں تھا بلکہ ایک جھگڑے کے دوران قوت سماعت کھو بیٹھا تھا۔

معذور افراد کے ساتھ ہمارا رویہ ہمدردانہ اور دوستانہ ہونا چاہیے۔ ہمیں اپنے عمل سے ان کو یہ احساس نہیں دلانا چاہیے کہ وہ کسی طرح بھی ہم سے کم تر ہیں کیونکہ ایسے افراد عام لوگوں کے مقابلے میں زیادہ حساس ہوتے ہیں، ذرا سی ٹھیس سے ان کے دل ٹوٹ جاتے ہیں اور وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہوجاتے ہیں کہ ان پر "ترس" کھایا جارہا ہے لہٰذا ان کے ساتھ عمومی نوعیت کا ہمدردانہ جذبہ رکھنا چاہیے جیسا کہ ایک انسان دوسرے انسان کے ساتھ روا رکھتا ہے۔ اس حوالے سے ایک اور المیہ یہ ہے کہ لڑکوں کے مقابلے میں لڑکیوں کا معاملہ خاصا مختلف ہوتا ہے، اگر لڑکیوں میں کسی قسم کی کوئی کمی یا نقص رہ جائے تو والدین اسے دوسروں سے حتی الامکان چھپاتے ہیں کہ مبادا بچی کی بیماری یا معذوری کا سن کر لوگ حد سے زیادہ باتیں نہ بنانے لگیں اور پھر پہلی فکر جو انہیں ہوجاتی ہے وہ یہ کہ کہیں آگے چل کر بچی کے رشتے میں شدید مشکلات نہ پیش آئیں۔ والدین کو اس قسم کا رویہ اپنا کر بچی کی جسمانی بیماری کے ساتھ ذہنی بیماری کو بھی مدنظر رکھتے ہوئے تمام کیفیات کو معالج کے سامنے رکھنا چاہیے تاکہ اگر کسی قسم کے بروقت علاج سے بچی کی بھرپور نگہداشت ممکن ہو تو ایسا کرلیا جائے۔

معذور افراد کی ذہنی اور جسمانی تربیت کے لیے ملک بھر میں خاصے ادارے کام کررہے ہیں مگر ایسے اداروں کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی ہے، جو اپنے وسائل کے اندر رہتے ہوئے ممکنہ حد تک معذور افراد کی تربیت کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ ملک کے سب سے بڑے شہر کراچی کی مصروف شاہراہ پر واقع آئی ڈاریو (IDA-REIU) کا شمار بھی ایسے ہی ادارے میں کیا جاسکتا ہے جو جسمانی عوارض کے شکار افراد کی خلوص اور تندہی سے خدمات کی فراہمی میں مصروف ہیں۔ آئی ڈاریو کے قیام کے پس منظر میں جائیں تو پتا چلتا ہے کہ 1920ء کے عشرے میں ریو سندھ کے کمشنر تھے اور آئیڈا ان کی اہلیہ تھیں۔ آئیڈا سماجی خدمات انجام دینے والی خاتون تھیں اور غریبوں اور ناداروں کی بہت امداد کیا کرتی تھیں۔ بنیادی طور پر وہ ایک نرس تھیں۔ اس زمانے کا سندھ انتہائی پسماندہ تھا۔ ذرائع نقل و حمل میں اونٹ گاڑی، بیل گاڑی جب کہ سفر کے لیے گھوڑا گاڑی استعمال کی جاتی تھیں۔ آئیڈا 1921ء میں نواحی علاقے میں